سنسنی خیز و مکمل پر دنیا کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

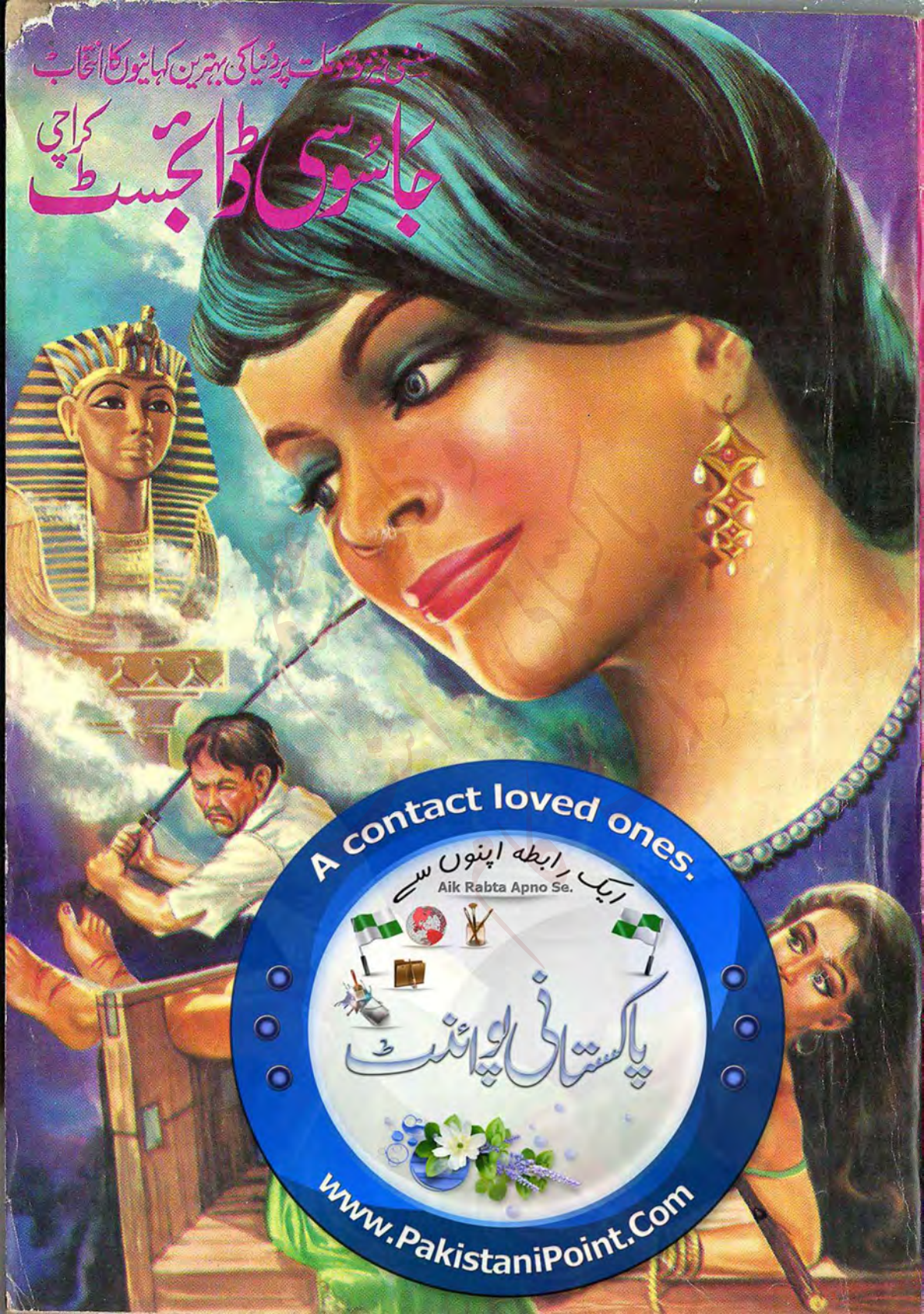

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

جاسوسی ڈائجسٹ کے

سلور جوبلی نمبر

میں ۲ انعام یافتہ کہانیاں پیش کی جائینگی

پہلی انعام یافتہ کہانی پر ۱۰۰۰ روپے

اور دوسری انعام یافتہ کہانی پر ۵۰۰ روپے

پیش کیئے جائیں گے

انعام یافتہ کہانیوں کے اس مقابلے میں حصہ لینے کی دعوت ہر اس قلم کار کو دیجاتی ہے جس کو اپنی تحریروں پر اعتماد ہے،

شرائط

- ○ پہلی انعام یافتہ کہانی کے مقابلے میں صرف طبعزاد کہانیاں شامل کی جائیں گی،
- ○ دوسری انعام یافتہ کہانی کے مقابلے میں صرف تراجم اور دوسری زبانوں سے ماخوذ کہانیاں شامل کی جائیں گی۔

اس خصوصی مقابلے کے لئے صفحات کی قید ہٹا دی گئی ہے، حسب ذیل موضوعات پر کہانیاں بھیجی جاسکتی ہیں،

○ جرم وسزا ○ اسپائی ○ پراسرار ○ ایڈونچر ○ خوفناک ○ جرائم وغیرہ

انعام حاصل کرنے والی کہانیوں کے علاوہ مقابلے میں شریک دوسری کہانیاں، اگر ادارۂ جاسوسی ڈائجسٹ چاہے تو عام معاوضہ دے کر شائع کرسکتا ہے، منصفین کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا، کہانی وصول ہونے کی آخری تاریخ یکم دسمبر ۱۹۷۲ء ہے،

جاسوسی ڈائجسٹ پوسٹ بکس ۲۲۹ کراچی

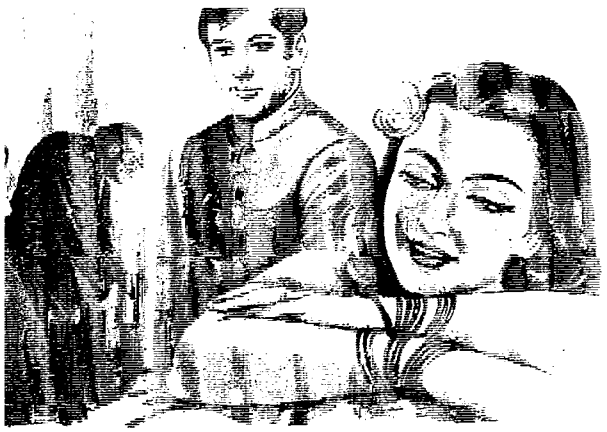

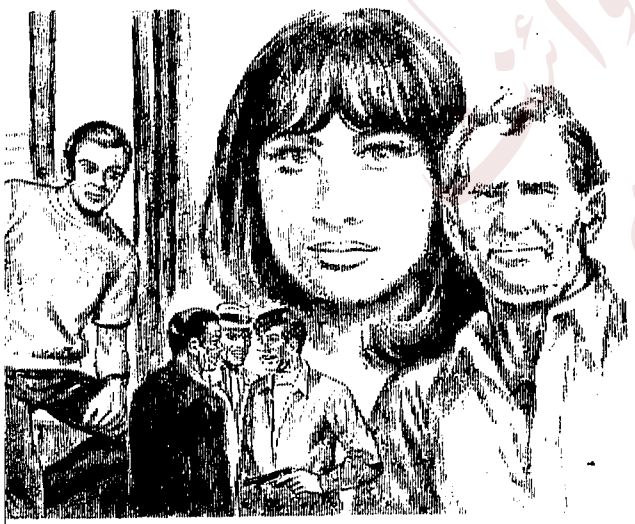

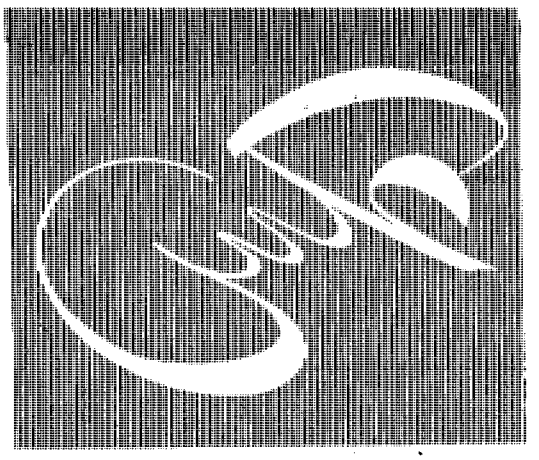

انعام یافتہ

اِبلیس پرست ——— ایم اعجاز بٹالوی ۱۰

اِس شمارے کی انعام یافتہ کہانی
جس پر مصنّف کو پانچ سو رُوپے اِنعام مِلا

پُراسرار

برہمچاری ——— شبیر حسن خان ۵۰

ایک پُراسرار آپ بیتی :
نویں قسط، سابقہ قسطوں کے خلاصے کے ساتھ

ناگ بھون ——— سُلطان محمد خان ۱۱۰

سانپوں کی پُراسرار دُنیا کے خوفناک واقعات
گیارھویں قسط، سابقہ قسطوں کے خلاصے کے ساتھ

سُراغرسانی

آواز کا جال ——— انجم نوید ۹۳

اُس جاسُوس نے اپنی پُوری زندگی
میں صرف یہی ایک کیس حل کیا تھا :

جرائم

بے بس قانون ——— ش۔م۔جمیل ۶۷

کبھی کبھی قانون بھی بے بس ہوجاتا ہے
ایک محوِ پرواز جہاز میں یہ عبرتناک واقعہ پیش آیا :

جلد ۲ ★ شمارہ ۱۲ ★ دسمبر ۱۹۷۲ء

—— قیمت ★ دو رُوپے ——

زرِ سالانہ مع رجسٹری فیس ★ ۲۵/- رُوپے

خط و کتابت کا پتہ ★ پوسٹ بکس ۲۲۹ کراچی

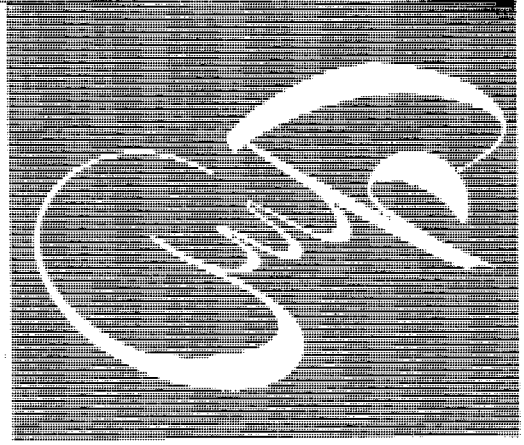

جرم وسزا

ذہانت کی آزمائش — اویس ناصر ۳۷

ایک جینیس کی کہانی
جس نے ایک بینک لوٹنے کا مکمل منصوبہ بنایا ؛
الفریڈ ہچکاک کا انتخاب

مفرور قیدی — اثر نعمانی ۷۷

ایک ناخلف بیٹے کی دلچسپ کہانی
الفریڈ ہچکاک کا انتخاب

کاہل سپاہی — اقبال پاریکھ ۱۰۳

ایک سپاہی کی داستان
جو انتقام کی آگ میں جل رہا تھا
ہنری سلاسر کے قلم سے

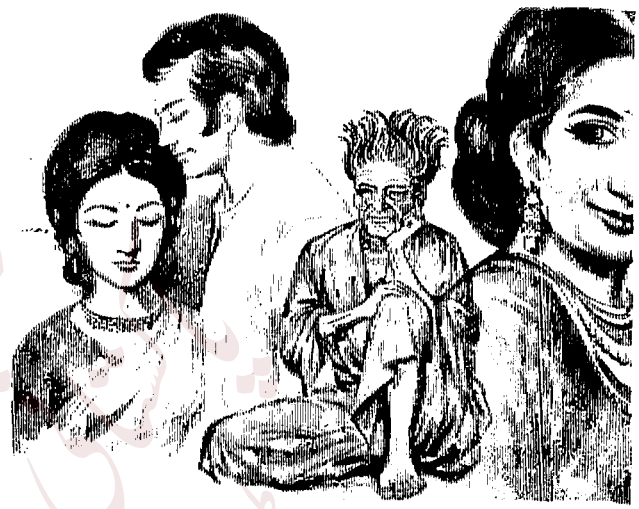

سرورق

بگولوں کا دیس — عشرت ندیم ۱۳۱

وادیٔ نیل کے ریگزاروں میں جنم لینے والا
ایک محیر العقول واقعہ ، سرورق کی پہلی کہانی

بنتِ نیل — صفدر صدّیقی ۱۴۲

فرعونوں کے زمانے کی ایک ممی کو زندہ کرنے
کے دوران پُر اسرار واقعات پیش آئے ۔
سرورق کی دوسری کہانی ——

پبلشر ★ عبدالغفار
پرنٹر ★ منظور احمد خان
مطبوعہ ★ جاوید پریس
آئی آئی چندریگر روڈ کراچی
مقامِ اشاعت ۴/۷-E-۷ ناظم آباد کراچی ۱۸

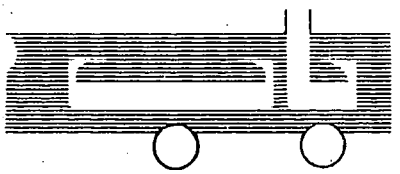

باب

اداریہ

اس پرچے کے ساتھ ہی جاسوسی ڈائجسٹ نے دو سال پورے کر لیے ہیں۔ ان دو سالوں میں اس ماہنامے نے جو ترقی کی ہے، اُس کی مثال نہیں ملتی —— جاسوسی ڈائجسٹ کی کامیابی موافق حالات کے سہارے کوئی اتفاقی کامیابی نہیں ہے۔ جب یہ ماہنامہ نکلا تو اُس وقت بازار میں اس قسم کے کئی رسالے موجود تھے —— جن کے مالکان اور مُدیر صحافت کا برسوں کا تجربہ رکھتے تھے لیکن پُرخلوص دوستوں کے تعاون، دیانتداری اور محنت کو اپنا مسلک بنا کر جب میں نے یہ ماہنامہ شروع کیا تو اُسے شروع ہی سے غیر معمولی کامیابی حاصل ہُوئی۔ اگرچہ اس دور میں بھی بعض دوست نما دشمن، کچھ احمق دوست اور کچھ کُھلے دشمن موجود تھے، جنہوں نے اپنی سی پوری کوشش کی لیکن اُن سب کی مجموعی تخریبی کاوشوں کے باوجود آج جاسوسی ڈائجسٹ مُلک کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ماہنامہ ہے۔ قارئین اپنے محبوب ماہنامے پر اعتماد رکھتے ہیں اور اسی اعتماد کی بُنیاد پر جاسوسی ڈائجسٹ کا نئے سال کا پہلا شمارہ "سلور جوبلی نمبر" کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

'سلور جوبلی نمبر' کی تیاریاں تو پچھلے ماہ سے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ اس ماہ یہ تیاریاں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہیں۔ ش۔م جمیل، اقبال پاریکھ، قلیم علیم، اثر نعمانی اور بہت سے دُوسرے مصنفین اس سلسلے میں میرے ساتھ پورا پورا تعاون کر رہے ہیں۔ انشاءاللہ سلور جوبلی نمبر آپ کی توقعات پر پُورا اُترے گا۔

اِس ماہ بہت سے خطوط ایسے بھی آئے ہیں جن میں یہ لکھا گیا ہے کہ ان خطوط کا ذکر "باب" میں کیا جائے ایسے حضرات سے میں معذرت خواہ ہوں۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اس صفحے میں صِرف اُنہی خطوط کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں کوئی ایسا مسئلہ ہو، قارئین کی بہت بڑی تعداد جس کے متعلق جاننا چاہتی ہو۔

اور اب آئیے اس ماہ کے شمارے کی طرف —— اِس ماہ کہانیوں کے انتخاب میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ وہ تبدیلی کیا ہے۔ یہ تو آپ پڑھ کر ہی محسوس کریں گے۔ اس ماہ طویل کہانیاں زیادہ ہیں اور سب بے حد دلچسپ اور نئے انداز کی۔

اس ماہ انعام یافتہ کہانی ایم اعجاز بٹالوی کی "ابلیس پرست" ہے شیطان کے پس منظر میں لکھی ہوئی یہ کہانی ایک انگریزی ناول سے ماخوذ ہے۔

اِقبال پاریکھ اور ش م جمیل کی صرف ایک ایک کہانی پیش کی جا رہی ہے کیونکہ یہ دونوں صاحبان سلور جوبلی نمبر کی تیاریوں میں مصرُوف ہیں۔

سرورق کی اس ماہ دو کہانیاں ہیں جو عشرت ندیم اور صفدر صدیقی نے لکھی ہیں۔ سلور جوبلی نمبر کے سرورق پر حسبِ معمول تین کہانیاں ہی پیش کی جائیں گی۔

اب آپ صفحہ اُلٹ کر انعام یافتہ کہانی کی دلچسپیوں میں گُم ہو جائیے اور مجھے اجازت دیجیے۔

معراج رسول

بلیسیڈس

اس شمارے کی انعام یافتہ کہانی
جس پر مصنف کو ۵۰۰/- روپے انعام ملا

ایم اعجاز بٹالوی

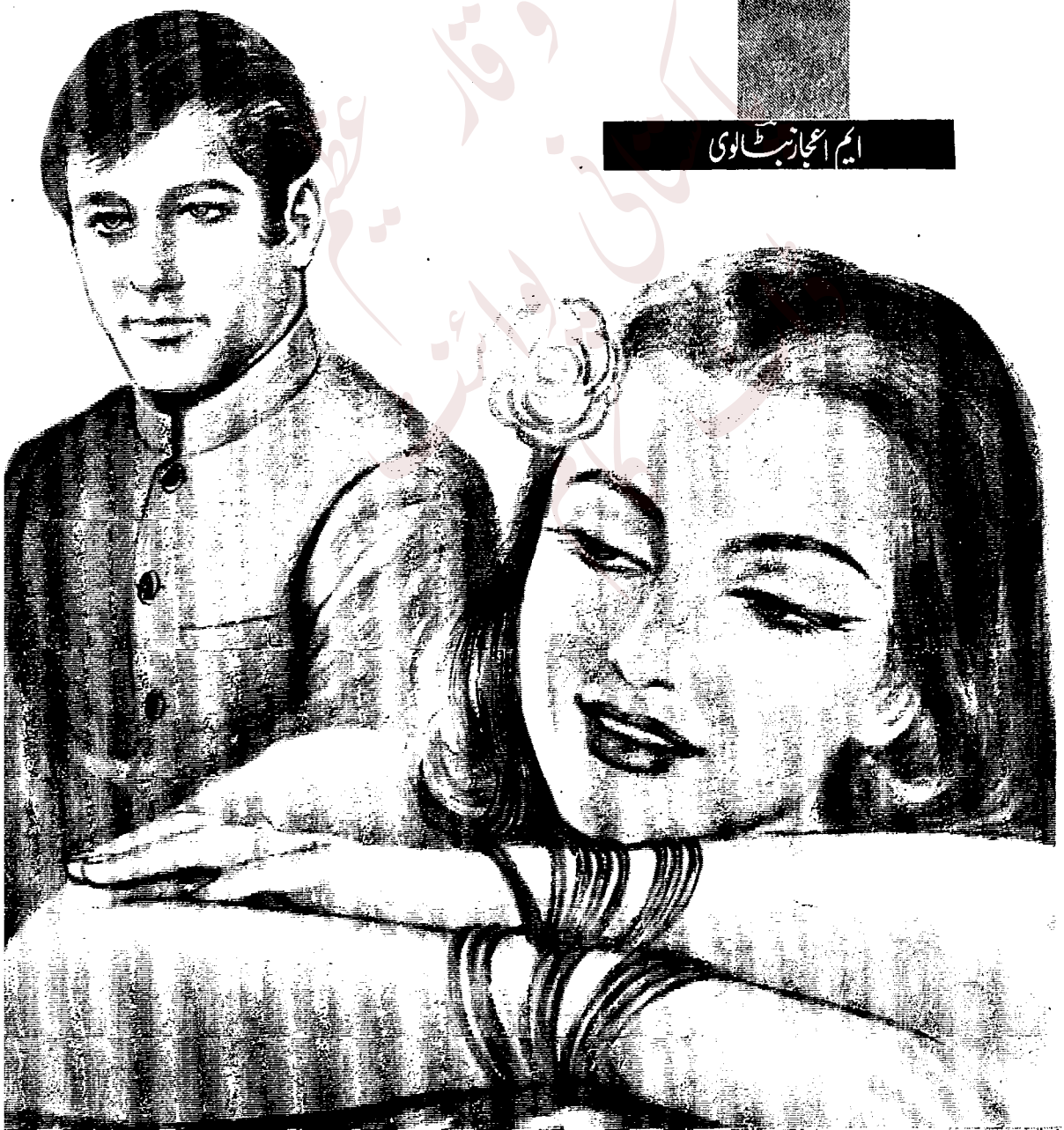

آج بھی اُن روح فرسا اور لرزہ خیز واقعات کا تصور کرتا ہوں تو خوف کی ایک سرد لہر سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے ۔۔۔ اُف! میرے خدا! کس قدر بھیانک، ہولناک اور ناقابل یقین حد تک تحیر خیز واقعات تھے وہ! بعض اوقات یقین نہیں آتا کہ ان کا تعلق میری عملی اور جیتی جاگتی زندگی سے تھا۔ سب کچھ خواب معلوم ہوتا ہے۔ ایک انتہائی خوفناک اور روح تک کو لرزا دینے والا خواب!

مگر ٹھہرئیے! اس سے پہلے کہ میں ماضی کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے ان ہوشربا اور ڈرامائی واقعات پر سے پردہ اُٹھانا شروع کروں، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے اس ہولناک ڈرامے کے چند خاص کرداروں کا تعارف کرا دیا جائے اس سے نہ صرف یہ ہوگا کہ میں اور میرے

دوست آپ کے لئے اجنبی نہیں رہیں گے بلکہ واقعات کا تسلسل بھی نہیں ٹوٹے گا اور آپ کسی بدمزگی میں مبتلا ہوئے بغیر میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہیں گے۔

تو سب سے پہلے مجھ سے ملئے میں اس طلسم ہوشربا کا ایک اہم کردار ہوں، میرا نام جاوید ہے، جاوید نقوی۔ والدین کے انتقال کے بعد کروڑوں کی نقد رقم اور جائداد ہاتھ آئی تھی اس لئے زیادہ سے زیادہ عیش کرتا ہوں تعلیم مکمل کرنے کے بعد کوشش کی تھی کہ کوئی بڑا اور منافع بخش کاروبار شروع کر دیا جائے کچھ کیا بھی لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور خاصے نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے بعد یہ بات طے ہو گئی کہ خواہ مخواہ کے تجربات کر کے موروثی دولت میں اضافے کی کوشش فضول ہے۔ چنانچہ ہر قسم کے کاروبار پر مکمل طور پر لعنت بھیج کر دنیا کو گھوم پھر کر دیکھنے کی ٹھانی اُس وقت سے اب تک وقت کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں صرف کرتا رہا ہوں۔

اس کہانی کا دوسرا کردار (یہ کردار میرے کردار سے کہیں زیادہ اہم ہے) پروفیسر جعفری ہیں میرے محترم اور بزرگ دوست جنہیں میں نے ہمیشہ اپنے باپ کی طرح سمجھا ہے، پروفیسر جعفری اکہرے بدن کے ایک ذہین اور صحتمند انسان ہیں اُن کی عمر پچاس برس سے متجاوز ہے اور اس طویل عمر کا بیشتر حصہ اُنہوں نے روحانیات کے مطالعہ میں غرق رہ کر اور دُنیا کے مختلف مذاہب کی چھان بین اُن کی عبادات اور عقائد کی جستجو کرتے گذارا ہے، بُدھ مت، افریقہ کے وحشی اور نیم وحشی قبائل اور مصر قدیم کے تہذیب و تمدن اور اسرار سے جعفری صاحب کو خاص دلچسپی ہے ۔ کالے جادو کو اُنہوں نے کبھی برحق نہیں سمجھا مگر ایک عالم کی حیثیت سے اس شیطانی علم کے بارے میں بھی اُنہیں بے حد چونکا دینے والی اور پُراسرار معلومات حاصل ہیں۔ باپ دادا کا شمار لکھنؤ کے چند گنے چُنے نوابوں میں ہوتا تھا مگر پروفیسر صاحب کی کھوجی فطرت اس ماحول کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ اُنہیں انتہائی پُرآسائش زندگی گزارتے دیکھ کر بھی کوئی اجنبی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُن کا تعلق ماضی میں لکھنؤ کے روایتی نوابوں سے رہا ہوگا۔

اس کہانی کا تیسرا بے حد اہم کردار نزہت ہے حسن و شباب کی منہ بولتی تصویر اور دُنیا بھر کی رعنائیوں اور دلکشیوں کا حسین ترین سنگم نزہت سے پروفیسر صاحب کا اگرچہ کوئی خونی رشتہ نہیں لیکن اگر وہ شادی شدہ ہوتے اور خدا نے اُنہیں ایک انتہائی شائستہ، نیک طینت اور چاند سی بیٹی دی ہوتی تو وہ شاید اُس سے بھی اس قدر شدید اور والہانہ محبت نہ کر پاتے جو اُنہیں نزہت سے تھی، ہو سکتا ہے کہ اس والہانہ قلبی لگاؤ کی وجہ یہ رہی ہو کہ اُنہوں نے اپنے ایک عزیز دوست کی اکلوتی یادگار کو اُس کی موت کے بعد سے ہی پال پوس کر جوان کیا تھا اور اُس کی پرورش کے دوران میں وہ تکلیف خوشی خوشی برداشت کر لی تھی جو ایک محبت کرنے والا باپ اپنی بیٹی کے لئے کر سکتا ہے گھنٹوں روتی اور بسورتی نزہت کو گود میں لے کر ٹہلتے رہتے تھے، نہ دن کو دن سمجھا، اور نہ رات کو رات... یہاں ایک بات اور سنتے چلئے اور وہ یہ کہ حعفری صاحب کے بعد اگر کوئی نزہت کو دل کی گہرائیوں سے پیار کرتا تھا تو وہ میں تھا، اُمید ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے!

اس داستان کا ایک چوتھا کردار ہے شنکر! مگر میرا خیال ہے کہ اُس سے آپ خود ہی اِس "فسانۂ عجائب" کے مطالعے کے دوران مل لیں

کیونکہ اگر میں اپنی تمام تر کوششیں بھی صرف کر دوں تو اس گنجے اور کبڑے ابلیس سے آپ کو صحیح طور پر متعارف نہیں کرا سکوں گا لہٰذا مجھ سے اس وقت بس اتنا ہی سن لیجئے کہ اگر خالق کائنات ساری کائنات کی خباثتیں سمیٹ کر کوئی انسانی جسم تشکیل کرنے کی کوشش کرے تو یقیناً اُس کی گندی اور شیطانی فطرت شکر کی فطرت سے ذرا بھی مختلف نہ ہوگی۔

ان چار کرداروں کے علاوہ بھی بعض اور اہم کردار اس دہشتناک اور بھیانک ڈرامے میں اپنا رول ادا کر رہے ہیں لیکن اب کہ آپ میرے ساتھ چل ہی رہے ہیں تو جلد یا بدیر اُن سے بھی ملاقات ہو جائیگی۔ ہے متذکرہ بالا چار کردار تو اُن کا تعارف ابھی سے اسلئے ضروری تھا کہ آغاز داستان ہی سے اُن کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔

اور اب آیئے اُن روح فرسا اور ہولناک واقعات کی طرف جن کی یاد اب بھی میرے رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ اور جن کا تصور اب بھی مجھے لرزہ براندام کر دیا کرتا ہے۔ یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ میں کوئی بزدل اور ڈرپوک نوجوان ہوں، بزدل اور ڈرپوک ہوتا تو آپ کو یہ واقعات سُنانے کیلئے زندہ ہی نہ رہا ہوتا۔ میں زندہ ہوں اور میرا ذہنی توازن بھی بالکل درست ہے۔ چنانچہ آپ کو میری ہمت اور حوصلے کی داد دینا ہی پڑے گی۔ ابھی نہیں تو کچھ دیر بعد ہی! مگر خیر! اُس رات جب میں کئی دن کی غیر حاضری کے بعد اپنے محترم دوست پروفیسر جعفری سے ملنے اُن کے گھر جعفری لاج پہنچا تو وہ بہت بے چین اور مضطرب نظر آ رہے تھے، یہاں تک اور عرض کرتا چلوں کہ پروفیسر صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتہائی ڈرامائی اور خطرناک مواقع پر بھی خود کو پُرسکون رکھنا جانتے ہیں اور کسی وقت بھی صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، لہٰذا ظاہر ہے کہ پروفیسر صاحب کا اضطراب اور جوش و خروش دیکھ کر مجھے تحیر اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ اس سے پہلے ملازموں کا رویہ بھی کچھ پُراسرار سا معلوم ہوا تھا اور اگرچہ میں نے اُسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی لیکن جعفری صاحب کی حالت دیکھ کر پہلی مرتبہ سنجیدگی کے ساتھ سوچنا پڑا کہ آج کل میں یقیناً جعفری لاج میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔

جب پروفیسر صاحب سے میں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو اُنہوں نے اپنی مخصوص دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "جاوید! میرے عزیز! تمہارا خیال درست ہے، میں اپنی زندگی میں اس قدر پریشان کبھی نہیں ہوا، جتنا گزشتہ شب سے ہوں، اچھا ہوا کہ تم اس وقت خود ہی آ گئے، ورنہ مجھے کسی ملازم کو بھیجکر تمہیں بلوانا پڑتا!"

گویا یقیناً کوئی بے حد خاص اور غیر معمولی بات تھی۔ میں نے کہا۔ "دل سے دل کو راہ ہوتی ہے پروفیسر صاحب! آپ نے مجھے یاد کیا، اور میں خود ہی آپکے پاس چلا آیا مگر قصہ کیا ہے؟"

پروفیسر جعفری چند لمحوں تک خاموشی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں ہونٹوں سے منتشر کرتے رہے پھر طویل سانس لے کر بولے۔ "میں تمہیں بتاؤں گا تم جانتے ہو کہ دُنیا میں تمہارے اور نزہت کے سوا میرا کوئی نہیں۔ تم لوگوں سے کچھ چھپانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو کچھ میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں تم اس پر یقین بھی کرو گے؟"

"کیوں نہیں پروفیسر!" میں نے ذرا حیرت سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے!"

"شکریہ میرے عزیز! لیکن مجھے اب بھی شبہ ہے کہ میری باتوں کی اہمیت تمہاری نظروں میں کسی دلچسپ اور پُراسرار افسانے سے زیادہ ہوگی مگر خیر! میں کوئی تمہید باندھنا نہیں چاہتا، حقیقت یہ ہے کہ نزہت ایک بے حد خطرناک شیطانی جال میں پھنس گئی ہے۔"

میرا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔

"کیا ہوا اُسے۔! خیریت سے تو ہے؟"

"کم از کم اس وقت تک تو خیریت سے ہی ہے، مگر نہیں کہا جا سکتا کہ رات اُس کے لئے کیا کیا تباہیاں اور بربادیاں لے کر آئے۔ خدا کرے کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ تاہم میں اس شیطان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

پتہ نہیں، پروفیسر صاحب کیا کہہ رہے تھے، نزہت کی سلامتی کو نہ جانے کس قسم کا خطرہ لاحق تھا اور وہ شیطان کون تھا جس کی طرف اُنہوں نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا تھا، بہرحال میں دل ہی دل میں یہ سوچے بغیر نہیں رہا کہ حالات میری توقعات سے کہیں زیادہ غیر معمولی نظر آتے ہیں، پروفیسر نے جس انداز میں گفتگو کی ابتدا کی تھی وہ خاصا تحیر خیز اور چونکا دینے والا تھا۔

"میں سمجھا نہیں پروفیسر!" میں نے پریشانی اور اضطراب کے عالم میں کہا۔ "نزہت کو آج رات آخر کس قسم کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ اور وہ شیطان کون ہے، اگر کوئی نزہت کو پریشان کرنا چاہتا ہے تو مجھے اُس کا نام بتایئے، ایسا سبق دونگا کہ موت کے بعد اُس کی روح بھی فراموش نہیں کر سکے گی!"

"دھیرج برخوردار!" جعفری صاحب مسکرائے۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نزہت کیلئے کیا کچھ کر سکتے ہو، مگر وہ شیطان

شاید زندگی بھر تمہارے ہتھے نہ چڑھ سکے، ہو سکتا ہے کہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے وہ تم سے کہیں زیادہ کمزور اور کمتر ثابت ہو لیکن جسمانی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہوتی، چالاک لوگ ہمیشہ ذہنی جنگ لڑتے ہیں اور ایسے موقعوں پر مکاری اور عیاری ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتی ہے، پھر وہ غیبت تو حیرت انگیز صلاحیتوں اور دُنیا کے سیاہ علوم کا بہت بڑا ماہر ہے، نہیں میرے دوست! تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے، خود میں بھی اس کی شیطانی طاقتوں کے سامنے خود کو بہت حقیر اور کمزور محسوس کرتا ہوں۔"

میری الجھن اور پریشانی میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا لہٰذا پریشانی کے عالم میں بولا۔ "معاف کیجئے گا پروفیسر صاحب! میری سمجھ میں اب تک ایک لفظ نہیں آسکا، نزہت کی سلامتی کو آخر کس قسم کا خطرہ لاحق ہے، اور وہ کون ہے جسے آپ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں کیا آپ سب کچھ بالکل صاف صاف نہیں فرما سکتے؟"

"میرا خیال ہے کہ میں بالکل صاف صاف ہی سب کچھ کہتا رہا ہوں لیکن اگر نہیں سمجھ سکے تو اس طرح سمجھو کہ وہ بدمعاش جسے لوگ شنکر کے نام سے جانتے ہیں، انسان کے روپ میں شیطان ہے ۔۔۔ بے حد پُراسرار شخصیت کا مالک اور کالے جادو کے ماہرین کامل میں سے ایک، شیطان کا ایک پُجاری ہونے کی وجہ سے، وہ دن رات اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہتا ہے .... آہا! میں تمہاری آنکھوں میں تحیر کی چمک دیکھ رہا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ تم کالے جادو کو محض ایک ڈھونگ سمجھتے ہو اور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی شیطان کی پوجا ہو سکتی ہے، مگر یہ حقیقت ہے میرے دوست! روز روشن کی طرح ۔۔۔ مہذب ممالک میں اگرچہ شیطانی مذہب پر مکمل پابندیاں عاید کر دی گئی ہیں مگر اس کے باوجود یہ مذہب ابھی دُنیا میں موجود ہے اور اسکے پیروکار اب بھی دُنیا کے مختلف گوشوں میں اپنی شیطانی سرگرمیوں میں مصروف ہیں یہ لوگ چوری چھپے ابلیس کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرتے ہیں اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بڑے سے بڑے گھناؤنے اور شرمناک جرم کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے، ابلیس کو خوش کرنے کیلئے انسانی جانوں کی قربانیاں بھی پیش کی جاتی ہیں اور .... اور .... مگر خیر! شنکر بھی اسی مذہب کا پیرو ہے اور کالے جادو میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ میں اس وقت اس شیطانی علم کی حقیقت پر کوئی طویل گفتگو کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میں تو تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ شنکر نے اپنے کسی شیطانی مقصد کے حصول کی غرض سے نزہت پر اپنا جال پھینکا ہے، اور یوں سمجھو کہ وہ معصوم لڑکی اس جال میں پوری طرح پھنس گئی ہے۔"

"پھنس گئی ہے! شیطانی جال میں؟" میں نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

"ہاں، اس حد تک پھنس گئی ہے کہ اب اُسے اِس جال سے آزاد کرانا کوئی معمولی کام نہیں ہو سکتا، وہ شنکر کے اشاروں پر کسی کٹھ پُتلی کی طرح رقص کر رہی ہے اور مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہے، وہ خود بھی اس شیطانی مذہب کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے، اگر گزشتہ شب میں نے بروقت مداخلت نہ کی ہوتی تو اس نے اب تک یقیناً ابلیس کے مذہب کو قبول کر لیا ہوتا۔"

حیرت کی زیادتی سے میری آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں کالے جادو اور شیطانی مذہب سے متعلق بعض لوگوں سے سُنا ضرور تھا لیکن ان تذکروں کی نوعیت میری نظروں میں دلچسپ قسم کی لغویات سے زیادہ کبھی نہیں رہی تھی، اب پروفیسر صاحب نہ صرف یہ کہ ان لغویات پر مہر تصدیق ثبت کر رہے تھے بلکہ اُنکے بیان کے مطابق نزہت کی سلامتی کو بھی کوئی بہت بڑا خطرہ لاحق تھا۔ وہ دین ابلیس میں داخل ہونے کے لئے تیار تھی اور شیطان کا ایک پُجاری اُسے اپنے اشاروں پر رقص کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے، کہ اِن خرافات پر یقین کرنے کو ذرا دل نہیں چاہتا تھا اگر یہ گفتگو پروفیسر جعفری کے علاوہ کسی اور شخص نے کی ہوتی تو میں نے اُسے یقیناً جھڑک دیا ہوتا۔ لیکن پروفیسر کی بات اور تھی، میں نہ صرف اُن کی ہوشمندی، ذہانت، اور علمی قابلیت کا معترف تھا بلکہ اُن کے مشفقانہ سلوک اور پُرخلوص محبت کی وجہ سے اسی طرح اُنکا احترام کرتا تھا جیسا ایک بیٹے کے دل میں اپنے باپ کے لئے ہوتا ہے۔

پروفیسر کو میرے چہرے کی کیفیات سے میری دِلی حالت کا اندازہ لگانے میں کسی طرح کی دُشواری نہیں ہوئی، چنانچہ اپنی دھیمی سی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم جیسے تعلیم یافتہ نوجوان کو میری ان باتوں پر آسانی کے ساتھ یقین نہیں آسکتا لیکن اگر تم مجھے جھوٹا یا دقیانوسی آدمی نہیں سمجھتے تو تمہیں میرے الفاظ پر یقین کرنا چاہئے، یقین کرو میرے عزیز! کہ میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ اپنی جگہ پتھر کی لکیر ہے، یہ ایک انتہائی خوفناک حقیقت ہے کہ شنکر کی حیاشتوں کی وجہ سے نزہت کی سلامتی کو سخت خطرہ لاحق ہے اور اُسے بچانے کیلئے ہمیں طاغوتی طاقتوں کے خلاف ایک زبردست جنگ لڑنا پڑے گی اگرچہ اس بات کی اُمید کم ہی ہے کہ ہم شیطان اور اس کے پُجاریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو سکیں مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی نہیں بیٹھا جا سکتا۔"

پھر ذرا رُک کر بولے۔ "تم یقیناً حیران اور پریشان ہو گے مگر ٹھہرو، میں تمہیں شروع سے سب کچھ بتاتا ہوں، یہ کوئی ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے نزہت میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی، تم جانتے ہو کہ وہ اپنی خوبصورت کوٹھی سے چل کر ہر روز مجھ سے ملنے آیا کرتی تھی اور رات کا کھانا ہم عام طور پر ساتھ ہی کھاتے تھے، مگر اس روز نہ صرف یہ کہ مجھے تنہا کھانے کی میز پر بیٹھنا پڑا، بلکہ وہ مجھ سے ملنے بھی نہیں آئی ٹیلیفون کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس دن اُسکی کچھ سہیلیاں آگئی تھیں اور سارا دن اُنکی نذر ہو گیا۔ دوسرے روز وہ مجھ سے ملنے آئی ضرور لیکن صرف کھڑے کھڑے، مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ ایک اندرونی اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہے، مگر جب میں نے اُسے ٹٹولنے اور کریدنے کی کوشش کی تو اُس نے بات کو بڑی ہوشیاری سے اُڑا دیا اور فوراً ہی چلی گئی، میں بوڑھا سہی مگر احمق نہیں ہوں اس رات میں بڑی دیر تک اپنے بستر پر جاگتا اور کروٹیں بدلتا رہا، مجھے یقین تھا کہ کوئی بے حد خاص اور غیر معمولی بات ضرور ہے جسے نزہت مجھ سے راز رکھنے کی کوشش کر رہی ہے اگلے دن میں نے اُسے ٹیلیفون کر کے دوپہر کے کھانے پر بُلانا چاہا لیکن اُس نے نہ صرف کھانے میں شامل ہونے سے معذرت کر لی، بلکہ بعد میں بھی کسی وقت نہیں آئی۔ چنانچہ اگلے روز میں خود اس کے گھر پہنچا تاکہ اُسکی بے چینی اور پریشانی کا سبب معلوم کروں۔ نزہت گھر پر موجود تھی مگر وہ تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے، اُن میں صرف ایک آدمی ایسا تھا جسے میں اس وقت پہچان سکا اور وہ تھا شنکر۔ یہ شخص جس سے میری پہلی ملاقات اب سے کوئی دس برس پیشتر افریقہ کے ایک نیم وحشی قبیلے میں ہوئی تھی اور جسے میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے قبیلے کے سب سے بڑے جادوگر کے ساتھ شیطان کی عبادت میں مصروف پایا تھا۔ شروع ہی سے میری دانت میں پرلے درجے کا خبیث واقع ہوا تھا، چنانچہ اُسے نزہت کی کوٹھی میں موجود پا کر مجھے نہ صرف بے حد حیرت ہوئی بلکہ اپنے غیض و غضب پر بھی بمشکل قابو پا سکا اس کے ساتھیوں کی صورتوں پر بھی کمینگی اور خباثت کی بھرمار تھی اور نزہت کی گفتگو، گھبراہٹ اور چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے اس وقت اپنے سامنے دیکھ کر خوش نہیں ہوئی ہے، صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے اپنے دوستوں سے گفتگو کی اجازت دینے کیلئے بالکل تیار نہیں تھی اور چاہتی تھی کہ میں ایک منٹ ٹھہرے بغیر وہاں سے چلا جاؤں، لہٰذا بہتر یہی معلوم ہوا کہ مجھے خود کو زبردستی ان لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش ہرگز نہیں کرنی چاہئے، اس فیصلے پر پہنچکر میں واپس چلا آیا، مگر شنکر کو وہاں موجود پا کر میری پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا اور میں ہر قیمت پر اس کے اور نزہت کے گٹھ جوڑ کا سبب معلوم کرنا چاہتا تھا لہٰذا اُسی دن میں نے نزہت کے ایک پرانے اور وفادار ملازم سے رابطہ قائم کیا اور تب پہلی مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ شنکر پچھلے کئی دنوں سے اپنے وقت کا بیشتر حصہ نزہت کی صحبت میں صرف کر رہا تھا، اُس نے یہ بھی بتایا کہ دن میں کئی کئی مرتبہ اُن کی ملاقات ہوا کرتی تھی اور بعض اوقات شنکر کے ساتھی بھی ان ملاقاتوں کے وقت موجود ہوا کرتے تھے، وہ لوگ گھنٹوں ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہتے اور اُن کے درمیان نہ جانے کس قسم کی گفتگو ہوا کرتی تھی ان معلومات کے علاوہ ایک بیحد اہم بات جو معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ نزہت اور اس کے پُراسرار اور شیطان صفت دوست بہت جلد کوئی خاص اور اہم تجربہ کرنیوالے تھے، اُس رات میں صبح تک سوچتا رہا کہ شنکر کے شیطانی مقاصد کیا تھے اور وہ کس قسم کا تجربہ کرنے کے چکر میں تھا، مگر جب ذہن پر لاکھ زور ڈالنے کے باوجود کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میرے سامنے صرف ایک صورت رہ گئی اور وہ یہ کہ جس طرح بھی ممکن ہو مجھے اس جشن میں شریک ہونا چاہئے، خواہ چوری چھپے ہی کیوں نہ شرکت کرنا پڑے، لیکن اس تقریب اور اس تجربے کا راز جاننے کیلئے میری وہاں موجودگی بے حد ضروری تھی، نزہت کے پُراسرار رویہ کی وجہ سے ذہن میں جو شبہ پیدا ہوا تھا شنکر کی موجودگی نے اسکی جڑیں بے حد مضبوط کر دی تھیں اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ یقیناً وہاں کوئی شیطانی کھیل کھیلنے کی کوشش کریگا۔ اس کی نزہت کے گھر موجودگی بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی،

چنانچہ کل رات میں چھپتا چھپاتا اس عمارت میں داخل ہوا، نزہت کا وفادار خدمت گار میرا منتظر تھا اُس نے بتایا کہ اس وقت ڈرائنگ روم میں پورے ۱۲ افراد موجود ہیں اُن میں سے دو عورتیں تھیں اور گیارہ مرد، چھت پر چڑھ کر میں نے روشندان کے ذریعہ کمرے میں موجود افراد کا جائزہ لیا، وہ سب کے سب پرلے درجے کے شیطان نظر آرہے تھے، دو عورتیں بھی تھیں جن میں سے ایک کو میں نے اسی وقت پہچان لیا، وہ ملک کے ایک مرحوم کروڑ پتی کی بیوہ مسز حمید تھی، ان میں شنکر بھی تھا چھوٹی چھوٹی شیطانی چمکدار آنکھوں اور طوطے کی سی خمیدہ ناک والا منحنی سا بڈھا اس محفل میں اس وقت وہی چھایا ہوا نظر آرہا تھا اُس کی آنکھوں میں ایک ہوسناک چمک تھی اور وہ اپنے ایک موٹے اور گنجے ساتھی سے کسی طرح کی گفتگو میں مصروف تھا۔ اس کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں نفرت اور غیض و غضب کا لاوا کھولنے لگا مگر وہ وقت خاموشی اور احتیاط کا متقاضی تھا لہٰذا دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پیتا ہوا چپ چاپ نیچے اُتر آیا، نزہت کا وفادار خدمتگار دنیو میرا انتظار کر رہا تھا میں نے اُس سے کچھ ضروری سوالات کئے اور پھر بالائی منزل

کی طرف جانے والے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ تقریب کا انتظام اسی منزل کے ہال کمرے میں کیا گیا تھا اُسوقت کمرے میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا چنانچہ مجھے اس کا تفصیلی جائزہ لینے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی اور پھر جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ کچھ دیر بعد وہاں کس قسم کا بھیانک ڈرامہ اسٹیج کیا جانیوالا تھا وہ جگہ دراصل ایک شیطانی عبادتگاہ کے طور پر استعمال کی جانے والی تھی اور اس قسم کی چیزیں وہاں موجود تھیں شیطان کی عبادت کیلئے جن کی ضرورت ہوتی ہے یہی نہیں بلکہ وہ لوگ شیطان کے حضور قربانی پیش کرنیکا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ اور اُن کے اس ارادے کا ثبوت وہ دو جانور تھے جنہیں قربانی کی غرض سے اس عبادت گاہ میں لایا گیا تھا، سفید رنگ کا ایک مُرغا اور سیاہ رنگ کی ایک مُرغی کچھ دیر تک میں ان جانوروں کو حیرت زدہ سی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہوا میں اپنی بچی کو اس لعنت اور مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کروں گا مگر سوال یہ تھا کہ نزہت کو کس طرح ابلیس کے پنجے میں گرفتار ہونے سے بچایا جائے، یہ طے تھا کہ سمجھانے بجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور پھر اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ اس قسم کی کوئی کوشش کی جاتی نزہت اس وقت ابلیس پرستوں کے درمیان گھری بیٹھی تھی اور اُن لوگوں کے ساتھ کسی بھی وقت وہاں پہنچنے والی تھی چنانچہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی راستہ میرے سامنے رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ جیسے بھی ہو نزہت کو زبردستی اس شیطانی عبادت، اور قربانی سے دور رکھا جائے، نیچے پہنچکر ڈینو بابا سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ابھی تک ڈرائنگ روم میں ہی موجود تھے، اپنے منصوبے پر عمل کرنے کیلئے میں نے بوڑھے ملازم کو ضروری ہدایات دے کر نشستگاہ کی طرف بھیجا اور خود لان میں پہنچکر نزہت کی آمد کا انتظار کرنے لگا میری طاقتور اور تیز رفتار گاڑی اس وقت قریب ہی موجود تھی یعنی عمارت سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر ایک تاریک گلی میں۔ اور اگر کسی طرف سے مدافعت نہ کی جاتی تو میں صرف چند منٹ میں اُس تک پہنچ سکتا تھا۔

کوئی دو منٹ بعد ہی نزہت آتی ہوئی نظر آئی، وہ اکیلی تھی اور میں آسانی کے ساتھ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔

قریب آ کر اُس نے مجھے سلام کیا پھر تحیر آمیز اور اُلجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "مجھے حیرت ہے پروفیسر! ڈینو نے مجھے بتایا تھا کہ آپ لان میں میرا انتظار کر رہے ہیں اور مجھ سے بے حد ضروری کام ہے مگر میں حیرت زدہ ہوں کہ اس وقت۔ رات کے بارہ بجے آخر ایسی کیا اہم ضرورت...."

"مجھے تم سے بے حد ضروری کام ہے نزہت!" میں نے اُس کا جملہ اُچکتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ اس وقت تمہارے ڈرائنگ روم میں تمہارے چند عزیز اور قریبی دوست موجود ہیں لیکن میری خاطر تمہیں کچھ وقت نکالنا ہی ہو گا!"

"مم.... میں آپ کے کام آنا اپنی خوش قسمتی سمجھونگی پروفیسر!۔ لل.... لیکن اس وقت.... مم.... میرا مطلب ہے کہ اس وقت میرے کچھ دوست یہاں موجود ہیں۔ اور اُن سے زیادہ دیر تک دور رہنا یقیناً ایک بہت بڑی بداخلاقی ہو گی۔"

"میں جانتا ہوں لیکن تم ان سے معذرت کر سکتی ہو، میں بیس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

نزہت متذبذب ہو گئی، صاف ظاہر تھا کہ میرے الفاظ نے اُسے ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے بالآخر وہ نگاہیں جھکاتی ہوئی بولی۔

"مجھے افسوس ہے پروفیسر! میں آپ سے شرمندہ ہوں۔"

"کیا مطلب۔؟ گویا تم اس وقت مجھے بیس منٹ بھی نہیں دے سکتیں؟"

"میں شش... شرمندہ ہوں پروفیسر! اس وقت اُن لوگوں کے درمیان میری موجودگی بے حد ضروری ہے، دراصل ہم لوگ ایک بے حد اہم کام میں مصروف ہیں۔"

ش - م - جمیل

کی شاہکار جاسوسی، جرائم، سائنس فکشن اور جرم و سزا کی کہانیوں کا اِنتخاب

کراچی کے قاتل

۱۵ منتخب کہانیاں

اِس خوبصورت مجموعے کی تمام کہانیاں نئی ہیں

عنقریب شائع ہو رہا ہے

آج ہی اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں:

قیمت : ۵ روپے

پارکھ پبلیکیشنز

۵- مریم منزل نزد گارڈن پولیس اسٹیشن، کراچی ۳

"میں جانتا ہوں، ٹھیک بارہ بجے تمہیں بالائی منزل کے اس کمرے میں پہنچنا ہے جہاں شیطان کی عبادت اور اس کے حضور قربانی پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے لیکن نزہت! تمہیں اس وقت میرے ساتھ چلنا ہی پڑیگا۔"

ایسا لگا جیسے اس کے ذہن نے بجلی کا ایک طاقتور جھٹکا محسوس کیا ہو، مگر پھر اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ بولتی، میں نے ایک چاتلا ہاتھ اسکی کنپٹی پر رسید کیا اور اسے پشت پر لاد کر پھرتی کے ساتھ عمارت سے باہر نکل گیا۔ سڑک اس وقت چونکہ سنسان پڑی تھی اسلئے کسی نے بھی ہم دونوں کو نہیں دیکھا۔ نزہت بے ہوش ہو چکی تھی اسے کار کی پچھلی نشست پر ڈال کر میں نے گھر کی راہ لی، گھر پہنچ کر اسے ہوش میں لایا لیکن کیا تم یقین کروگے کہ ہوش میں آتے ہی وہ مجھ پر کسی بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑی تھی اور میں اپنا دفاع کرتے ہوئے بمشکل اسے فرار ہونے سے باز رکھ سکا تھا، بہرحال اب وہ میری خوابگاہ میں موجود ہے اور گہری نیند سو رہی ہے اور اگرچہ میں نے اسے ہپناٹائز کر کے سختی سے گھر سے باہر نہ نکلنے کا حکم دیا ہے اور مقدس دعاؤں کی ایک چھوٹی سی کتاب موم جامہ میں ملفوف کر کے تعویذ کے طور پر اسکے گلے میں ڈالدی ہے، تاہم مجھے شک ہے کہ میں طاغوتی قوتوں سے اسکی حفاظت کر سکوں گا۔ شنکر بذات خود پرلے درجہ کا شیطان اور ابلیسی علوم کا ماہر ہے، اس نے اپنے مخصوص شیطانی طریقوں سے اب تک یقیناً یہ بات معلوم کر لی ہوگی کہ اس کے شکار کو چھیننے والا کون ہے، وہ اس گھر میں نزہت کی موجودگی سے بھی باخبر ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش ضرور کریگا۔" پروفیسر جعفری اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ مگر میں بدستور ورطہ حیرت میں غوطہ زن رہا۔ عقل حیران تھی، ذہن ان لغویات کو حقیقت تسلیم کرنے کیلئے ذرا بھی تیار نہیں تھا، بھلا کون ہوگا جو تعلیم و ترقی کے اس دور میں کالے جادو، شیطان کی پوجا اور اس کے پجاریوں کے وجود پر ایمان لے آئے گا۔ مگر پروفیسر کو جھٹلانے کی ہمت بھی نہیں تھی، اس لئے بھی کہ میں نے آج تک انہیں توہم پرست نہیں پایا تھا اور اسلئے بھی کہ نزہت اس وقت ان کی خوابگاہ میں ہپناٹزم کی گہری نیند میں پڑی تھی۔ جعفری صاحب بغور میرے چہرے کو دیکھ رہے تھے چند لمحے بعد بولے۔ "تمہیں مشکل ہی سے ان باتوں کا یقین آئیگا۔ مگر.....!"

انہوں نے اپنے چہرے، سینے اور ہاتھوں کی خراشوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ خراشیں دیکھ رہے ہو۔۔۔ یہ نزہت ہی کے لمبے اور نکیلے ناخنوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔"

میرے ذہن کو پہلی مرتبہ شدید پریشانی کا احساس ہوا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ نزہت پروفیسر کو اپنے حقیقی باپ کی طرح سمجھتی تھی اور ان سے بلند آواز یا گستاخانہ لہجے میں بات کرنے کا تصور بھی اسکے لئے محال تھا۔ مگر یہ خراشیں... کہیں اس کا ذہن تو غیر متوازن نہیں ہو گیا۔ میں تشویش زدہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"کیا میں نزہت کو دیکھ سکتا ہوں پروفیسر!"

"کیوں نہیں ۔۔۔ آؤ!"

ہم پروفیسر کی خوابگاہ میں پہنچے، نزہت پر گہری نیند طاری تھی۔ اور اس کے گلے میں ریشمی ڈوری سے بندھا ہوا ایک بڑا سا تعویذ موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کسی ننھی منی معصوم بچی کی طرح سو رہی تھی، اس کے چہرے پر حوروں کا سا ملکوتی حسن اور معصومیت پھیلی ہوئی تھی اور اسے اس حالت میں دیکھ کر کوئی بھولے سے بھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ پروفیسر کے چہرے، سینے اور ہاتھوں پر نظر آنے والی خراشوں کا وجود اسی کے ناخنوں کا مرہون منت رہا ہوگا۔۔۔ میرا جی بے اختیار چاہا کہ جھک کر اس کی پیشانی چوم لوں لیکن پروفیسر کی موجودگی میں ایسی کسی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لہٰذا سینے پر جبر کی سل رکھ خاموشی کے ساتھ جعفری صاحب کے ساتھ واپس چلا آیا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر جب میں نے نزہت کے ذہنی توازن کے بارے میں اپنے خدشے کا ذکر کیا تو وہ بولے۔ "ہرگز نہیں میرے عزیز! وہ

ترقی یافتہ امریکی معاشرے کے

گھناونے پہلوؤں کو بے نقاب کرنیوالی کتاب

سنسنی خیز اعترافات

شائع ہو گئی ہے

نئی امریکی تہذیب کے یہ عجیب وغریب واقعات

اقبال پاریکھ

نے اپنے مخصوص انداز میں سحر تحریر کئے ہیں

سول ایجنٹ ہلال بکڈپو ریگل بس اسٹاپ صدر کراچی

قیمت =/5 روپے

ذہنی طور پر قطعی متوازن ہے، میرا مطلب ہے کہ دماغی امراض کا کوئی بھی ماہر اُسے پاگل قرار نہیں دے سکتا۔ حقیقتاً اُس کا ذہن شیطان صفت شنکر کے قبضے میں ہے اور اُس نے جو کچھ کیا وہ سو فیصدی اُسی کی مرضی کے تحت تھا۔"

میں چند لمحوں تک سوچتا رہا کہ پروفیسر کو کیا جواب دوں، پھر گہری سانس لے کر بولا "میں آپ کی تردید نہیں کر سکتا۔ پروفیسر لیکن اگر آپ کا کہا ہوا سچ مان لیا جائے، اور مجھے یقین ہے کہ وہ حرف بحرف درست ہوگا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شنکر آخر بے چاری نزہت کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گیا ہے؟"

"کسی بڑے مقصد کے حصول کی خاطر۔ وہ یقیناً اپنے آقا ابلیس کی خوشنودی حاصل کر کے کوئی بڑا انعام حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسی سلسلے میں اُسے نزہت کی ضرورت ہے۔" جعفری صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

پھر ہم کئی گھنٹے تک اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ مجھے نزہت کی طرف سے تشویش تھی، پروفیسر نے میری پریشانی دیکھ کر کہا۔ "تمہیں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگرچہ میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں تاہم اس بات کا امکان کم ہی ہے کہ شنکر اپنے شیطانی مقاصد میں کامیاب ہو سکے، نزہت کے گلے میں مقدس دعاؤں کی کتاب موجود ہے اور اس کی موجودگی میں وہ پچھلی رات بھی گہری اور آرام دہ نیند سوتی رہی ہے، ویسے کل کی طرح میں نے آج بھی کرامت کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ اُسکے کمرے کے سامنے ہی اپنا بستر لگالے اور اُسکی دیکھ بھال سے غافل نہ ہو۔"

ابھی پروفیسر کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ کرامت بھاگتا ہوا آیا اسکے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا اور اسکے ہاتھ میں وہ تعویذ تھا جسے چند گھنٹے بیشتر میری آنکھیں نزہت کے گلے میں دیکھ چکی تھیں۔ اُسے اس حالت میں دیکھ کر ہم دونوں ہی گھبراہٹ کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہوا؟" پروفیسر نے گھبرا کر پوچھا۔ "نزہت کہاں ہے؟ اور یہ تعویذ تم نے اسکے گلے سے کیوں اُتارا؟"

"معافی چاہتا ہوں ...... سس ... سرکار!" کرامت ہکلایا۔ "نزہت بی بی چلی گئیں۔"

"چلی گئیں ــ کب؟ ــ کہاں اور کیسے؟"

"آپکے حکم کے مطابق میں برابر ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے مم ... میں نے جب اُنکے کمرے میں جھانکا، تت ... تو اُن کی بُری حالت تھی۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں ... جج ... چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور گردن ربڑ کے ٹیوب کی طرح پھول رہی تھی ... اور سس سرکار! تعویذ کی ریشمی ڈوری پھانسی کے پھندے کی طرح اُن کے گلے میں پھنسی ہوئی تھی اگر میں کچھ دیر اور دیکھتا رہتا یا آپ کو بُلانے چلا آتا، تت ... تو نزہت بی بی کا دم ضرور گھٹ جاتا ... مم ... میں گھبرا گیا اور پھل کاٹنے کی چھری سے میں نے ڈوری کاٹ ڈالی۔ بس وہ اُٹھیں اور مجھے دھکا دے کر پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔"

"اوہ! احمق!" پروفیسر دانت پیس کر بولے۔ "یہ کیا بیوقوفی کی تو نے اور پھر اُسے پکڑا بھی نہیں۔"

"میں نے نزہت بی بی کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کی تھی ــ سس ... سرکار۔ مم .. مگر میں آگے بڑھتے ہوئے تین مرتبہ ٹھوکر کھا کر گرا اور تینوں مرتبہ بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں اُٹھ سکا۔"

"اوہ! میرے خدا!" پروفیسر ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ "یہ تو وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔"

میں خاموش رہا۔ میری عقل اس وقت سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ اور قوت گویائی نے جیسے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کچھ دیر بعد جب میرے ہوش حواس درست ہوئے تو میں نے دیکھا کہ میں پروفیسر کی طاقتور پلمین میں بیٹھا ہوا تیزی کے ساتھ ساحلی علاقے کی طرف جا رہا ہوں، جعفری صاحب ونڈ شیلڈ کے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے ــ "مجھے گزشتہ شب ہی اس منحوس حادثے کا ڈر تھا۔ شنکر موجودہ دور میں ابلیسی علوم کا شاید سب سے بڑا ماہر ہے، جب اُس نے دیکھا کہ مقدس دعاؤں کی موجودگی میں اس کی بلائیں آسانی کے ساتھ نزہت کو اُس تک نہیں پہنچا سکیں گی تو اُس نے اپنے کسی شیطانی عمل سے اُس کی گردن ربڑ کے ٹیوب کی طرح پھُلا دی تاکہ نزہت کی دیکھ بھال پر مامور کرامت اس کا دم گھُٹتا دیکھ کر گھبرا جائے اور تعویذ کو گردن سے علیحدہ کر دے، چنانچہ یہی ہوا ... ... لیکن غلطی میری ہی ہے، پہلی رات سکون سے گزرنے کے بعد میں کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا ــ تم کیا سوچ رہے ہو جاوید؟"

"مجھے نزہت کی طرف سے تشویش ہے پروفیسر!"

"نزہت کی طرف سے تشویش! ... ہونا ہی چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا آپس میں قلبی تعلق ہے اور اسی لیے میں آج شب تمہیں ملوانا چاہتا تھا، محبت کا نور ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اور اس کی روشنی میں انسان ہمیشہ رفعتوں کی سمت قدم اُٹھاتا ہے، محبت آدمی کو پستیوں سے اُٹھا کر بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے، مگر ... مقدرات اٹل ہوتے ہیں میرے دوست! کون جانے اگلی بازی کس کے حق میں فیصلہ کُن ہو!"

"میری سمجھ میں خاک بھی نہیں آ رہا میرے بزرگ! غالباً ہم لوگ اس وقت نزہت کے گھر جا رہے ہیں، کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ وہاں موجود ہو گی؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا، وہ شیطانی تقریب کل رات اُسی کے گھر منعقد ہوئی تھی اور وہاں شیطان کے پجاری اپنے آقا کے حضور خون کی قربانی پیش کرنے والے تھے، سفید مرغ اور سیاہ مرغی کی شکل میں لیکن ضروری نہیں ہے کہ اُس شیطان نے (پروفیسر کا اشارہ شنکر کی طرف تھا) نزہت کو اب بھی وہیں رکھا ہو۔ تاہم اگر وہ وہاں نہ مل سکی تو شاید ہم کسی طرح کا کوئی سُراغ حاصل کر سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ شنکر اور اُس کے ابلیس پرست ساتھیوں کے ارادوں پر کوئی روشنی پڑ سکے۔"

کچھ دیر بعد ہم ساحل کے قریب پہنچ گئے دور دور تک قیمتی اور خوبصورت عمارتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا، پروفیسر نے اپنی نیلے رنگ کی بلمین ایک گلی میں کھڑی کی اور ہم پیدل ہی قصرِ نزہت کی طرف چلنے لگے۔ یہ احتیاط کے طور پر کیا گیا تھا تاکہ اگر وہاں دشمن موجود ہوں تو بھی آسانی کے ساتھ ہماری موجودگی سے باخبر نہ ہو سکیں، راستے میں جعفری صاحب نے مجھ سے کہا ـــ

"تم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے کہ قصرِ نزہت میں حالات کس قدر سنگین اور خوفناک رُخ اختیار کر سکتے ہیں، انسان کا انسان سے مقابلہ یقیناً کوئی بڑی بات نہیں ہوتی ـــ مگر انسان کے شیطان سے مقابلے کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا، بہرحال میرا مقصد تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں ہے لیکن اس عمارت میں قدم رکھنے سے پہلے میں تم سے ایک وعدہ ضرور لینا چاہتا ہوں۔"

"میں ہر قسم کا وعدہ کرنے کو تیار ہوں!"

"شکریہ میرے دوست! وعدہ کرو کہ اس عمارت میں داخل ہونے کے بعد تم جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے کے بجائے میری ہدایات پر عمل کرو گے۔"

جب میں نے وعدہ کر لیا تو پروفیسر جعفری بولے "میں دراصل تم سے زیادہ سن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں، شیطانی علوم کے بارے میں اگرچہ میرے پاس کچھ زیادہ معلومات نہیں، تاہم تمہاری طرح میں اُنہیں ڈھونگ اور ڈھکوسلہ بھی نہیں سمجھتا، اور اگر ابلیس پرست شنکر سے مقابلہ کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے، تو کم از کم اپنے اور تمہارے دفاع کی کوشش ضرور کر سکتا ہوں، پھر میں تمہاری طرح جوان اور گرم مزاج بھی نہیں ہوں اور انتہائی جوش و خروش کے موقعوں پر بھی صبر و سکون سے کام لینا جانتا ہوں۔"

"آپ کا کہنا درست ہے۔ لیکن کیا آپ کے خیال میں شنکر اور اُس کے شیطان صفت دوستوں سے ٹکراؤ ہونے کا امکان ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ حالات ایسے ہی ہیں کہ ہم کسی بھی قسم کے امکانات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شنکر بذاتِ خود وہاں موجود نہ ہو اور محض طاغوتی قوتوں کو استعمال کر کے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ میں اُس کی سیاہ کاریوں سے تھوڑا بہت واقف ہوں میرے عزیز! اس کی نظریں ہماری نقل و حرکت پر مرکوز ہوں گی اور وہ ہمیں نظر انداز نہیں کرے گا ـــ!"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے پریشانی کے عالم میں کہا ـــ "شیطان پرستی اور طاغوتی قوتوں کی میری نگاہوں میں کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ میں ہمیشہ کالے جادو کا مضحکہ اُڑاتا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں کبھی تمہیں اس قدر محتاط رہنے کا مشورہ نہ دیتا۔ بہرحال! ایک خاص بات اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور وہ یہ کہ اگر قصرِ نزہت میں شیطان پرست شنکر سے سامنا ہو جائے تو اُس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی کوشش بھول کر بھی مت کرنا۔ دوسری صورت میں اپنے کسی ارادے پر تمہیں معمولی سا بھی اختیار نہیں رہ جائے گا۔"

"مگر میرے فرشتوں نے بھی اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسی صورت میں...؟"

"تم بڑی آسانی سے اُسے پہچان لو گے، اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی تیز شیطانی چمک، طوطے کی چونچ سی خمیدہ ناک اور لشپت کا گھناؤنا کوڑھ۔ یہ باتیں اُسے شناخت کیلئے کم نہیں ہو سکتیں۔"

"بہتر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس ابلیس پرست کوڑھی سے سامنا ہو گیا تو اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

اتنی دیر میں ہم قصرِ نزہت کے صدر دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن پروفیسر نے اندر داخل ہونے کیلئے صدر دروازے کے بجائے عقبی دروازے کو استعمال کرنا مناسب سمجھا اور ہم لوگ محتاط انداز میں چلتے ہوئے عمارت کی پشت پر پہنچ گئے۔

چند لمحوں بعد ہی ہم اندر داخل ہو رہے تھے۔ ملازمین کے کوارٹروں کے قریب پہنچ کر میں بڑے زور سے چونک پڑا، پروفیسر جعفری بھی چونکے تھے اور اُس وقت اگر آپ ہوتے تو آپ بھی چونکے بغیر نہ رہتے کیونکہ کوارٹروں کے سامنے کچی زمین پر ایک انسانی جسم نظر آ رہا تھا۔ بالکل بے حس و حرکت جیسے اُس میں زندگی کی کوئی معمولی سی بھی رمق باقی نہ رہ گئی ہو۔

"اوہ!" جعفری صاحب تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ "شاید بیچارہ دینو بھی اُس خبیث کی بھینٹ چڑھ گیا۔"

"جلد ہی ثابت ہوگیا کہ اُن کا خیال غلط نہیں تھا۔ دینو کی آنکھیں انتہائی خوف و دہشت کے عالم میں پھیلی ہوئی تھیں اس کا جسم اکڑا ہوا تھا' اور کھلے ہوئے دانتوں سے زبان اس طرح باہر کو لٹک رہی تھی جیسے اُسے گلا گھونٹ کر ٹھکانے لگایا گیا ہو' لاش کے چہرے پر دہشت کے کچھ ایسے سائے ٹھہر کر رہ گئے تھے کہ میں چند لمحوں سے زیادہ دیر تک اُس کی طرف نہیں دیکھ سکا۔

"بے چارہ دینو!" میں نے پروفیسر کی بڑبڑاہٹ کی آواز سُنی۔ وہ جُھک کر اس کے اکڑے ہوئے جسم اور مسخ شدہ صورت کا معائنہ کر رہے تھے "مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ پُرخلوص اور وفادار ملازم کہیں شنکر کی ابلیس پرستی کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ اور وہی ہوا' اس کے اس لرزہ خیز انجام کے لئے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"مگر آپ کا اس کی موت سے کیا تعلق؟"

"بہت بڑا تعلق ہے میرے دوست! یہ دینو ہی تھا جس کی مدد سے کل رات مجھے اس ابلیس پرست کے شیطانی ارادوں کو خاک میں ملانے میں کامیابی ہوئی تھی اپنے علم کے ذریعے اس نے بہت جلد حقیقت کو پالیا ہوگا۔ اور .... اس کا نتیجہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ آہ! دینو کو بڑی بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا ہے کیا تم اس کے چہرے کی حالت دیکھ رہے ہو' میرا دعوے ہے کہ اس کی موت میں کسی انسان کی قاتلانہ کوششوں کو دخل نہیں ہو سکتا!"

اور واقعی دینو کے چہرے سے ایسا ہی ظاہر ہو رہا تھا' جیسے اپنی موت سے قبل اس نے کوئی بے حد خوفناک اور بھیانک شے دیکھی ہو۔ وہ شے کیا ہو سکتی تھی' یہ تو میں ابھی تک نہیں جان سکا تاہم ایک بات یقینی ہے' اور وہ یہ کہ کم از کم کسی انسان کا چہرہ اس قدر ہولناک اور پُر دہشت نہیں ہو سکتا کہ خوف کی شدت سے دیکھنے والے کی آنکھیں اُبل پڑیں تاہم چونکہ پروفیسر کا آخری جملہ وضاحت طلب تھا اسلئے میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"نیکی اور بدی کی اس جنگ میں انسانیت نے اپنے رب کے حضور یہ پہلی قربانی پیش کی ہے' خدا اپنے اس حقیر اور وفادار بندے دینو کی روح کو اس قربانی کا صلہ عطا فرمائے۔ اور اب آؤ یہ وقت محض الجھنیں رفع کرنے کیلئے نہیں ہے۔" پروفیسر نے کہا' اس کے بعد میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور دینو کے بے جان جسم پر الوداعی اور حسرت زدہ نظریں ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد ہی ہم عمارت کی زیریں منزل میں موجود تھے' ہر طرف گہری تاریکی اور سناٹے کی حکمرانی تھی' جیسے انسان نام کا کوئی متنفس وہاں موجود نہ ہو۔ جب میں نے پروفیسر کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو اُنہوں نے کہا "مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے جیسے قصر نزہت میں اس وقت ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور متنفس موجود نہ ہو' غالباً وہ لوگ اپنا شیطانی منصوبہ ناکام ہونے کے بعد گزشتہ شب ہی اس جگہ سے رخصت ہو گئے تھے' تاہم ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے۔"

اس کے بعد ہم آگے بڑھے' ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا' پروفیسر نے اندر قدم رکھتے ہی تیز روشنی کے بلب کا سوئچ آن کر دیا اور پھر روشنی ہونے کے بعد جب میری آنکھیں اس کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوئیں تو یہ دیکھ کر میری حیرت میں اضافہ ہوئے بغیر نہ رہا کہ کرسیاں اور صوفے خالی ہونے کے باوجود میزیں بھری ہوئی تھیں' ہر میز پر شراب تھی' سوڈے کی بوتلیں تھیں۔ بھرے ہوئے اور نصف بھرے ہوئے گلاس' کبابوں اور بوٹیوں سے بھری ہوئی پلیٹیں' اور چمچے اور کانٹے۔ صاف ظاہر تھا کہ کمرہ خالی کرنے سے پہلے یہاں آزادی اور اطمینان کے ساتھ جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے اور عیش و عشرت کی اس محفل کو بالکل اچانک اور بدحواسی کے عالم میں اجاڑا گیا تھا' اس قدر بدحواسی اور عجلت کے عالم میں کہ بوتلیں گلاس اور پلیٹیں تک میزوں سے نہیں ہٹائی جا سکی تھیں' مگر میرے لئے تکلیف دہ تصور یہ تھا کہ گزشتہ شب نزہت بھی اس عیش و عشرت کی محفل میں شریک تھی اس سے پہلے کہ میں اس تکلیف دہ تصور سے نجات حاصل کرتا' میں نے پروفیسر کی آواز سُنی۔

"یہ ساری چیزیں کل رات اسی طرح میزوں پر موجود تھیں' اُنہیں بڑی عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں اس جگہ سے رخصت ہونا پڑا ہے' میرا مطلب ہے..... نزہت کے میرے ساتھ جاتے ہی وہ اس عمارت سے فرار ہو گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ شنکر دینو سے انتقام لینے کیلئے کچھ دیر رُک گیا ہو یا ممکن ہے کہ دینو کی موت کے پروانے پر بھی اس نے یہاں سے جانے کے بعد دستخط کئے ہوں۔ بہرحال اب آؤ۔ یہاں ٹھہرنا قطعاً فضول ہی ہوگا' ہمیں بالائی منزل کے اس کمرے میں چلنا چاہئے' جہاں گزشتہ شب اس شیطانی جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شاید اس جگہ سے کسی طرح کا سراغ مل سکے۔"

میری عقل آج شب پروفیسر سے ملنے کے بعد سے برابر بُری طرح چکرا رہی تھی' تحیر خیز اور پُراسرار واقعات نے ہوش و حواس کو بُری طرح گم کر دیا تھا اور ذرا بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں یا کیا کہوں۔ چنانچہ خاموشی کے ساتھ پروفیسر کے ساتھ چلتا ہوا بالائی منزل کو جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحے کے بعد ہم دونوں ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ مگر

روشنی ہونے کے بعد کمرے کی جو حالت نظر آئی وہ ایسی ہی تھی کہ آنکھیں پھر ایک دفعہ تحیر کی زیادتی سے پھیل گئیں ـــ بڑی عجیب عجیب چیزیں نظر آرہی تھیں۔ اس جگہ، جہاں کبھی قیمتی اور عمدہ کتابوں کا ذخیرہ ہوا کرتا تھا' اچھی خاصی لائبریری کسی پوجا پاٹ کی جگہ میں تبدیل کر دی گئی تھی لائبریری کا سارا سامان کتابوں کی الماریوں سمیت غائب تھا۔ دیواروں پر عجیب و غریب اور ہولناک تصویریں بنی ہوئی تھیں، چھت کے نیچے ایک بہت بڑا کپڑا شامیانے کے انداز میں تان دیا گیا تھا اور اس رنگین کپڑے پر فرش کی جانب شیطانی بکرے کی ایک تصویر نظر آرہی تھی بکرے کے ساتھ شیطان کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ وہ بکرا غیر معمولی حد تک قد آور اور لحیم شحیم تھا ہی نہیں بلکہ اسکے نتھنوں سے زہریلی پھنکاریں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں اور اُسکی آنکھوں کے ڈھیلے تصویر میں اس طرح دہکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، جیسے دو جلتے ہوئے انگاروں کو اس کی پیشانی کے نیچے کے ہولناک سوراخوں میں جڑ دیا گیا ہو' نہ جانے کیوں اس بے جان تصویر کو دیکھ کر میں ایک جھرجھری لئے بغیر نہ رہا۔ بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ دہکتی ہوئی خوفناک آنکھیں شیطانی انداز میں، میرے چہرے اور آنکھوں سے گزر کر میری روح میں سلگ رہی ہوں، میں نے جلدی سے اپنی نگاہیں اس تصویر سے ہٹالیں اور اب میرے سامنے کمرے کے آخری گوشے میں سجا ہوا لکڑی کا ایک بڑا سا تخت تھا جس پر مختلف طشتریوں میں بہت ساری موم بتیاں ایستادہ نظر آرہی تھیں۔ پانی یا کسی اور سیال سے بھری ہوئی چند چھوٹی اور بڑی شیشیاں تھیں اور ایک بڑی سی ٹرے میں ڈھیر سارا گوبر موجود تھا۔ ایک دوسرے ٹرے میں کوئلے تھے لیکن غالباً سخت گھبراہٹ اور عجلت کے عالم میں عمارت سے فرار ہونے سے پہلے ابلیس پرستوں کو انہیں دہکانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

"یہ ـــ یہ سب کیا ہے پروفیسر!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جعفری صاحب سے سوال کیا۔

"یہ کمرہ شیطان کی عبادتگاہ کے طور پر پسند کیا گیا تھا اور یہ جو کچھ بھی تم دیکھ رہے ہو اسے محض ابلیس کو خوش کرنے کی خاطر اس جگہ اکٹھا کیا گیا تھا ذرا فرش پر دیکھو یہ سیارہ زحل کی تصویر ہے، جب زحل بُرج عقرب میں مقیم ہو، تو وہ وقت شیطان کی عبادت کیلئے بہترین وقت ہوتا ہے اور تمہاری اطلاع کے لئے عرض کرتا چلوں کہ کل سے زحل بُرج عقرب ہی میں قیام پذیر ہے' اوہ! میرے خدا! وہ شیطان پرست نہ جانے کیا چاہتے ہیں اور نزہت کا جانے کیا حشر ہوگا؟"

مجھے ایسا لگا جیسے دل اچانک اچھل کر حلق میں آگیا ہو' نزہت کی کسی معمولی سی پریشانی کا تصور بھی میرے لئے بیحد تکلیف دہ تھا پھر اسوقت تو پروفیسر کے کہنے کے مطابق اس کی زندگی شدید خطرے میں مبتلا تھی، مجھے ایسا لگا جیسے اب ایک لمحے کیلئے بھی اس کی جُدائی برداشت نہ کر سکوں گا اگر کہیں اس وقت شنکر نظر آجاتا تو شاید پروفیسر کی ساری ہدایات اور ساری احتیاط ترک کر کے دیوانہ وار اُس پر جھپٹ پڑتا لیکن شنکر وہاں کہاں تھا' البتہ اپنے قدموں کے نیچے سے سردی کی ایک بے حد شدید لہر جسم میں دوڑتی محسوس ہونے لگی تھی. سردی کا وہ احساس اچانک ہی ہوا تھا اور بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا سردی کی وہ شدید لہر کمرے کے پختہ اور مضبوط فرش سے خارج ہو رہی ہو!

اچانک ایک اور بے حد عجیب بات ہوئی' تیز اور طاقتور روشنی کا بڑا سا بلب یکایک کچھ دھیما پڑا اور پھر اگلے ہی لمحے اس کی روشنی معدوم ہوگئی. کمرہ اب گہری تاریکی میں ڈوب چکا تھا اور سردی تھی کہ ہر آن بڑھتی ہی جا رہی تھی، میرے جسم میں ایک تیز کپکپی دوڑ گئی' ذرا اس صورت حال کا تصور تو کیجئے ... گھبرا کر چھت کی طرف دیکھا تو بکرے کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح روشن نظر آئیں' تاریکی کی وجہ سے اُنکی چمک میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا تھا اور بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے گھور اندھیرے میں چھت کے نیچے سچ مچ دو دہکتے ہوئے انگارے معلق ہوں' شدید سردی کے باوجود پیشانی پر پسینہ محسوس ہونے لگی اور ایسا لگا جیسے اگر فوراً ہی ان شیطانی آنکھوں کی طرف سے نگاہیں نہ ہٹائیں تو ہوش و حواس سے عاری ہو کر رہ جاؤں گا۔ خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں فرش کی طرف دیکھا تو وہاں ایک اور تحیر خیز اور ہوش و حواس گم کر دینے والا منظر میرا منتظر تھا۔ ٹھیک اس جگہ جہاں فرش پر ستارہ زحل کی منحوس تصویر بنی ہوئی تھی، سُرخ اور نارنجی رنگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے شعلوں سے دھواں بلند ہو رہا تھا اور بلند ہوتے ہوئے اس دھوئیں کی منزل سو فیصدی شیطانی بکرے کی تصویر تھی۔

دفعتاً میں نے پروفیسر کی آواز سُنی "ہوشیار! طاغوتی قوتیں کوئی خطرناک اور شیطانی کھیل کھیلنا چاہتی ہیں!"

میں خاموش رہا۔ سچ پوچھئے تو اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ کوئی جواب دے پاتا۔ اچانک شعلوں سے خارج ہونیوالے دھوئیں کا پھیلاؤ تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا اور پھر ـــ چند لمحے بعد ایسا لگا جیسے لہراتے اور بل کھاتے دھوئیں میں کسی طرح کے نقوش پیدا ہونے لگے ہوں' دھندلے اور غیر واضح نقوش جو تیزی کے ساتھ واضح ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے تاریکی میں پروفیسر کو مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن حلق خشک ہو رہا تھا اور زبان میں کانٹوں کی سی چبھن محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ ہونٹ کپکپائے ضرور، مگر اُن سے کسی طرح کی آواز نہیں نکل سکی۔

دھوئیں میں اُبھرنے والے نقوش نے اب ایک چہرے کی شکل

اختیار کر لی تھی، مگر کس میں ہمت ہے کہ وہ اُس چہرے کے بھیانک اور خوفناک نقوش کی صحیح تصویر کھینچ سکے۔ وہ یقیناً کوئی انسانی چہرہ ہی تھا لیکن اس کے خدوخال خدا کی پناہ! چھوٹی چھوٹی چمکدار اور شیطانی آنکھیں، بالوں سے بے نیاز چہرہ، جبڑوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی، طوطے کی چونچ کی سی خمیدہ ناک، اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک چرا ہوا دہانہ! ۔اس کے گھناؤنے اور مکروہ ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی اور وہ اپنی دمکتی ہوئی آنکھوں سے انتہائی تمسخرانہ انداز میں ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ یکایک مجھے وہ حلیہ یاد آگیا جو کچھ دیر پہلے ہی پروفیسر جعفری نے میرے ذہن نشین کرایا تھا، میرے جسم پر خوف کی ایک تیز کپکپی طاری ہو گئی، مگر اس سے پہلے کہ بڑھتا ہوا خوف میری بے ہوشی کا سبب بنتا، میری آنکھوں کے سامنے بل کھاتے اور لہراتے دھوئیں میں ایک اور خوفناک شکل موجود تھی۔ جی ہاں! ایسا ہی لگا تھا جیسے شامیانے پر بنی ہوئی شیطانی بکرے کی تصویر اچانک مجسم ہو کر سامنے آگئی ہو، اُف، میرے خدا! وہ منحوس شیطانی بکرا اور اُس کی روح کو جھلسا دینے والی سُرخ آنکھیں! میں نے چاہا کہ اُن سے نگاہیں نہ ملاؤں لیکن اپنی نگاہوں پر اب میرا اپنا اختیار نہیں رہ گیا تھا، مجھے پلک تک جھپکانے کی قدرت نہیں تھی اور میں ان دہکتے ہوئے انگاروں کو دیکھنے پر مجبور تھا۔

یکایک مجھے ایسا لگا جیسے اس شیطانی بکرے کے جسم کا پھیلاؤ بڑی تیزی سے بڑھنے لگا ہو میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی بہت بڑے گدھے کی طرح پھول گیا اور اُس کی بھیانک کھوپڑی جس پر دو نکیلے اور خوفناک ٹیڑھے میڑھے سینگ نظر آ رہے تھے شامیانے کے کپڑے کو چھوتی ہوئی نظر آ رہی تھی، میری نگاہیں بدستور ان روح کو لرزا دینے والی ہولناک آنکھوں پر مرکوز تھیں اور اگر ایسا نہ ہوتا اور اگر ان شیطانی آنکھوں سے خارج ہونے والی طلسمی لہروں نے مجھے نہ سنبھال رکھا ہوتا تو یقین کیجیے کہ ذہن پر اب تک بے ہوشی مسلط ہو چکی تھی۔

اچانک میں نے پروفیسر کی بڑبڑاہٹ کی آواز سُنی غالباً وہ اپنے ذہن کو سنبھالتے ہوئے مقدس دُعاؤں کا ورد کر رہے تھے شیطان کے مقابلے میں جب کوئی ہتھیار کارگر نہ ہو سکے تو محض مقدس اور متبرک دُعائیں ہی انسان کے پاس آخری حربے کے طور پر رہ جاتی ہیں اور پروفیسر جعفری اس وقت اسی حربے سے شیطانی بکرے کا مقابلہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے، اب یہ اور بات ہے کہ اُن کی اب تک کی تمام کوششوں کا نتیجہ منفی شکل میں ہی نکلتا رہا ہو۔

دفعتاً مجھے محسوس ہوا کہ جیسے جہنم کی وہ بکرا نما مخلوق مجھ پر حملے کیلیے پر تول رہی ہو اس کے خطرناک اور نکیلے سینگ میرے جسم میں پیوست ہونے کے لئے پوری طرح تیار نظر آتے تھے اور شاید وہ میرے جسم میں اُتر ہی جاتے لیکن اُسی لمحے ایک اور حیرتناک اور غیر معمولی واقعہ رونما ہوا اور ملک الموت کا خونخوار ہاتھ ٹھیک میری شہ رگ کے قریب پہنچکر پیچھے ہٹ گیا۔ کیا واقعہ پیش آیا تھا، میں اس وقت نہیں سمجھ سکا اُس وقت تو بس ایسا ہی لگا تھا، جیسے کمرے میں زلزلہ آگیا ہو، خوفناک گڑگڑاہٹ کی آوازوں کے درمیان ایک دلخراش اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی چیخ سُنائی دی تھی اور اگلے ہی لمحے شیطانی بکرے کا جہنمی جسم تیزی کے ساتھ دھوئیں میں تحلیل ہونے لگا تھا!

مجھے ایسا لگا جیسے میرے جسم کے گرد لپٹی ہوئی مضبوط مگر نادیدہ آہنی زنجیریں ایک جھٹکے کے ساتھ اچانک ٹوٹ گئی ہوں اُسکے بعد بس اتنا ہی یاد ہے کہ میں اور پروفیسر جعفری بالکل پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے اُس کمرے سے باہر نکلے تھے اور تاریکی میں ڈوبا ہوا کمرہ بقعۂ نور بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

واقعی میں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ نزہت کی لائبریری پر پیش آنے والے بھیانک اور روح فرسا واقعات کو کیا سمجھوں، جو کچھ نظر آیا وہ خواب میں یقیناً نہیں دیکھا تھا، مگر کیا حقائق اس قدر لرزہ خیز خوفناک اور محیر العقول ہو سکتے ہیں؟ نزہت کی لائبریری جسے ایک رات قبل شیطانی عبادتگاہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہاں کا پُراسرار ماحول، چھت سے نیچے لگے ہوئے کپڑے میں شیطانی بکرے کی خوفناک تصویر اور اُس کی دہکتی ہوئی آنکھیں، ہڈیوں میں اُتر جانے والی ٹھنڈک، سناٹے کے اور شعلوں کا رقص اور دھوئیں کے مرغولوں میں جنم لینے والی شکل کی تصویر، پھر تصویر کے نقوش میں تبدیلی رونما ہوئی تھی، اور شیطانی بکرے کا جسم نظر آنے لگا تھا، بکرے کی حملہ آور ہونے کی تیاری، اور پھر کمرے میں زلزلے کے آثار، گڑگڑاہٹ کی مہیب آوازیں، غیر انسانی اور روح فرسا چیخ اور بکرے کا دھوئیں میں تحلیل ہونا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چکر تھا؟ شیطانی بکرے کی حقیقت کیا تھی؟ اور ایک غیر انسانی اور شیطانی چیخ کے بعد وہ کس طرح دھوئیں میں تبدیل ہو گیا تھا، کمرے کا بلب خود بخود تاریک ہو کر خود بخود روشن کس طرح ہو گیا تھا؟؟

یہی سوالات جب میں نے جعفری صاحب سے کیے تو اُنہوں نے کار چلاتے ہوئے ایک شکست خوردہ اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بکرے کی چیخ، اس کا فرار اور روشنی کا واپس آنا، کلام خدا کی برکت کا نتیجہ تھا بلکہ اسے معجزہ کہنا چاہئے۔"

اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولے "تمہیں دُعاؤں کی وہ کتاب یاد ہے جو میں نے تعویذ کی شکل میں نزہت کے گلے میں ڈالی تھی۔ وہ کتاب

ہمیں شاہراہ کی پہلی پولیس چوکی پر ٹھہرنا پڑا تھا اور اُسکے بعد ملہین دوبارہ اپنی خطرناک اور خوفناک مہم پر روانہ ہوگئی، چوکی پر ملنے والی اطلاع کے مطابق اگلی چوکی ملنے تک ہمیں شاہراہ پر ہی اپنا سفر جاری رکھنا تھا۔

اگلی چوکی پر پہنچکر ہمیں دائیں جانب مُڑنے کی ہدایت ملی، یہ سڑک چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک چھوٹے سے شہر کی طرف چلی گئی تھی اور اس سے آگے چھوٹے بڑے دیہات کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا شہر کے حدود میں داخل ہوتے ہی جو پہلا پولیس اسٹیشن نظر آیا، پروفیسر نے اُسکے سامنے گاڑی کھڑی کردی۔

اور پھر وہی سفر۔ سفر کا یہ سلسلہ رات کے پونے نو بجے تک جاری رہا۔ پونے نو بجے جب ہماری گاڑی ریاست پور کی دیہاتی آبادی میں داخل ہوئی تو زاہد صاحب کا ذہین اور ہونہار ماتحت اقبال اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔

پروفیسر جعفری سے ہاتھ ملا کر اُس نے دھیمی سی مسکراہٹ کیساتھ کہا۔ ”وہ عورت اسی دیہات میں موجود ہے پروفیسر! گاؤں کے آخری سرے پر آبادی سے ایک فرلانگ دور آم اور امرود کے درختوں سے گھری ہوئی چار دیواری میں ایک وسیع وعریض عمارت موجود ہے، مسز جمشید کی کار آپ کو اسی کمپاؤنڈ میں نظر آئیگی۔ اُسکی کار کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبصورت اور قیمتی گاڑیاں وہاں موجود ہیں۔“

”شکریہ! اندازاً گاڑیوں کی کل تعداد کتنی ہوگی؟“

”ساٹھ پینسٹھ کے درمیان — ایک سے ایک نفیس اور بیش قیمت گاڑی موجود ہے۔ کیا میں اُس عمارت تک آپکی رہبری کروں؟“

”اگر تکلیف نہ ہو تو!“

”تکلیف کا ہے کی جناب! آپ کی رہبری کر کے میں اپنا فرض ادا کرونگا۔“

”آئیے، پھر میری ہی گاڑی میں آجائیے!“

”بہتر ہے!“

کچھ دیر بعد ہم آم اور امرود کے درختوں سے گھری ہوئی عمارت کے قریب پہنچ گئے اس کے بعد اقبال اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ اور پروفیسر نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ”ہمیں اپنی کار کسی محفوظ مقام پر چھپا دینی چاہیئے!“

قریب ہی سڑک کے دوسری طرف ایک کھنڈر نما عمارت نظر آرہی تھی اُس کے ملبے کی آڑ میں گاڑی چھپا کر ہم درختوں سے گھری کمپاؤنڈ وال کی طرف بڑھے، میرا دل اگرچہ اس وقت بڑے زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن پروفیسر کی حالت پُرسکون تھی، دیوار کے ایک تباہ شدہ حصے سے گزر کر ہم دوسری طرف پہنچ گئے، اور تب — لق و دق کمپاؤنڈ میں موجود درختوں کی آڑ میں چلتے ہوئے پروفیسر نے کہا۔ ”مجھے حیرت ہے کم از کم یہ جگہ کسی شیطانی جشن کیلئے کسی طرح مناسب نہیں ہوسکتی۔“

”میں سمجھا نہیں۔“ میں اُلجھ کر بولا۔

”چار سالہ شیطانی جشن کیلئے ویرانی، سناٹا اور کسی جھیل، تالاب یا نہر کی موجودگی ضروری ہوتی ہے جبکہ یہ مقام نہ صرف آبادی کے بالکل قریب واقع ہے بلکہ ان اطراف میں کسی چشمہ، نہر یا جھیل کے آثار بھی نظر نہیں آتے — نہیں جاوید صاحب! میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ یہاں کسی جشن میں شریک ہونے نہیں آرہے ہیں!“

”پھر — ؟“

”اس مقام کو غالباً اکٹھا ہونے کیلئے پسند کیا گیا ہے، جب بھی اس شہر اور اسکے قرب و جوار کے سارے ابلیس پرست جمع ہوگئے اُسی وقت یہ لوگ کسی ویران اور کھلے مقام کیلئے روانہ ہوجائیں گے۔“

میں خاموش ہوگیا، پروفیسر نے بھی کچھ نہیں کہا اور بہت جلد ہم لوگ عمارت کی پشت پر پہنچ گئے۔ زیادہ تر کمروں کی کھڑکیاں اس سمت میں واقع ہوئی تھیں، اُن میں سے کئی کھڑکیوں کے پردوں سے روشنی چھن کر باہر آرہی تھی، پروفیسر نے ایک درخت کے نیچے ٹھہر کر اپنے گردو پیش کا ایک مکمل جائزہ لیا اور مجھے بہت زیادہ محتاط رہنے کی تلقین کر کے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے قریب ترین کھڑکی کے نیچے پہنچ گئے کھڑکی پر سیاہ رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ زمین سے کم از کم اتنی بلندی پر ضرور تھی کہ پنجوں پر کھڑے ہوئے بغیر اس کے دوسری طرف نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

پروفیسر جعفری نے مجھے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور پنجوں پر کھڑے ہو کر کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ خطرناک کام تھا، مگر نزہت کی سلامتی اور عافیت کے لئے ہم بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کو بھی تیار تھے، ہر قیمت پر اُسے ابلیس پرستوں کے شکنجے سے رہائی دلانی تھی۔

چند لمحے بعد پروفیسر جعفری نے میری طرف متوجہ ہو کر سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ ”پورے بائیس افراد موجود ہیں۔ اُن کے چہرے کمرے کے دروازے کی طرف تھے اس لئے میں نے بڑی آسانی کے ساتھ اُنہیں گن لیا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں میں نزہت کا وجود نہیں۔ اور وہ ابلیس پرست شنکر بھی نظر نہیں آیا۔ البتہ مسز جمشید ضرور اس کمرے میں موجود ہے۔“

"مگر وہ دونوں کہاں گئے؟"

"خدا جانے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اور کمرے میں موجود ہوں۔ کئی کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی ہے۔"

میں نے چاہا کہ اپنی آنکھوں سے کمرے میں موجود افراد کا جائزہ لوں لیکن جعفری صاحب نے سختی سے منع کر دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اگلی روشن کھڑکی کے قریب پہنچ گئے، اس کمرے میں انہیں شکر نظر آگیا۔ مگر نزہت یہاں بھی موجود نہیں تھی، لہٰذا تیسرے کمرے کی کھڑکی کا رُخ کرنا پڑا اور یہاں پروفیسر جعفری کی متلاشی نگاہوں نے اُسے ڈھونڈ نکالا۔

میری طرف جُھک کر بولے۔ "وہ یہاں موجود ہے۔ پوری طرح مطمئن اور مسرور، فکر یا پریشانی کا کوئی دھندلا سا عکس بھی اس کے چہرے پر موجود نہیں۔"

"اُوہ! کیا میں اُسے دیکھ سکتا ہوں پروفیسر؟"

"نہیں۔ درجنوں دشمنوں کی موجودگی میں ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"لیکن....."

"پلیز جاوید! تم وعدہ کر چکے ہو کہ میری ہدایات پر پوری طرح عمل کرو گے، آداب چوتھی اور آخری کھڑکی کو دیکھیں میرا خیال ہے کہ اس کمرے میں بھی کچھ نہ کچھ افراد ضرور موجود ہوں گے!"

اور واقعی چوتھے کمرے میں پورے درجن بھر افراد موجود تھے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خون کی گردش خود بخود میری رگوں میں بڑھ گئی اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اسی وقت ان ابلیس پرستوں کا قصہ پاک کر دیتا مگر اتنے بہت سارے آدمیوں سے نبٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لہٰذا خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اچانک ہم چونک پڑے کہیں قریب سے ہی کسی گاڑی کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ پھر وہ آواز تدریج دور ہوتی چلی گئی۔

"کوئی گیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔ آؤ دیکھیں۔"

ہم دونوں کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر اس طرف بڑھ گئے جہاں کئی قطاروں میں چمکدار اور قیمتی گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ وہاں ایک اور گاڑی روانگی کے لئے بالکل تیار کھڑی نظر آئی۔

"دیکھا تم نے۔" پروفیسر صاحب بولے۔ "میں نہیں کہتا تھا کہ اس جگہ سے یہ لوگ کسی اور مقام کا رُخ کریں گے۔"

"آپ شاید ٹھیک ہی کہتے تھے۔"

"شاید نہیں، یقیناً۔ آج دن بھر لائبریری میں بند ہو کر میں شیطانی فرقے سے متعلق کتابوں کا ہی مطالعہ کرتا رہا ہوں، یہ لوگ یہاں سے روانہ ہو کر ضرور کسی ویرانے اور کھلے مقام پر پہنچیں گے، جہاں شیطان کی عبادت کی جائے گی۔ اور نئے اُمیدواروں کو ابلیس کے گھناؤنے مذہب میں داخل کیا جائے گا، مگر اب آؤ، اس جگہ ٹھہر کر ہمیں خواہ مخواہ وقت نہیں برباد کرنا چاہیے۔"

کچھ دیر بعد ہی ہم ایک دفعہ پھر جعفری صاحب کی ہلیمن میں موجود تھے، عمارت کے کمپاؤنڈ سے بدستور گاڑیاں برآمد ہونے کا سلسلہ جاری تھا لیکن وہ پورے دو دو منٹ کے وقفے کے بعد باہر نکل رہی تھیں تاکہ سڑک پر آکر کاروں کے کسی جلوس کی شکل اختیار نہ کر لیں، جب اندر صرف ایک گاڑی رہ گئی، تو پروفیسر نے اپنی ہلیمن کا انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے چلاتے ہوئے سڑک پر لے آئے اتنی دیر میں اگلی کار کی عقبی روشنیاں کافی دور پہنچ چکی تھیں۔

پروفیسر نے مجھ سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا سمجھے۔ اب اگلی کار والے یہ سمجھیں گے کہ ان کے پیچھے اس سلسلے کی آخری کار آرہی ہے۔ جبکہ آخری کار والے اُسے اپنے سے اگلی گاڑی سمجھتے رہیں گے، ویسے میرا ارادہ نزہت کے آگے یا پیچھے جانے کا تھا مگر وہ نہ جانے کس وقت اس جگہ سے نکل گئی۔!"

"میں نے بھی نہیں دیکھا!"

"تم کس طرح دیکھ لیتے۔ ساری گاڑیوں کی اندرونی روشنی گُل تھیں۔

میں خاموش ہو گیا۔ گاڑیاں تیزی کے ساتھ کولتار کی چمکتی اور سیاہ سڑک کے سینے پر پھسل رہی تھیں۔ بستی کی حدود سے نکلنے کے بعد اُنہوں نے پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک پتلی اور ویران سڑک کو منتخب کیا تھا اور اب پُرپیچ راستے پر آزادی اور اطمینان کے ساتھ فراٹے بھر رہی تھیں۔

ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اگلی کار ایک اونچی سی پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر کھڑی ہو گئی، اسٹاپ لائٹ کی سُرخ روشنی پر نظر پڑتے ہی جعفری صاحب نے بھی اپنی ہلیمن کی رفتار کم کر دی تھی، پھر جب تک ہماری کار اگلی گاڑی تک پہنچتی اُس میں بیٹھے ہوئے افراد باہر نکل کر

کچھ فاصلے پر پہنچ چکے تھے، پھر ظاہر ہے کہ ہمیں بھی پچھلی کاروالوں کی آمد سے پہلے ہی آگے بڑھ جانے کا موقع مل گیا ہوگا!

پروفیسر نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے تیزی کے ساتھ ایک بہت بڑے پتھر کی طرف بڑھ گئے، پھر پیچھے آنے والے آدمیوں کے آگے نکل جانے کے بعد ہی ہم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تھی۔

"اب آؤ!" جعفری صاحب نے پہاڑی کی بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اب کم از کم پشت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا ہے۔"

"درست ہے مگر اتنے بہت سارے عفریتوں کی موجودگی میں ہم نزہت کو کس طرح بچا سکیں گے۔" میں نے پریشانی کے ساتھ کہا۔

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں، سچ پوچھو تو میں اسی لئے اس کی گاڑی کے آگے یا پیچھے آنا چاہتا تھا مگر مجھے یقین ہے کہ اتنی بہت ساری گاڑیوں میں اس کی کار کا وجود کہیں نہیں تھا، وہ کسی اور کی کار میں اس جگہ تک پہنچی تھی اور اسی میں یہاں تک آئی ہے، کاش ان شیطان پرستوں نے اندرونی روشنیاں گل کر کے یہ سفر نہ کیا ہوتا، مگر ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر کیلئے وہ ان لوگوں سے کچھ دور رہ جائے، اگر ایسا ہوا تو میں اُسے دوبارہ اُن کے قریب جانے کا موقع نہ دوں گا۔"

کچھ دیر بعد ہی ہم پہاڑی کی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے، ہمارے سامنے اب ڈھلوان تھی اور اس کے بعد۔ چاروں طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ایک مربع شکل کا پتھریلا میدان، میدان میں ایک طرف ہماری آنکھوں کے سامنے ایک چشمہ زمین کا سنگلاخ سینہ توڑ کر اُبل رہا تھا اور اسکے قریب ہی ابلیس پرستوں کی فوج ظفر موج نظر آ رہی تھی اُن کی تعداد کسی طرح ستر بہتر نفوس سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور ان ستر بہتر نفوس میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کچھ ہی کم رہی ہوگی۔ اُن میں ڈھلتی ہوئی عمر کی کچھ عورتیں بھی تھیں، مگر اکثریت جوان اور پرکشش عورتوں پر مشتمل تھی، میدان میں اس وقت بڑی عجلت کے ساتھ پیٹرومیکس روشن کئے جا رہے تھے، ایک جانب ایک بہت بڑے پتھر کی سل کسی تخت کی طرح بچھی ہوئی تھی اور اُسکے قریب ہی فولڈنگ ٹیبلیں، کرسیاں اور سامان سے بھرے ہوئے بہت سارے تھیلے رکھے ہوئے تھے۔

بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لے کر ہم احتیاط کے ساتھ نیچے اُتر رہے تھے، جب میدان کا فاصلہ قریب قریب سو گز رہ گیا تو پروفیسر نے کہا "بس اس سے زیادہ آگے بڑھنا ہمارے لئے خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بڑے سے پتھر کے عقب میں جا کر بیٹھ گئے۔ نہ تو ہمیں اس پہاڑی پر چڑھتے ہوئے کسی طرح کی دشواری ہوئی تھی اور نہ اُترتے وقت، چڑھائی یا ڈھلوان عمودی نہیں تھی اور اس پر کافی تیزی کے ساتھ قدم اُٹھائے جا سکتے تھے۔

میدان اتنی دیر میں بقعۂ نور بن چکا تھا اور اب ابلیس پرست بڑی پھرتی اور ہوشیاری کے ساتھ میزیں اور کرسیاں بچھانے میں مصروف تھے۔ یہ ساری چیزیں غالباً غروب آفتاب سے پہلے ہی اس جگہ پہنچا دی گئی تھیں کیونکہ ان کاروں میں اس قدر سامان لے کر آنا تو بے حد مشکل کام تھا۔

میری نگاہیں تجسس اور اضطراب کے عالم میں نزہت کو تلاش کر رہی تھیں اور پھر چند لمحوں کی تلاش کے بعد اُنہوں نے اُسے پا لیا اپنے ساتھیوں سے محض چند گز کے فاصلے پر وہ ایک چھوٹے سے پتھر پر بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس وقت کچھ زیادہ خوش اور مسرور نظر نہیں آ رہی تھی۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے سُرخ اور مرطوب ہونٹوں پر خفیف سا تبسم تھا آنکھوں میں تجسس اور دلچسپی کی ہلکی سی چمک بھی موجود تھی مگر اس کے ساتھ ہی اُن میں پریشانی اور گھبراہٹ کے دھندلے سائے بھی لہرا رہے تھے اُسے دیکھ کر جی بےچین ہو گیا، دل میں آئی کہ دوڑتا ہوا جاؤں اور اُسے اپنے مضبوط اور قوی بازوؤں پر اُٹھا کر لے آؤں مگر ظاہر ہے کہ یہ وقت اس قسم کی سرگرمی کیلئے کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا دل کی دل میں ہی رہ گئی۔

دفعتاً میری نگاہیں ایک بدصورت اور کریہہ شخص پر پڑیں۔ اُس کا سر بالوں سے بے نیاز تھا۔ جبڑوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں، دہانہ ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک پھیلا ہوا تھا اور اُس کی ناک طوطے کی چونچ کی طرح خمیدہ تھی۔

"شنکر!" یہ خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گیا اور اس کے ساتھ ہی شعور کی سطح پر وہ خوفناک اور بھیانک صورت اُبھر آئی جسے نزہت کی لائبریری میں، دھوئیں کے مرغولوں کے درمیان شیطانی بکرے کے نمودار ہونے سے پہلے چند لمحوں کیلئے دیکھا تھا، یقیناً یہ وہی شیطان تھا جس نے بے چارے دنیو کی موت کے پروانے پر اپنے دستخط کئے تھے اور جو بعد میں ہمیں بھی اپنی خباثت کی بھینٹ چڑھا دینا چاہتا تھا، اور چڑھا بھی دیتا اگر عین موقع پر خدا نے مدد نہ کی ہوتی۔

اُسے دیکھتے ہی خون میری رگوں میں بڑی تیزی سے گردش کرنے لگا۔ اگر اس وقت جعفری صاحب نہ ہوتے تو میں نے یقیناً انجام کی پروا کئے بغیر اُس پر چھلانگ لگا دی ہوتی جعفری صاحب کی وجہ سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اچانک میری آنکھوں نے ایک نیا منظر دیکھا، ابلیس پرستوں

کے غول نے تھیلوں میں سے بڑے بڑے سیاہ لبادے نکال لئے تھے، اور اب لباس اُتار کر انہی لبادوں کو زیب تن کیا جا رہا تھا، نزہت بھی ایک لبادے کے ساتھ ایک بڑے پتھر کی طرف بڑھتی نظر آئی....

"یہ کیا ہو رہا ہے پروفیسر!" بالآخر میں خاموش نہ رہ سکا۔

"دیکھتے رہو، بہت جلد تمہاری سمجھ میں سب کچھ آجائے گا۔

مگر کاش وہ احمق لڑکی اسی طرف لباس تبدیل کرنے چلی آتی۔"

"لیکن پروفیسر!... آپ نے کہا تھا کہ اگر کوئی فرد مذہب اور انسانیت سے منہ موڑ کر ایک مرتبہ شیطان کے مذہب کو اپنا لے تو دُنیا کی کوئی طاقت اُسے سیدھی اور نیک راہ پر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں، کہا تھا۔ لیکن نزہت ابھی تک باقاعدہ طور پر ابلیس کے حلقے میں داخل نہیں ہوئی ہے، نئے اُمیدواروں کو باقاعدہ طور پر ابلیس پرست بنانے کا کام جشن کے بالکل آخر میں ہوگا۔ ہو سکتا ہے اُس وقت تک کوئی صورت نکل آئے اور ہم اُسے تباہی اور بربادی کے تاریک گڑھوں میں گرنے سے بچا سکیں۔" جعفری صاحب نے جواب دیا۔ مگر اُن کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ زیادہ پُر اُمید نہیں ہیں۔

لباس کی تبدیلی کے بعد چہروں پر نقاب چڑھانے کا کام شروع ہوا۔ اس کے بعد میزوں پر شراب کی بوتلیں اور کچا گوشت رکھا گیا اور وہ سب اس طرح ان اشیاء پر ٹوٹ پڑے جیسے جسم جسم سے ان کیلئے ترستے رہے ہوں۔ افراتفری، لوٹ مار اور چھینا جھپٹی کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا.... مجھے وہ کہانیاں یاد آگئیں، جن کے کردار افریقہ کے وحشی قبائل کے افراد ہوا کرتے تھے۔

"یہ لوگ کچا گوشت چبانے کی کوشش کر رہے ہیں پروفیسر!"

"ہاں! ابلیس پرستوں کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ خاص خاص اجتماعات کے موقعوں پر وہ انسان کے بجائے جانور نظر آئیں، کیا تمہیں جانوروں کے وہ مصنوعی چہرے نظر نہیں آرہے ہیں جو ان میں سے بعض نے نقابوں کی جگہ اپنے چہروں پر چڑھا رکھے ہیں؟"

"میں دیکھ رہا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور ان لوگوں پر نظریں ڈالیں جنہوں نے اپنے چہروں پر کتوں، بلیوں اور سؤروں کے مصنوعی چہرے چڑھا رکھے تھے۔ گیدڑ نے اپنے لئے جنگلی سؤر کا چہرہ پسند کیا تھا۔

پروفیسر صاحب نے کہا۔ "یہ نصف درجن افراد جنہیں تم ان گھناؤنے چہروں میں دیکھ رہے ہو، ان لوگوں کے مذہبی اور روحانی پیشوا ہیں — دوسرے لفظوں میں — ان لوگوں کا شمار کالے جادو کی ماہر ترین ہستیوں میں کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے خاموشی کے ساتھ سر ہلا دیا، سچ پوچھئے تو اس وقت میری تمام تر توجہ ابلیس پرستوں کے غول پر مرکوز تھی، میری آنکھیں بڑی بے چینی اور بے قراری کے عالم میں نزہت کو تلاش کر رہی تھیں، مگر سیاہ لبادے اور سیاہ نقاب کے پیچھے کوئی بھی عورت نزہت ہو سکتی تھی، کسی ایک کے بارے میں کس طرح فیصلہ کر لیا جاتا کہ وہی نزہت ہوگی۔

اپنی جگہ حیرت و پریشانی کے عالم میں بیٹھا خاموشی کے ساتھ انہیں شراب اور کچے گوشت پر لڑتے جھگڑتے دیکھتا رہا۔ اور پھر جب خدا خدا کر کے وہ طوفان بدتمیزی ختم ہوا تو عبادت کی تیاریاں ہونے لگیں، شنکر آگے بڑھا اور تھیلے میں سے بڑی بڑی موم بتیاں نکال کر روشن کرنے لگا اس کے بعد وہ موم بتیاں پتھر کے تخت پر نصب کی جانے لگیں، بارہ موم بتیاں ایک بڑے سے دائرے کی شکل میں ایستادہ کر دی گئی تھیں جبکہ تیرھویں موم بتی کو دائرے کے ٹھیک وسط میں کھڑا کیا گیا تھا اسی تخت پر ایک طرف انگارے دہکائے جا رہے تھے اور ایک دوسرا شخص انگاروں پر خشک گوبر ڈالتا جا رہا تھا۔

یکایک ایک عجیب سے شور کی آوازیں کانوں میں سنائی دینے لگیں، سارے ابلیس پرست مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو کر غالباً کوئی مذہبی گیت گا رہے تھے، شاید ابلیس کے استقبال کی تیاری تھی رفتہ رفتہ کورس کے انداز میں گائے جانے والے گیت کی لے تیز ہوتی گئی، وادی میں جمع افراد اب آہستہ آہستہ تھرک بھی رہے تھے، گیت کا شور کچھ اور بلند ہو گیا اور اسی مناسبت سے تھرکتی ہوئی ٹانگیں رقص کرنے کے انداز میں حرکت میں آگئیں، رفتہ رفتہ جوش و خروش بڑھنے لگا۔ رقص نے وحشیانہ صورت اختیار کر لی اور گیت کے شور سے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے، کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابلیس پرستوں کے ساتھ پہاڑیوں کا ایک ایک پتھر بھی گا رہا ہو۔

اور پھر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اُسے میں زندگی کی آخری سانسوں تک فراموش نہیں کر سکوں گا۔ بس اچانک ہی گوبر کے گہرے دھوئیں میں ایک پرچھائیں سی تھرتھرانے لگی تھی، وہ تھرتھراتی رہی اور دھوئیں میں اُسکے دھندلے دھندلے نقوش اُبھرنے لگے، سب سے پہلے ایک بڑا سا غیر انسانی سر نظر آیا۔ اسکے بعد لمبی سی تھوتھنی، اسکے نیچے لٹکتی ہوئی لمبی سی داڑھی اور کھوپڑی پر اُگے ہوئے نکیلے، خطرناک اور ٹیڑھے میڑھے سینگ! میرے خدا یہ تو وہی شیطانی بکرا تھا جس کی تصویر میں نے نزہت کی لائبریری میں دیکھی تھی اور پھر بعد میں مجسم ہو کر دھوئیں کے مرغولے میں آگیا تھا اُس کا جسم اس وقت بھی میرے سامنے بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور اُس کی سُرخ جلتی ہوئی

آنکھیں دو دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح روشن نظر آرہی تھیں، اُسے اس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر میرے جسم میں ایک مرتبہ پھر خوف کی ایک تیز کپکپاہٹ دوڑ گئی تھی اور مجھے اپنا سر بڑی تیزی کے ساتھ گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جعفری صاحب نے شاید فوراً ہی میرے خوف اور گھبراہٹ کا اندازہ لگا لیا کیونکہ میرے کندھے پر اپنے ہاتھ کا بوجھ ڈالتے ہوئے بولے "خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں میرے دوست! ہمت سے کام لو۔ کیا تمہیں کوئی دُعا یاد نہیں؟ اگر یاد ہو تو اسی کو پڑھو۔ اللہ ضرور ہماری مدد کریگا۔"

چنانچہ میں نے دل ہی دل میں اس واحد دُعا کو پڑھنا شروع کر دیا جو مجھے اپنی اب تک کی زندگی میں یاد ہو سکی تھی۔

نیچے میدان میں سے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور کی آوازیں بدستور بلند ہو رہی تھیں، اور وحشیانہ رقص پورے زور شور کے ساتھ جاری تھا۔ پیٹرومیکس شیطانی بکرے کے ظہور پذیر ہوتے ہی خود بخود تاریک ہو چکے تھے، البتہ شمعیں ابھی تک روشن تھیں اور مجال ہے کہ اُن کی لو ذرا بھی تھرتھرا رہی ہو، ایسا لگ رہا تھا، جیسے کسی غیر مرئی اور پُراسرار طاقت نے اُنکے شعلوں کو کسی لکیر کی طرح سیدھا اور غیر متحرک رہنے پر مجبور کر دیا ہو۔

رقص کرنے والوں پر گویا کسی طرح کی دیوانگی طاری ہو چکی تھی۔ اُن کے ناچ کا کوئی مخصوص ڈھنگ یا طریقہ نہیں تھا، بلکہ وہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ناچ رہے تھے، اُنہوں نے تخت پر بیٹھے ہوئے بکرے کے چاروں طرف ایک بہت بڑا حلقہ بنا لیا تھا اور بکرے کی سُرخ اور دہکتی ہوئی آنکھیں انہیں ایک خوفناک دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں یکایک کتے کے چہرے والا ایک نیم برہنہ پیشوا آگے بڑھا اس کے ہاتھوں میں مٹی کا ایک بہت بڑا آبخورہ تھا جس میں لبالب شراب بھری ہوئی تھی، کتے کے چہرے والا بکرے کے سامنے پہنچکر تعظیمی انداز میں قدرے جھکا، پھر شراب سے بھرا ہوا آبخورہ نہایت ادب کے ساتھ اُس کی تھوتھنی کے قریب کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ جہنمی مخلوق اس طرح شراب کو اپنے معدے میں منتقل کر رہی تھی، جیسے وہ اس کی مرغوب ترین غذا ہو۔

شراب سے بھرا آبخورہ خالی کر کے اُس نے اپنے نتھنوں سے "شوں" کی ایک شیطانی آواز نکالی، اسکے بھیگی ہوئی تھوتھنی کو پیشوا نے لبادے سے صاف کیا اور پھر ایک بار پھر دیوانہ وار رقص کرتے ہوئے لبادہ پوشوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اچانک اسکے حلق سے ایک ہولناک چنگھاڑ کی آواز بلند ہوئی اور وہ اپنے پچھلے دونوں پیروں پر کسی غیر معمولی حد تک دراز قد بن مانس کی طرح کھڑا ہو گیا، اس کے ساتھ ہی اس کے گرد حلقہ بنا کر ناچنے والوں نے فوراً ایک دوسرے کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور اگلے ہی لمحے میری آنکھیں اُنہیں اس عفریت کے آگے سجدے میں پڑا ہوا دیکھ رہی تھیں، کئی منٹ تک وہ سب کے سب سجدے میں پڑے رہے، پھر اُٹھے اور اس طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے جیسے پاگل ہو گئے ہوں میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے چہروں پر پڑی ہوئی سیاہ نقابیں علیحدہ ہو گئیں اور اُن کے بالکل برہنہ جسم موم بتیوں کے غیر متحرک شعلوں کی روشنی میں بالکل صاف طور پر نظر آنے لگے، ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ اور ایک جنس کے افراد دوسری جنس کے افراد کو اس طرح نوچ کھسوٹ اور بھنبھوڑ رہے تھے جیسے کُتے گوشت کے ٹکڑوں کو اور گوشت سے بھری ہوئی ہڈیوں کو شدید بھوک کے عالم میں بھنبھوڑنے میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا کہ ان میں سے کُتے کون تھے اور بھنبھوڑا کون جا رہا تھا، دونوں ہی طرف کا جوش و خروش عروج پر تھا کسی جگہ ایک عورت کو دو دو اور تین تین مرد بھنبھوڑنے میں مصروف تھے اور کسی جگہ ایک تنہا مرد بیک وقت کئی کئی گوشت خور کُتیوں کے نرغے میں پھنسا ہوا نظر آرہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں۔ میں نے پروفیسر کی آواز سنی۔ "اپنی آنکھیں بند کر لو جاوید! تم اس وحشیانہ کھیل کو نہیں دیکھ سکو گے۔"

"خدا کا عذاب نازل ہو ان بدبختوں پر! لیکن پروفیسر صاحب! مجھے نزہت نظر نہیں آرہی!"

"وہ رقص کے اگلے دور میں ان کا ساتھ دے گی شیطان کا مذہب قبول کرنیکے بعد۔ اس وقت وہ اُسکے تخت کے سامنے موجود ہے۔"

اور وہ سچ مچ ابلیس کے تخت کے سامنے بیٹھی تھی اور اُسکی دہکتی ہوئی سُرخ آنکھیں اب ابلیس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور وہ بار بار اپنی تھوتھنی سے رال ٹپکا رہا تھا۔

"پروفیسر...!" میرے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

"میں دیکھ رہا ہوں جاوید!" اُنہوں نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں!" میں نے جوش کے ساتھ کہا۔ "آخر آپ کب تک دیکھتے رہیں گے۔ کیا ہم اسی لئے یہاں آئے تھے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اُسے ابلیس اور اُسکے پجاریوں کی درندگی اور بہیمیت کی بھینٹ چڑھتے دیکھیں؟"

"نہیں میرے دوست! مم... مگر میں کیا کروں؟ میں نے سوچا تھا کہ ہم اُسے تنہا یا دو چار ابلیس پرستوں کے درمیان سے آسانی کیساتھ

لے اڑیں گے لیکن تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میرا سارا منصوبہ چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔
اوہ! میرے خدا! میں کیا کروں؟ میری مدد فرما!"

یہ پہلا موقع تھا کہ آہنی عزم اور فولادی اعصاب کے مالک پروفیسر جعفری کو میں اس طرح مجبور اور بے بس دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے انہیں اپنی شکست کا پورا یقین ہو گیا ہو۔

"کیا آپ شیطان کے مقابلے میں ہار گئے پروفیسر صاحب! آج آپ نے بھی طاغوتی قوتوں کے سامنے سر جھکا دیا!" میرا لہجہ کسی حد تک تلخ اور طنزیہ تھا۔ جعفری صاحب نے ایک گہری سانس لی پھر دھیمی آواز میں بولے۔

"تم جو چاہو کہہ لو مگر میں اس وقت مجبور ہوں، یہاں پہنچنے سے پہلے میں صورتحال کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور اب جب کہ میں صحیح اندازہ لگا سکتا ہوں تو میرے پاس مقابلے کی تیاری نہیں ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"بہت کچھ ہو سکتا ہے، آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھے رہئے اس جگہ۔ میں ابلیس کے سامنے جاتا ہوں، عزت کی موت ذلت کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔"

میں نے دیکھا کہ پروفیسر کی آنکھوں میں ایک تیز چمک جاگ اٹھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ مایوس اور شکست خوردہ نظر آنے لگے، میرا بازو پکڑ کر انہوں نے کہا۔ "تمہارا کہنا درست ہے بیٹے! اگر یقین کرو، وہ سب آناً فاناً تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے، ان لوگوں سے جسمانی جنگ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی، یہ تو صرف روحانی ہتھیاروں سے ہی زیر ہونے والے ہیں، اور... اور میں اس وقت قطعی طور پر خالی ہاتھ ہوں۔ مگر... ٹھہرو!" اُن کی آنکھوں میں دوبارہ ایک تیز چمک جاگ اٹھی۔ "میرا خیال ہے کہ شاید میں اب بھی اُن سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ بس مجھے اپنی کار اس وادی میں لے جانا پڑے گی، روشنی کا اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ! آپ کا خیال ہے کہ روشنی کے لیئے نقصان دہ ثابت ہو گی۔"

"ہاں! کیا تم بھول گئے کہ کل رات دھوئیں میں اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی برقی بلب خود بخود تاریک ہو گیا تھا اور اُسکے غائب ہوتے ہی روشنی دوبارہ آ گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔ مگر اس وقت تو یہ خود روشنی میں موجود ہے، پوری تیرہ موم بتیاں اسکے سامنے جل رہی ہیں۔"

"وہ کالا جادو ہے۔ کیا تمہیں اس کا غیر متحرک شعلہ نظر نہیں آ رہا۔ اچھا خدا حافظ! میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ تم اوپر پہاڑی کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر میرا انتظار کرو!"

پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا، پروفیسر جعفری تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد میں بھی اوپر چلا گیا اور ابھی مجھے وہاں پہنچے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ ہلیمن لے کر آ پہنچے۔ کافی عجلت اور جوش میں بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ میرے قریب پہنچ کر گاڑی کی رفتار کم کی اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ پھر جب میں بھی کار میں بیٹھ گیا تو بولے۔

"تمہیں بہت زیادہ ہوشیاری اور پھرتی کا ثبوت دینا ہو گا۔ یوں سمجھو کہ نزہت کی سلامتی کا دار و مدار اب مجھ سے کہیں زیادہ تم پر ہے، تخت کے پاس پہنچ کر میں جیسے ہی گاڑی کی رفتار کم کروں تم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دروازہ کھول کر نزہت کو اندر کھینچ لینا۔"

میں نے وعدہ کر لیا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ نئے اور قیمتی انجن سے محض سرسراہٹ کی آواز نکل رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وحشت اور بربریت کے اس طوفان میں کسی کے فرشتے بھی اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ڈھلوان شروع ہوتے ہی پروفیسر صاحب نے کار کا انجن بند کر دیا، وہ تیزی کے ساتھ وادی کی طرف بڑھی اور پھر ٹھیک اس وقت جبکہ ابلیس کا تخت صرف چند گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا جعفری صاحب نے اچانک اُسکے ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے پھر ایسا ہی لگا تھا جیسے پوری وادی میں کوئی خوفناک زلزلہ آ گیا ہو، پہاڑیوں میں سے گڑگڑاہٹ کی آوازیں بلند ہوئی تھیں، شیطانی بگولا ایک ہولناک چیخ کے ساتھ سیاہ اور بدبودار دھوئیں میں تبدیل ہونے لگا اور ابلیس پرست بے تحاشا اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

میں نے کھلے ہوئے دروازے میں سے سر اور دونوں ہاتھ باہر نکال کر پھرتی کے ساتھ نزہت کو کار میں گھسیٹ لیا۔

✕ ✕ ✕

میرے نزہت کی سلامتی پر دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا اور پروفیسر صاحب کی ہلیمن ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ اُس کا رخ اُس طرف نہیں ہے جس طرف ہونا چاہئے ہلیمن اس وقت کریم گنج کی جانب فراٹے بھر رہی تھی۔

مگر جب میں نے پروفیسر صاحب سے اسکی وجہ پوچھی تو انہی مخصوص دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "اس سمت میں سفر کرنے کا مقصد اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ ہم اس وقت گھر نہیں چل رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اس معرکے میں فی الحال ہمیں صرف وقتی کامیابی حاصل ہوئی ہے مگر شنکر ہماری اس کامیابی سے پاگل ہو گیا ہوگا چنانچہ انتقام کے جنون میں مبتلا ہو کر وہ کسی قیمت پر نچلا نہیں بیٹھے گا، یوں بھی نزہت کو وہ اپنے کسی بڑے شیطانی مقصد کیلئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس پر کافی محنت کر چکا ہے، چنانچہ آسانی کے ساتھ اُسے کھونا پسند نہیں کریگا۔"

"لیکن ...."

"سنتے رہو۔ ابلیس سے مقابلہ کرنے کیلئے روحانی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ہم کریم گنج چل رہے ہیں وہاں میں ایک بہت بڑے اور متقی بزرگ سے واقف ہوں مجھے اُمید ہے کہ وہ ہماری مدد کرینگے رہا قیام و طعام کا مسئلہ تو تم بھی جانتے ہو کہ کریم گنج میں ہم تینوں کا سلیم جیسا وفادار اور مخلص دوست اور اُسکی فرشتہ صفت بیوی موجود ہے۔"

اس گفتگو کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی چنانچہ خاموش ہو گیا۔

صبح کے ۵ بجے تھے جب ہماری کار کریم گنج کی حدود میں داخل ہوئی، نزہت پر گہری نیند طاری تھی اور پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ چونکہ رات کے پر ہول اور دہشتناک واقعات نے اُسکی روح تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اس لئے شنکر کے جادو کا اثر یقیناً ختم ہو جانا چاہئے۔ خود میں نے اُس کی آنکھوں میں دلچسپی اور تجسس کے ساتھ ساتھ خوف و دہشت کے سائے لہراتے دیکھے تھے اور اس کا واحد مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اسوقت ایک تذبذب اور گومگو کی حالت میں مبتلا تھی اور یہ اس بات کا ثبوت تھا، کہ وادی میں چشمے کے کنارے پیش آنے والے روح فرسا واقعات نے سچ مچ اُس کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور شنکر کے سحر کی گرفت اُسی وقت سے اس پر کمزور ہونے لگی تھی۔

جس وقت کار سلیم کے طویل و عریض عظیم الشان بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اُس وقت بھی میں نزہت ہی کے متعلق سوچ رہا تھا چنانچہ جب کار رُکتے وقت خفیف سا جھٹکا لگا تو میں چونک پڑا۔

سلیم اور اُسکی بیوی نرگس ابھی تک محوِ خواب تھے، مگر جب ملازم کے ذریعہ اُنہیں ہم لوگوں کی آمد کی اطلاع ملی تو فوراً ہی خوابگاہ سے نکل کر دوڑتے ہوئے ہمارے پاس چلے آئے۔ ہمیں غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا مگر جب اُنہوں نے نزہت کو کار کی پچھلی نشست پر گہری نیند میں غرق دیکھا تو دونوں ہی میاں بیوی چونکے بغیر نہیں رہے۔

"کیا بات ہے پروفیسر؟" سلیم نے ذرا گھبرا کر پوچھا۔ "نزہت محض سو رہی ہیں، یا کوئی خاص بات ہے، خدانخواستہ کچھ بیمار تو نہیں؟"

جواب میں جعفری صاحب نے ایک پُراسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بیمار ہی سمجھو، یہ لڑکی موت کے منہ سے لوٹ کر اس وقت یہاں آئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" سلیم کچھ اور گھبرا گیا، نرگس بھی خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی اور پھر اوپر پہنچ کر جب پروفیسر نے اُنہیں حقائق سے باخبر کیا تو کافی دیر تک اُنہیں یقین ہی نہیں آیا اور جب یقین آیا تو پریشانی پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ خاص طور پر نرگس کی پریشانی اور گھبراہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے یقین ہے کہ نزہت کا ذہن اس سحر سے آزادی حاصل کر چکا ہے اور اب وہ آسانی کے ساتھ شنکر کے شیطانی جال میں گرفتار نہیں ہو سکے گی۔ ویسے ایک بات میں صاف طور پر اسی وقت کہہ دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ شنکر بہت جلد معلوم کر لے گا یا ہو سکتا ہے کہ اب تک اُسے معلوم ہو گیا ہو کہ میں اور جاوید نزہت کے ساتھ تم لوگوں کے ہاں موجود ہیں، ایسی صورت میں وہ کسی بھی قیمت پر خاموش ہو کر نہیں بیٹھے گا اور ہر حالت میں نزہت کو واپس لینے کی کوشش کریگا یہی نہیں بلکہ وہ ہم سے انتقام لینے کی کوشش کریگا اور اس چکر میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس کی انتقامی کارروائیاں تم پر بھی اثر انداز ہوں۔"

"اوہ!" سلیم نے مسکراتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ "گویا آپ ہم لوگوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ بات نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں کس قدر بہادر اور حوصلہ مند ہو۔ اگر ایسا نہ سمجھتا تو ہم لوگ اس وقت تمہارے گھر کے بجائے کسی ہوٹل میں موجود ہوتے، مگر میرے دوست! میں تمہیں تاریکی میں رکھنا نہیں چاہتا۔ بہتر ہوگا کہ تم ہمارے گزشتہ دو راتوں کے مشاہدات کو مذاق میں نہ ٹالو اور ہماری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرو، اور اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم جو بھی فیصلہ کرو اس میں محض جذبات کو دخل نہ ہو کیونکہ جذبات میں کئے گئے فیصلے عموماً نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔"

"اور کوئی خاص بات! آپ کو کچھ اور تو نہیں کہنا؟"

"نہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ...."

"بس جناب!" سلیم ہاتھ اُٹھا کر سنجیدگی سے بولا۔ "آپ جو کچھ کہنا چاہتے تھے کہہ چکے اور اب میرا فیصلہ بھی سُن لیجئے' اور میرا فیصلہ یہ ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو آپ اور جاوید اسی گھر میں قیام کریں گے۔ میں جادو ٹونے اور شیطانی علوم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن اگر آپ کے بیان کردہ واقعات درست ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہوں گے، تو بھی میں نہ شیطان کی پرواہ کرنے کو تیار ہوں نہ اسکے چیلوں کی اور اب میرا خیال ہے کہ یہ گفتگو یہیں ختم ہو جانی چاہیے۔"

"اچھا۔" پروفیسر صاحب نے ایک اور طویل سانس لی۔ "لیکن اگر تمہیں ابلیس پرست شنکر کے ہاتھوں کوئی معمولی سا نقصان بھی پہنچا تو اسکے لئے میں اپنے آپ کو زندگی کی آخری سانسوں تک معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"دیکھا جائیگا۔ مگر کیا آپ اپنے دوستوں کی دلآزاری کرنا چاہتے ہیں؟"

"خدا کی قسم میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"بس تو اس قصے کو یہیں ختم کر دیجئے۔"

"تمہاری مرضی۔ نرگس تمہارا کیا خیال ہے؟"

"مجھ میں اور سلیم میں شادی کے دن سے اب تک کسی مسئلے پر اختلاف نہیں ہو سکا ہے، پھر یہ تو سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں، مگر آخر وہ شیطان پرستوں کا گروگھنٹال بے چاری نزہت کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔"

"ظاہر ہے کہ نزہت کے ذریعہ وہ اپنا کوئی خاص مقصد حاصل کرنا چاہتا ہوگا!"

"آپ اس مقصد سے باخبر نہیں؟"

"نہیں، ہم میں سے کسی کو اس بارے میں صحیح معلومات نہیں۔ کچھ دیر بعد نزہت ہی کچھ بتا سکے گی، وہ رات کے واقعات سے بہت زیادہ پریشان اور خوفزدہ تھی چنانچہ میں نے اس پر مصنوعی نیند طاری کر دی تھی۔ میرے اثر کو اُس نے بڑی آسانی سے قبول کر لیا تھا اور یہ اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ اُسکی ذہنی گرہیں رات کے ہولناک واقعات کے بعد خود بخود کھُل چکی ہیں۔ مگر خیر اب وہ جلد ہی بیدار ہو جائیگی اور تم اپنے سوال کا اس سے صحیح اور تفصیلی جواب معلوم کر سکو گی۔"

اور پروفیسر صاحب کا کہنا حرف بحرف درست ہوا، بیدار ہونے کے تھوڑی دیر بعد نزہت نے نرگس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے سفلی عملیات کے ذریعہ مجھ سے "گنج سلیمان" کا صحیح مقام معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"اوہ!" میرے ہونٹ دائرے کی شکل میں سکڑ گئے۔

"تمہارا مطلب حضرت سلیمانؑ کے خزانے سے ہے؟"

"ہاں۔ اگرچہ اس عظیم خزانے کی حیثیت اب افسانوی رہ گئی ہے مگر شنکر کو یقین ہے کہ وہ خزانہ کوہ سلیمان پر کسی جگہ اب بھی موجود اور محفوظ ہے۔"

"یہ درست ہے۔" جعفری صاحب بولے "حضرت سلیمانؑ کا خزانہ اب بھی کوہ سلیمان کے کسی مقام پر موجود اور محفوظ ہے۔ مگر تم اس کبڑے شیطان کے ہتھے کیسے چڑھ گئیں؟"

"لالچ بُری بلا ہے میرے بزرگ! میری پہلی ملاقات اس ابلیس پرست سے ابھی کوئی پندرہ سولہ روز پیشتر ہوئی تھی باتوں ہی باتوں میں اُس نے اپنے سفلی علم کے ذریعہ میری زندگی کے بعض پہلوؤں کے بارے میں بے حد سنسنی خیز انکشافات کئے اور کچھ ایسے مشورے دئے جن پر عمل کر کے میں نے چند ہی روز میں اپنی دولت میں پورے پچاس ہزار کا اضافہ کر لیا اُس نے مجھے ریس میں جیتنے والے گھوڑوں کے بارے میں بتایا اور . . ."

"اس طرح تم آسانی کیساتھ اس شیطان کے جال میں گرفتار ہو گئیں مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تم نے اسکے سامنے ان پُراسرار شیطانی علوم میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہوگا اور اُس نے بڑی فراخدلی سے وعدہ کر لیا ہوگا کہ تمہیں محض چند روز میں سب کچھ سکھا دے گا اس کے بعد اُس نے ظاہر ہے تم سے رازداری کا وعدہ بھی لیا ہوگا۔ پھر ملاقاتیں بڑھی ہوں گی اس طرح تم جلد ہی اس کے شیطانی اثر میں چلی گئی ہو گی۔ میرا خیال غلط تو نہیں ہے؟"

"آپ کا خیال سو فیصدی درست ہے کاش کہ میں اس ابلیس پرست کی باتوں میں نہ آتی اور اُسے میرے ذہن پر اپنا شیطانی تسلط جمانے کا موقع نہ ملا ہوتا۔"

"ختم کرو۔ ماضی کی حماقتوں سے سبق حاصل کرنا یقیناً ایک اچھی بات ہے، لیکن کسی حماقت پر پچھتانا ایک دوسری حماقت ہوتی ہے۔ ماضی کا ماتم کرنے کی بجائے ہمیں مستقبل سے نپٹنے کی تیاری کرنی چاہیئے اچھا میں اس وقت بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم لوگ محتاط رہنا میری واپسی شام سے پہلے نہ ہو سکے گی۔"

اور اتنا کہہ کر پروفیسر صاحب نے سب کو خدا حافظ کہا، اور خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے، میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت اُن ہی بزرگ سے ملنے گئے ہونگے، جن کا ذکر اُنہوں نے کریم گنج آتے ہوئے کیا تھا۔

* * *

اور پروفیسر صاحب کے رخصت ہونے کے کوئی نصف گھنٹے بعد کا ذکر ہے۔ میں نیچے اسٹڈی روم میں بیٹھا ہوا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا کہ سلیم کے خاص خدمتگار نے آکر کسی اجنبی شخص کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔ "وہ صاحب آپ سے یا پروفیسر صاحب ہی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کون صاحب ہیں؟" میں نے ذرا حیرت سے دریافت کیا۔ ظاہر ہے کہ کریم گنج میں ہم لوگوں کی آمد کو آج پہلا ہی دن تھا اور یہاں سلیم اور نرگس کے علاوہ ہمارا کوئی دوست یا واقف کار موجود نہیں تھا۔ پھر آخر وہ کون تھا جو ہمارے یہاں پہنچتے ہی ہم سے ملنے چلا آیا تھا!

ملازم نے جواب میں کہا۔ "میں نہیں جانتا صاحب! انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا۔ ویسے اگر برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ کوئی اچھے آدمی معلوم نہیں ہوتے اکھڑ انداز میں بات کرنا پسند کرتے ہیں اور شکل و صورت تو ایسی پائی ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ اس پر پیٹھ پر اگا ہوا گھناؤنا کوبڑ!"

میں اس کے یہ الفاظ سن کر بڑے زور سے اچھل پڑا! "کیا کہا تم نے، اس کی پشت پر کوبڑ ہے۔ وہ کبڑا ہے!؟"

"جی ہاں! کیا میں انہیں اسی جگہ بھیج دوں یا آپ اپنے ملاقاتی سے ڈرائنگ روم میں ملنا پسند کریں گے؟"

مگر میں اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ سچ پوچھئے تو ابلیس پرست کبڑے کی آمد سے باخبر ہوتے ہی ہوش اڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے یقین کیجئے کہ میں بزدل نہیں ہوں لیکن ایمان اور انصاف سے بتائیے کہ وہ ہولناک واقعات جو میرے ساتھ پیش آئے اگر ان سے آپ کا سابقہ پڑا ہوتا تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ملازم کو کیا جواب دوں، دل چاہتا تھا کہ منحوس کبڑے کو دھکے دلوا کر عمارت سے باہر نکلوا دوں مگر پھر سوچا کہ لوگوں پر میری اس حرکت کا نہ جانے کیا ردعمل ہو۔

ملازم نے مجھے خاموش اور متذبذب دیکھ کر کہا۔ "کیا حکم ہے سرکار! کبڑے سے ملنا پسند کریں گے کہ اسے نو دو گیارہ کر دوں؟"

"اسے بھیج دو!" میرے منہ سے کمزور سی آواز نکلی۔ "میں اس سے اسی جگہ مل لوں گا!"

ملازم مؤدبانہ انداز میں سر خم کر کے کمرے سے رخصت ہو گیا۔ اور میں خود کو شیطان پرست کبڑے سے ملنے کیلئے ذہنی طور پر تیار کرنے لگا مگر اس سے پہلے کہ تیاری مکمل ہوتی، دروازے میں کبڑے شیطان کی مکروہ صورت نظر آئی تھی اور مجھے اسے نہ چاہنے کے باوجود اندر بلانا پڑا تھا۔

وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا اور پھر اجازت طلب کئے بغیر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"معاف کرنا مسٹر جاوید! میں نے تمہیں ناوقت زحمت دی لیکن مجھے تم سے بے حد ضروری گفتگو کرنا ہے، میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے آسانی سے پہچان لیا ہو گا!"

"ہاں میں تمہیں پہچانتا ہوں حالانکہ اب سے پہلے ہم کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے، مگر اس کے باوجود میں تمہیں تمہاری تمام خباثتوں سمیت پہچانتا ہوں۔ ویسے تم نے اب تک اپنے یہاں آنے کی وجہ بیان نہیں کی!" میں نے اس کی سرخ اور چمکدار آنکھوں سے اپنی نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"میرے آنے کی وجہ! کیا تم خود ہی نہیں سمجھ سکتے میرے دوست!"

"میں کچھ نہیں جانتا!"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مگر خیر! اگر میری زبان سے سننا چاہتے ہو تو سنو! میں تم سے اور تمہارے دوستوں سے نزہت کو واپس لینے آیا ہوں۔"

"کیا ۔۔۔ ؟" اس کی ناپاک زبان سے نزہت کا نام سنتے ہی مجھے غصہ آ گیا۔ "تمہارا دماغ تو درست ہے ابلیس پرست کبڑے! خبردار اگر اب اس کا نام اپنی ناپاک زبان سے لیا۔"

"جوش میں مت آؤ میرے دوست!" شنکر کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکارا۔ "اس طرح تمہیں کسی طرح کا فائدہ نہیں ہو گا، میں نزہت کو لینے آیا ہوں اس لئے تمہیں اسے میرے حوالے کرنا ہی ہو گا!"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کی تیز اور شیطانی آنکھوں سے بچتے ہوئے کہا۔ "نزہت کے تصور کو بھی اب اپنے ذہن سے نکال پھینکو ورنہ عمر بھر پچھتاؤ گے۔ اور اب میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنی منحوس صورت اور گھناؤنے کوبڑ کے ساتھ اسی وقت اس عمارت سے رخصت ہو جانا چاہئے۔"

شنکر کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ تیرنے لگی میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی طرح سوچ لو مسٹر جاوید! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس احمقانہ اور جذباتی فیصلے پر بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"اوہ! تم مجھے دھمکیاں دینے آئے ہو!"

"نہیں، میں تمہیں صرف خطرات سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ سچ پوچھو تو میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے آیا ہوں، تم چاہو تو یہ بڑھا ہوا ہاتھ اب بھی تھام سکتے ہو۔"

"میں تم پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں!"

"تمہاری مرضی! اگر تمہیں مجھ سے ایسی ہی نفرت ہے تو میں تم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھوں گا! بشرطیکہ تم نزہت کو میرے حوالے کر دو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اب بھی تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی تو مجبوراً مجھے نوکروں کو حکم دینا پڑیگا کہ وہ تمہیں تمہارے کوچ سمیت اُٹھا کر عمارت سے باہر پھینکدیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں، میں خود ہی چلا جاؤں گا مگر کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کہ تم نزہت کو شرافت سے میرے حوالے نہیں کرو گے!"

"ہم کسی بھی طرح اُسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔" میں نے جوش سے کپکپاتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اب میرا فیصلہ بھی سن لو، میں نزہت کو تم سے اور تمہارے دوستوں سے واپس لے کر ہی رہوں گا۔ آج رات ہی وہ میرے پاس آجائے گی۔ اگر تم میں ہمت ہو تو اُسے روک لینا۔" شنکر نے کہا اور صوفے سے اُٹھ کر خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے تقریباً فوراً بعد ہی سلیم اندر داخل ہوا۔ چند لمحوں تک بغور میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بولا۔ "کیا بات ہے۔ وہ کمبڑا کون تھا؟"

"شنکر۔"

"کیا مطلب؟ کیا یہ وہی شنکر تھا جو تم لوگوں کے تمام تر مصائب اور پریشانیوں کا ذمہ دار ہے؟"

"سو فیصدی وہی تھا۔"

"اوہ! کیوں آیا تھا وہ شیطان؟"

"نزہت کی واپسی کا مطالبہ کرنے۔"

"اس بدمعاش کی اتنی ہمت، میرا خیال ہے کہ تم نے اُسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اور سچ پوچھو تو یہ بڑی اچھی بات ہے، میں بھی دیکھوں گا کہ وہ کتنا بڑا ابلیس پرست اور جادوگر ہے۔"

مگر جب شام کو سوا چھ بجے کے قریب پروفیسر صاحب کو شنکر کی دھمکی کے بارے میں علم ہوا تو اُن کی آنکھوں میں فکر و پریشانی کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

رات سے کچھ دیر پہلے پروفیسر صاحب سلیم کی خوابگاہ میں چاک کی مدد سے ایک بہت بڑا مربع نقش بنانے میں مصروف تھے، طے پایا تھا کہ پانچوں افراد اسی کمرے میں رات بسر کریں گے چنانچہ خوابگاہ کا سارا سامان کمرے سے نکلوا دیا گیا تھا اور خود پروفیسر صاحب نے اپنے سامنے خوابگاہ کا فرش دھلوانے کے بعد اس کی صفائی اس طرح کرائی تھی کہ وہاں میل کچیل کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی موجود نہیں تھا۔ سلیم کو اگرچہ یہ حفاظتی انتظامات کچھ پسند نہیں آئے تھے، تاہم وہ ایک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتا رہا تھا، ان دونوں میں یہ بات سرِشام ہی طے ہو گئی تھی کہ سلیم اُن کی ہدایت کی کوئی معمولی سی بھی خلاف ورزی نہیں کریگا۔

نقش مکمل کرنے کے بعد جعفری صاحب نے اُس کے گرد دو بڑے بڑے دائرے کھینچے اور شام کو اپنے ساتھ لانے والے سامان میں سے مٹی کے چار چراغ نکال کر انہیں خوشبودار تیل سے روشن کیا اُسکے بعد زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے بیرونی دائرے کے گرد سات چکر لگائے اور پھر کھڑکیاں، اور روشن دان بند کروانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

کھانے پینے، اور اوڑھنے بچھانے کا ضروری سامان پہلے سے ہی کمرے میں آچکا تھا، اپنے عملیات کے کام سے فارغ ہو کر وہ دوسروں کے ساتھ مل کر اُسے دائروں کے حصار میں رکھنے لگے۔ اور پھر کچھ دیر بعد ہی ایک اتنا بڑا نرم اور آرامدہ بستر تیار ہو چکا تھا کہ جس پر ہم سب کے سب اطمینان سے دراز ہو سکتے تھے، بستر کے قریب ہی حصار کے اندر پانی سے بھری ہوئی بوتلیں اور لذیذ اور عمدہ بسکٹوں کے پیکٹ موجود تھے۔ اور یہ سارا سامان محض اسلئے اکٹھا کیا گیا تھا کہ کسی بھی فرد کو کسی بھی ضرورت کے تحت حصار سے باہر نہ نکلنا پڑے پروفیسر صاحب نے بالکل صاف اور واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ حصار کے اندر دُنیا کی بڑی سے بڑی شیطانی قوت بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکیگی لیکن اگر ان میں سے کسی نے حصار سے باہر قدم رکھنے کی حماقت کی تو پھر اپنی موت کی ذمہ داری خود اُسی پر عاید ہو گی۔

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی سب لوگ اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے، ہر چہرہ متفکر اور پریشان تھا اور اگرچہ پروفیسر صاحب کے حفاظتی انتظامات سے سبھی کو تھوڑی بہت ڈھارس بندھی تھی مگر اسکے باوجود ہر دل پر ایک ہول سا طاری تھا اور ہر فرد کی آنکھوں میں خوف اور گھبراہٹ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں، خاص طور پر نزہت کا حال سب سے زیادہ ابتر تھا وہ پورے دو گھنٹوں تک شنکر کی صحبت میں رہی تھی۔ اور اُسے ہم سب سے بہتر طور پر جانتی تھی، چنانچہ اُسے پختہ یقین تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو، ابلیس پرست اپنی دھمکی پر عمل کرنے سے باز نہیں آئے گا۔

سب سے زیادہ بہتر حالت سلیم کی تھی مگر اس لئے نہیں کہ وہ ہم سب سے زیادہ بہادر تھا بلکہ اسلئے کہ اس کا واسطہ اب تک اس عفریت سے نہیں پڑا تھا

جسے ہم لوگ شنکر کی حیثیت سے جانتے تھے۔

جوں جوں وقت گزرتا رہا۔ توں توں دلوں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی رہیں۔ باہر سے کسی معمولی کھٹکے کی آواز سن کر بھی حصار میں موجود لوگ اس طرح اچھل پڑتے تھے جیسے اُن سے بالکل قریب ہی کسی بم کا دھماکہ ہوا ہو۔

گیارہ بج گئے، پروفیسر نے لوگوں کے چہروں پر اُڑتی ہوئی ہوائیاں دیکھ کر کہا۔ "آپ لوگ خواہ مخواہ اس قدر پریشان اور بدحواس ہو رہے ہیں۔ میں ایک مرتبہ پھر یقین دلاتا ہوں کہ اس حصار میں داخل ہو کر دُنیا کی کوئی شیطانی قوت آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"

"اوہ!" سلیم دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "آپ ہماری طرف سے ذرا بھی پریشان نہ ہوں مگر کیا آپ میرے اس سوال کا جواب دیں گے کہ شنکر اپنی مقصد برآری کیلئے خاص طور پر نزہت ہی کو کیوں استعمال کرنے پر تلا ہوا ہے؟"

"صرف اس لئے کہ شیطان کی پرستش کیلئے وہ بہترین وقت ہوتا ہے جب زحل بُرج عقرب میں قیام پذیر ہو، ایسے موقع پر اگر اسکے حضور کسی ایسے فرد کی قربانی پیش کی جائے جو خود بھی اسی ساعت کی پیدائش ہو تو شیطان بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور اپنے پجاریوں کی بڑی سے بڑی خواہش پوری کرنے سے نہیں ہچکچاتا چنانچہ اس ابلیس پرست نے قربانی کے بکرے کے طور پر نزہت کو محض اسی لئے منتخب کیا ہے کیونکہ اُس کی ولادت ٹھیک اسی وقت ہوئی تھی، جب زحل بُرج عقرب کا مہمان تھا، مجھے یقین ہے کہ پرسوں شب وہ سفید مرغ اور سیاہ مُرغی کی قربانی دینے کے بعد نزہت بے چاری کو بھی شیطان کے حضور میں پیش کر دیتا۔ اگر میری بروقت مداخلت اس کے سارے منصوبے کو تباہ نہ کر دیتی۔"

"اوہ!" نرگس کے ہونٹوں سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔ "آپ اُسے ابلیس پرست کہتے ہیں جبکہ مجھے تو وہ بذاتِ خود ہی بہت بڑا شیطان نظر آتا ہے، بھلا اُسکے شیطان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، جو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے انسانی جانوں کی قربانی پیش کرتا ہو۔"

پھر اس سے پہلے کہ نرگس کے جواب میں کوئی کچھ بولتا کمرے کی تیز روشنیاں بس اچانک ہی بڑی بُری طرح جھلملائی تھیں اور روشن قمقموں کے فلیمنٹس دہکتے ہوئے باریک تاروں کی طرح سُرخ نظر آنے لگے تھے۔

یہ حملہ کچھ اس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ سلیم سمیت سارے ہی لوگ بدحواسی کے عالم میں اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ کمرے میں اب صرف چراغوں کی کپکپاتی ہوئی روشنی رہ گئی تھی اور اس روشنی میں لرزتے ہوئے انسانی سائے ماحول کو کچھ زیادہ ہی پُراسرار اور ہولناک بنا رہے تھے۔

اچانک پروفیسر صاحب نے مٹی کے دانوں کی بنی ہوئی چار تسبیحیں میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے ایک تم اپنے گلے میں ڈال لو۔ دوسری نزہت کو دیدو، اور بقایا دو تسبیحیں سلیم اور نرگس میں تقسیم کر دو۔"

مجھ میں کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی، چنانچہ خاموشی کے ساتھ وہی کیا، جو جعفری صاحب چاہتے تھے۔ عام حالات میں کم از کم سلیم اس مٹی کی تسبیح کو اپنے گلے میں ڈالنے پر رضامند نہ ہوتا۔ لیکن خوفناک تاریکی نے اس کی روشن خیالی کو بھی کہیں دفن کر دیا تھا۔

پروفیسر جعفری جلدی جلدی کوئی دُعا زیرِ لب پڑھ رہے تھے۔

نزہت کے جسم پر خفیف سی لرزش طاری تھی اور مجھے یقین ہے کہ نرگس کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہوگی۔

یکایک بدبو کا ایک تیز جھونکا نتھنوں کی راہ سے دماغ میں اُترتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں اچانک سردی بڑھ گئی ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی مجھے اڑتالیس گھنٹے پہلے کی وہ خوفناک رات یاد آ گئی جسکا ایک حصہ انتہائی بھیانک اور ہولناک واقعات دیکھتے ہوئے نزہت کی لائبریری میں گزارنا پڑا تھا۔

" رفتہ رفتہ سردی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا اور میں نے نرگس کی آواز سُنی۔ "اُف کس قدر سردی ہے۔ خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

"گھبراؤ مت!" میں نے اُسے تسلی دی۔ "جسم پر کمبل ڈال لو۔"

"کمبل اوڑھے ہوئے ہوں۔"

" ظاہر ہے اس کی اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ خاموش ہو گیا۔ سب ہی خاموش تھے اور سب ہی کے ذہنوں پر ایک انجانا سا خوف طاری ہو گیا تھا۔

خوف، سڑاند اور ٹھنڈک نے غالباً سب کو ہی گھیر کر رکھ دیا تھا وہ خاموشی بھی یقیناً سب کو کھل رہی ہوگی، ہولناک اور بھیانک خاموشی ... جسے صرف پروفیسر کے دُعائیہ الفاظ قطع کر رہے تھے ...!

خوفناک سناٹے میں اُن کی ہر لحظہ بلند ہوتی ہوئی آواز سے سب کی کچھ ڈھارس بندھ رہی تھی۔

یکایک تیز روشنی کے سارے بلب ایک مرتبہ پھر پوری طرح منور ہو گئے، مگر اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ ہلکی سی تاریکی میں ڈوب چکے تھے۔ صرف دہکتے ہوئے فلیمنٹس نظر آ رہے تھے یا پھر جلتے ہوئے چراغوں کی مرتعش روشنی تھی۔

"یہ.... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" میں نے دوبارہ نرگس کی خوفزدہ آواز سُنی۔

"کچھ نہیں۔" سلیم نے جواب دیا۔ "بجلی کی سپلائی کا سلسلہ منقطع ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"مم... مگر یہ زبردست تعفن اور ہڈیوں میں اُترتی ہوئی سردی؟"

"یہ بھی کچھ نہیں ہے.... دراصل خوف نے تمہارے اعصاب کو متاثر کیا ہے اور کوئی بات نہیں۔" سلیم نے اپنی خوفزدہ بیوی کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اچانک ہماری نظریں حصار کے باہر، دیوار کے قریب بل کھاتے ہوئے دھوئیں پر پڑیں اور کمرہ ایک تیز انسانی چیخ سے گونج اُٹھا، یہ نرگس ہی تھی، فرش سے بلند ہوتے ہوئے دھوئیں نے جیسے بُری طرح حواس باختہ کر دیا تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میرے برابر سے پروفیسر جعفری نے کہا۔ "یہ سب فریبِ نظر ہے اور اس سے کسی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔"

دفعتاً چکراتے ہوئے دھوئیں میں سے ایک انتہائی روح فرسا اور غیر انسانی قہقہے کی آواز بلند ہوئی۔ اور میرا سارا جسم خوف کی ایک تیز جھرجھری لے کر رہ گیا اور ایک مجھ پر ہی کیا منحصر، میرا دعویٰ ہے کہ کمرے میں موجود سارے افراد خوفزدہ ہوئے بغیر نہیں رہے تھے، البتہ پروفیسر جعفری ضرور ابھی تک پُرجوش انداز میں کوئی مقدس دُعا پڑھ رہے تھے۔

کمرے کے برقی قمقمے ایک مرتبہ پھر روشن ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُنہیں دوبارہ تاریکی نے نگل لیا۔ اور اب تو اُنکے فلیمنٹس بھی سرخ نظر نہیں آ رہے تھے۔

دیوار کے قریب چکراتا ہوا دھواں اب معدوم ہو چکا تھا۔ مگر فرش پر ایک عجیب سی گول مٹول شے نظر آ رہی تھی، توے کی طرح گول اور سیاہ، اس کے گول مٹول جسم پر چہرہ، نام کی کسی چیز کا نام و نشان نہیں تھا، نہ آنکھیں تھیں، نہ ناک اور نہ مُنہ! ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے سیاہ گوشت کا ایک بہت بڑا اور جاندار لوتھڑا ہو۔ جاندار کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ بار بار پھول اور پچک رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیاہ اور بدبودار جسم پھیلاؤ اختیار کرنے لگا پہلے وہ کسی توے کے برابر تھا، مگر اب محض چند منٹ کے اندر اندر اُس نے پہلے سے چار گنی جگہ گھیر لی تھی۔ اس کے پھیلاؤ کے ساتھ کمرے میں پھیلی ہوئی سڑاند میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اور لوگ اُبکائیاں لے رہے تھے۔

چند لمحے گزر گئے، سیاہ رنگ کی بدبودار شے کا حجم اب دوبارہ کم ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ صرف دھات کے روپے کی طرح مختصر نظر آنے لگا، پھر جو اچانک پھیلا ہے تو ایسا ہی لگا تھا جیسے حصار کے اندر تک چلا آئے گا۔ نرگس اور زہت چیخوں کی تیز آوازوں کے ساتھ ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہو گئیں، پھر شدید خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں شاید وہ حصار سے باہر ہی نکل جاتیں مگر عین وقت پر میں نے زہت کو اور سلیم نے نرگس کو سنبھال لیا، اور اس طرح وہ موت کی آغوش میں جانے سے صرف بال بال بچ گئیں حصار سے نکلنے کے بعد خدا جانے اُن کا کیا حشر ہوتا اور نہ جانے کیسی بھیانک اور ہولناک موت اُنہیں نصیب ہوتی۔

"اِنہیں مضبوطی کے ساتھ پکڑا کر رکھو۔" پروفیسر صاحب نے بلند آواز میں کہا۔ اور بڑے رقّت آمیز انداز میں کسی سورۃ کی تلاوت کرنے لگے۔

فرش پر پھولتی پچکتی بلا نے اپنے نظر نہ آنے والے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ بلند کیا۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے تیزی کے ساتھ سمٹنے لگی... کچھ مختصر... کچھ اور مختصر... اور پھر چند لمحوں کے اندر اندر اس کا وجود معدوم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی برقی قمقمے ایک مرتبہ پھر روشن ہو گئے تھے اور اسی لمحے سردی میں کمی کا بھی احساس ہوا تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔" پروفیسر جعفری کے ہونٹوں سے نکلا۔ لیکن ابھی وہ اطمینان کا طویل سانس بھی ٹھیک سے نہیں لے پائے تھے، کہ بلب ایک مرتبہ پھر تاریک ہو گئے اور کمرہ کسی گھوڑے کی ہنہناہٹ کی

یادیں

یادیں لافانی ہوتی ہیں۔ یہ تلخ، ترش اور شیریں ہو سکتی ہیں، لیکن اُن سے جتنا زیادہ دامن بچائیں، اتنا ہی سامنے آتی ہیں بعض اوقات اِنسان کسی یاد سے پہلو بچانا چاہتا ہے لیکن یہ یادیں مختلف لبادے اوڑھ کر آموجود ہوتی ہیں اور انسان کے ذہن کے گوشے بے نقاب ہوتے چلے جاتے ہیں، مختلف مناظر سامنے آ جاتے ہیں۔ بعض یادیں اِنسان پر اُٹھتے بیٹھتے سوار ہو جاتی ہیں اور اُس کو خیالستان کی اس وادی میں لے جاتی ہیں، جہاں مسرت اور اُداسی ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ قربت و انبساط اور تفکر و اُداسی کی بھول بھلیوں میں ذہن چکر لگاتا رہتا ہے، یادیں کس قدر سُہانی ہوتی ہیں، کس قدر تلخ ہوتی ہیں۔

مرسلہ: محمد طاہر، راولپنڈی

وحشیانہ اور خوفناک آواز سے لرز اٹھا۔

اور پھر جو سامنے کی طرف نظریں اٹھیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ کمرے میں چکراتے ہوئے غبار کے ذرات بڑی تیزی کے ساتھ ایک ہیولے میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے خلا میں ایک لحیم شحیم گھوڑے کا سر اور چہرہ نظر آنے لگا، اس کے دونوں کان سختی کے ساتھ تنے ہوئے تھے منہ میں لگام تھی، تھوتھنی کا رخ کچھ ایسے انداز میں جھکا ہوا تھا جیسے سرکشی کیلئے آمادہ ہو۔ اور آنکھیں انتہائی بھیانک اور شعلہ بار انداز میں ہمیں گھور رہی تھیں، ان آنکھوں میں قہر و غضب تھا، نفرت تھی۔ اور وہ سب کچھ موجود تھا جو کسی بہادر ترین نوجوان کے بھی رونگٹے کھڑے کر دینے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔

اور اب میرے سامنے اس کے قد آور جسم کے نقوش تشکیل پا رہے تھے، محض چند لمحوں کے اندر اندر اس کا جسم مکمل ہو گیا اس کی لگام بدستور سختی کے ساتھ کھنچی ہوئی تھی۔ اور رکابیں اس طرح تنی ہوئی نظر آ رہی تھیں جیسے کسی طاقتور سوار کی ٹانگوں میں پھنسی ہوئی ہوں۔ اور پھر محض چند سیکنڈ بعد ہی سوار کا خاکہ بھی تیار ہونے لگا۔ وہ یقیناً کوئی بے حد مضبوط اور طاقتور آدمی تھا۔ مگر۔۔۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ اس کی گردن پر سر نام کی کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ جی ہاں، وہ بے سر کا سوار تھا۔

عورتوں کے حلق سے دوبارہ تیز اور دہشتناک چیخیں بلند ہوئیں اور میرے قریب بیٹھی ہوئی نزہت کا جسم اس طرح کپکپانے لگا، جیسے درختوں کی کمزور ٹہنیاں ہوا کے جھونکوں سے ہلنے لگتی ہیں۔ سردی میں اب پھر اضافہ ہونے لگا تھا اور کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے شریانوں میں بہتا ہوا خون برف کی طرح منجمد ہو جائے گا۔

یکایک سیاہ رنگ کے خوفناک اور قد آور گھوڑے کے منہ سے ہنہناہٹ کی دوسری ہولناک اور وحشیانہ آواز بلند ہوئی اور وہ اپنی دونوں پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا، تیور صاف ظاہر کر رہے تھے کہ ایک ہی چھلانگ میں حصار میں بیٹھے ہوئے افراد کے سروں پر پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اچانک سوار کا دایاں ہاتھ تیزی کے ساتھ فضا میں بلند ہوا کانوں میں چابک کی "شڑاپ" کی آواز سنائی دی اور جلتے ہوئے چراغ دفعتاً بہت بری طرح بھڑک اٹھے، اس کے ساتھ ہی ہنہناہٹ کی خوفناک اور پرشور آواز تیسری مرتبہ بلند ہوئی... اور حصار میں بیٹھے ہوئے سب لوگ یکبارگی خوف اور بوکھلاہٹ کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔۔۔ نزہت اور نرگس نے سٹرپائی انداز میں چیختے ہوئے ایک بار پھر حصار سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی، میں سلیم اور پروفیسر جعفری تیزی کے ساتھ انہیں سنبھالنے کے لئے آگے بڑھے اور پھر نہ جانے کس کی ٹھوکر حصار کے دائروں پر جلتے ہوئے چراغوں میں سے ایک چراغ پر پڑی اور وہ اگلے ہی لمحے فرش پر الٹ گیا، چراغ کا الٹنا تھا کہ فرش پر پھیلا ہوا خوشبودار تیل تیزی سے آگے بڑھا اور پھر پلک جھپکنے سے بھی کم عرصے میں وحشی اور خونخوار گھوڑے کا ایک سم اس میں بھیگ چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں انتہائی خوفناک، اور روح کو لرزا دینے والی جہنمی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔

اور پھر چند لمحے بعد ہی جب برقی قمقمے ایک مرتبہ پھر روشن ہوئے تو دونوں عورتیں شدت خوف سے بے ہوش ہو چکی تھیں اور کمرے میں نہ اس شیطانی گھوڑے کا پتہ تھا اور نہ اسکے سر بریدہ سوار کا!

✻ ✻ ✻

پھر رات کا بقایا حصہ سکون اور اطمینان کے ساتھ بسر ہوا تھا۔ صبح ہونے پر سب نے خدا کا شکر ادا کیا اور پروفیسر ناشتے کے چکر میں پڑے بغیر ہی اپنے بزرگ دوست سے ملنے روانہ ہو گئے لیکن جب چند گھنٹے بعد ہی واپس آئے تو چہرے پر لہراتے ہوئے فکر و تشویش کے سائے معدوم ہو چکے تھے اور آنکھوں سے گہرے اطمینان اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی وہ خوش ہو کر بولے ۔۔۔ "لو دوستو! حسن کم جہاں پاک۔ نیکی اور بدی، اور حق و باطل کی اس جنگ میں بہرحال حق کو ہی کامیابی نصیب ہوئی ۔۔۔ دراصل چراغوں میں جلتے ہوئے خوشبودار تیل پر شاہ صاحب نے مقدس سورتیں اور دعائیں پڑھ کر دم کر دی تھیں چنانچہ شنکر اس کے جسم سے مس ہوتے ہی ان دیکھی آگ کے شعلوں میں گرفتار ہو گیا۔۔۔"

"شنکر!!" بیک وقت کئی آوازیں ابھریں۔

"ہاں دوستو! وہ شنکر ہی تھا شیطانی گھوڑے کے روپ میں۔ میں اپنی آنکھوں سے اس کی جلی ہوئی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

"مم.... مگر۔۔" میں نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن حیرت کی زیادتی نے زبان گنگ کر دی اور الفاظ لوہے کے گولوں کی طرح حلق میں اٹک کر رہ گئے۔۔۔ !!

(مرکزی خیال ماخوذ)

"اگر حکومتوں کا یہ فرض ہو کہ آپ کی پسند کی ہر چیز مہیا کریں تو انہیں یہ بھی حق ہو گا کہ اپنی پسند کی ہر چیز آپ سے چھین لے۔"

۔ فرانسیسی کہاوت ۔

مجھے یقین ہے کہ شروع میں ہم تینوں میں سے کسی کے ذہن میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ ہم سچ مچ کسی بینک پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ چارلس ایسٹلے کو طرح طرح کی ذہنی گتھیاں سُلجھانا بہت پسند تھا اور یہ مسئلہ بھی اسی طرح شروع ہوا تھا۔ ہیریسن اور میں صرف اس لئے ہوں ہاں کرتے رہتے تھے کہ ہمیں چارلس کو ایسے پیچیدہ معمّے حل کرتے دیکھ کر بڑا مزہ آتا تھا۔ یہ تو جب ہمیں احساس ہوا کہ جو پلان بن کر سامنے آیا ہے وہ کتنا مضبوط۔ غلطیوں سے مبرّا اور قابلِ عمل ہے تب ہمارے ذہنوں نے بہکنا شروع کیا اور معاملہ قابو سے باہر ہونے لگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جرائم کی تاریخ میں ہم وہ پہلے کالج کے طالبعلم تھے جنھوں نے ایک بینک کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس پر عمل بھی کر بیٹھے۔

میری اور ہیریسن کی عادت تھی کہ ہم اپنے کلاس کا ہوم ورک چارلس کے گھر جا کر کیا کرتے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمیں اس سے بہت مدد ملا کرتی تھی۔ خود چارلس کو ہمارے ساتھ پڑھنے کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔ اس کا ذہن اتنا اچھا تھا کہ زیادہ محنت کئے اور کتابوں کو رٹے بغیر ہی اوّل پوزیشن سے پاس ہوتا رہتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ ہم اپنا ہوم ورک ختم کرنے کے بعد بیٹھے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے معلوم نہیں کس طرح ہماری گفتگو مجرمانہ ذہن کے موضوع کی جانب گھوم گئی۔ چارلس اس سلسلے میں بڑی قابلیت اور علمیت سے بحث کر رہا تھا اور ہم حسبِ دستور صرف اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے یا کبھی کبھی کوئی تعریفی فقرہ کہتے جا رہے تھے۔

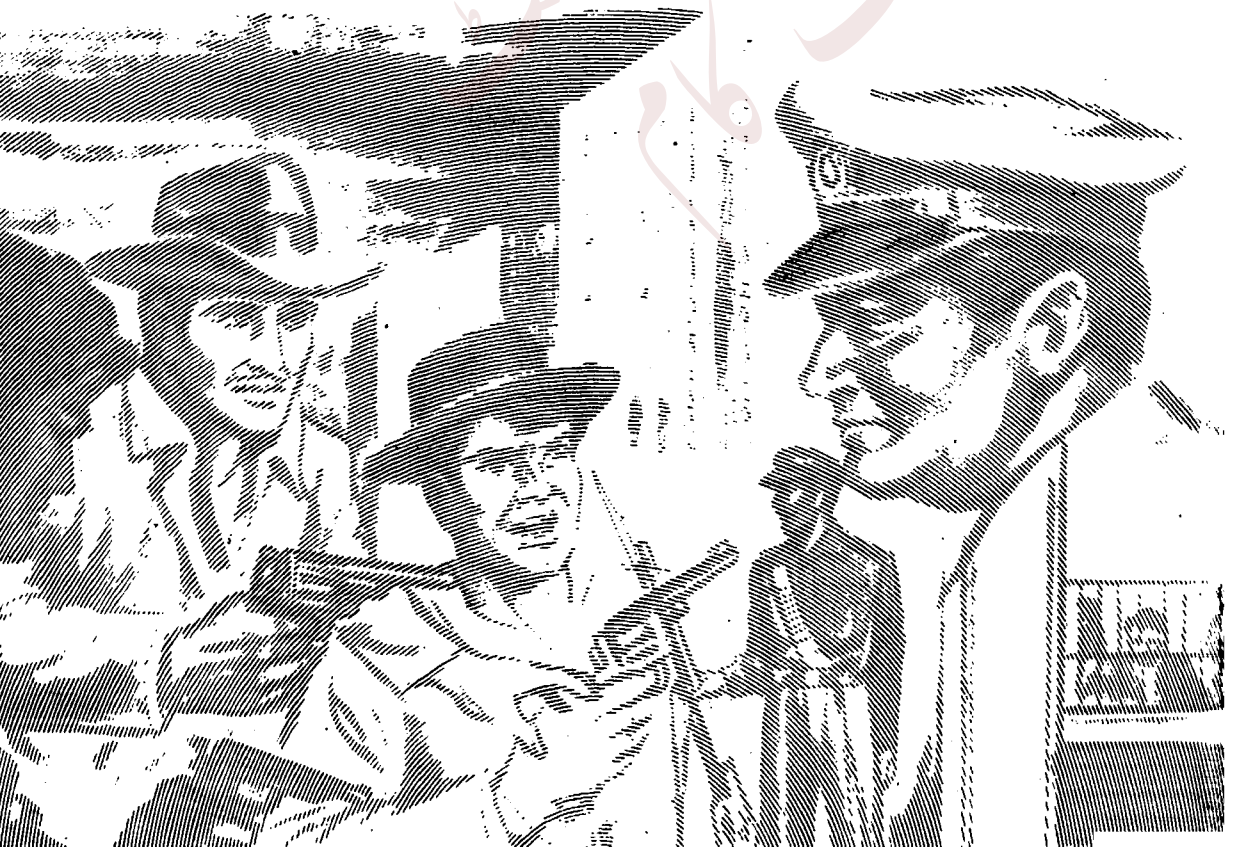

"ہماری سوسائٹی میں کامیاب مجرم بہت ہی کم ہیں۔"
چارلس کہہ رہا تھا "جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگ کسی مادّی فائدے کے لئے جُرم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور جو احمق یہ نیت لیکر کسی جُرم پر آمادہ ہوتا ہے اس میں وہ ذہانت اور سمجھداری اور سوجھ بوجھ نہیں ہو سکتی جو کامیاب جُرم کرنے کے لئے ضروری ہے"۔ چارلس کہہ رہا تھا "مثال کے طور پر وہ ذہنی قوت جو کسی بینک کو نہایت ہوشیاری اور کامیابی سے لوٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اپنی اس خوبی سے کسی جائز میدان میں بھی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ ذہین لوگوں کو کبھی قانون شکنی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی وہ دولت مند بن سکتے ہیں۔"

"ولی سوٹن نے کئی بینکوں پر بڑی کامیابی سے ڈاکہ مارا ہے"۔ میں نے تبصرہ کیا۔

"تم اسے کامیابی کہتے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ تمہاری زندگی جیل کی تنگ کوٹھری میں ختم ہو جائے"۔ چارلس نے جیسے میری سادہ لوحی پر مسکراتے ہوئے کہا "اگر مجھے غلط یاد نہیں آ رہا تو ولی سوٹن آجکل کسی جیل میں ایک سو پینتیس سال کی مجموعی سزا کاٹ رہا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بینکوں کو لوٹنے کے اس کے منصوبوں میں کہیں کہیں ذہانت کی جھلک ملتی ہے۔ مگر وہ خود اس کام سے آگے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کامیاب ڈاکے کے بعد بھی وہ ہمیشہ ایک مفرور مجرم کی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کا نام سب جانتے ہیں۔ اُس کا حلیہ نشر کر دیا جاتا ہے ..... تھانوں اور ڈاک خانوں میں اُس کی تصویریں لٹکا دی جاتی ہیں جبکہ اس کے برعکس ایک واقعی ہوشیار قسم کا بینک لوٹنے والا اپنا پلان اس طرح تیار کرے گا کہ ڈاکے کے بعد بھی کوئی اس پر ڈاکو ہونے کا شبہ نہ کر سکے۔ میں ایک بینک کو لوٹ سکتا ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ اس کے بعد ایک قدم بھی بھاگنے کی نیت سے نہیں اُٹھاؤں گا۔"

"مگر تم کسی بینک کو لوٹو گے ہی کیوں"۔ ہیریسن بولا "ان میں سے اکثر بینک ایسے ہیں جن میں نصف سے زیادہ روپیہ بہرحال تمہاری ملکیت ہے۔"

"قابلِ غور نکتہ تو یہ ہی ہے"۔ چارلس نے جواب دیا "کامیاب مُجرم وہ ہی ثابت ہوگا جسے خود روپیہ کی حاجت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اتنا ذہین ہوگا کہ جائز قانونی ذرائع سے بھی دولت کما سکے۔ چنانچہ اس کا جُرم میں دلچسپی لینے کا مقصد مالی فائدے کے علاوہ کچھ اور ہوگا۔"

"میں نے اگر کبھی کوئی بینک لوٹا تو وہ صرف دولت حاصل کرنے کے لئے ہوگا"۔ میں نے کہا "کیونکہ میرا باپ کوئی کروڑ پتی نہیں ہے۔"

"میرے باپ کا بھی یہی حال ہے"۔ ہیریسن بولا اور چارلس کی طرف دیکھا "اگر تمہیں ضرورت نہیں ہے تو تمہارا حصّہ بھی میں ہی لونگا"

اپنی امارت کو اپنی ذہانت کا ثمرہ سمجھنے میں چارلس ایشلے کسی نہ کسی حد تک احساس برتری کا شکار تھا کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ اُس نے اپنی زندگی میں خود ذاتی طور پر کبھی ایک دمڑی بھی نہیں کمائی تھی۔ اُس کا باپ ملک کے مالدار ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا اور تیل کے کئی کنوؤں کا مالک تھا۔ جہاں تک چارلس کے بینک اکاؤنٹ کا تعلق تھا تو وہ بھی زیادہ تر ان کاروباری سودوں سے حاصل ہوا تھا جن میں اُس نے اپنے باپ کی زیرِ ہدایت سرمایہ لگایا تھا بلاشبہ یہ بات بھی اپنی جگہ ممکن تھی کہ اگر وہ میری طرح غریب ہوتا تب بھی اپنی ذہانت ہوشیاری اور عقلمندی سے دولتمند بن سکتا تھا لیکن یہ بہرحال ممکن نہیں تھا کہ وہ صرف اکیس سال کی عمر میں کروڑوں کی وہ دولت کما لیتا جو کہ ایک مالدار باپ کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اسے حاصل تھی۔

ہم سب اپنے کالج کے سینئر طالبعلم تھے اور بچپن سے ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ویسے ہماری دوستی اجتماعِ ضدّین کا بہترین نمونہ تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ تضاد ہی تھا جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بنا تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم میں سے ہر ایک میں کوئی ایسی بات مفقود تھی جو اُسے باقی دونوں میں نظر آتی تھی اور پسند بھی تھی۔ چارلس خوبصورت، ذہین اور پیدائشی لیڈر تھا۔ وہ اپنے کلاس کا صدر تھا اور کالج کی مباحثہ ٹیم کا کپتان بھی۔ پھر اُس کی تعلیمی استعداد اتنی بہتر اور نمایاں تھی کہ مجھے یقین تھا کہ اس سال کالج کی الوداعی پارٹی کا صدر بھی اسی کو بنایا جائے گا لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ایک بات بڑی عجیب تھی اور وہ یہ کہ چارلس لڑکیوں سے بہت شرماتا تھا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ جسمانی طور پر کچھ کمزور تھا۔

ہیریسن کا قد و قامت جتنا بڑا تھا اس کا دماغ اتنا ہی چھوٹا تھا وہ بہت سُست اور اتنا کُند ذہن تھا کہ ہر وقت کتابوں کا کیڑا بنے رہنے کے باوجود ہمیشہ سی گریڈ میں پاس ہوتا تھا۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا جسمانی طور پر وہ اتنا ہی تنومند اور خوبصورت جسم کا مالک تھا جتنا چارلس ذہنی طور پر۔ اور یہ ہی وہ بات تھی جو اس کی اور چارلس

کی دوستی کی بنیاد تھی۔ ہیریسن ہر قسم کے کسرتی کھیلوں میں ماہر اور کالج کا ہیوی ویٹ باکسنگ اور ریسلنگ چیمپئن تھا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا نام ہاری ورتھ ہے اور میں ہر اعتبار سے ایک اوسط درجہ کا نوجوان ہوں۔ تھوڑی بہت محنت کر کے بی کلاس نمبر لے لیا کرتا تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں چارلس میری طرف جس وجہ سے راغب ہوا تھا وہ یہ تھی کہ لڑکیوں سے میرے تعلقات خاصے اچھے رہتے تھے اور وہ مجھے بڑا لڑکی مار قسم کا نوجوان خیال کرتا تھا۔ (حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں تھی) دوسری ایک وجہ اور بھی تھی۔ مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس مصروفیت کی وجہ سے اگرچہ میں کالج کے کھیلوں اور ایتھلیٹک سرگرمیوں میں تو حصّہ نہیں لے سکتا تھا مگر مجھے نشانہ بازی کا بہت شوق تھا اور میں لڑکوں کی رائفل ٹیم کا ممبر بھی تھا۔ نشانہ بازی کے لئے جو رائفلیں ہم استعمال کرتے تھے وہ بائیس بور کی ہوتی تھیں اور میں پچاس گز کے فاصلے سے بڑی کامیابی سے نشانہ مار لیا کرتا تھا۔

ہم تینوں میں سب سے بڑا فرق ہماری مالی حیثیت کا تھا چارلس کے پاس ایک بہت شاندار اور قیمتی کار تھی اور وہ سانٹا مونیکا میں چار کمروں والے بہترین فلیٹ میں رہتا تھا۔ ہیریسن کے والدین اتنی استطاعت تو رکھتے تھے کہ اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کر سکیں مگر وہ دولت مند نہیں تھے چنانچہ وہ ایک پانچ سال پرانی کار کا مالک تھا اور لڑکوں کے ہوسٹل میں رہتا تھا۔ میں ان دونوں سے گیا گزرا تھا۔ چنانچہ شہر سے کافی دُور ایک غریب علاقے میں چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے رکھا تھا اور اپنے اخراجات ملازمت کر کے پورے کیا کرتا تھا میرے پاس سن انیس سو پچاس کی ایک سیکنڈ ہینڈ کار تھی جسے میں نے سو ڈالر میں خریدا تھا

بہرحال کچھ بھی سہی ہم تینوں گہرے دوست تھے۔ چارلس نے کبھی اپنی دولتمندی کا رعب نہیں جھاڑا تھا اور نہ ہم میں سے کسی نے اُس کی امارت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تھی۔ بیشک ہم اُس کی قیمتی شرابیں خوب پیا کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ہم تینوں کے ملنے اور اکھٹے ہونے کے لئے اس کے فلیٹ سے زیادہ مناسب جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی اور چارلس نے ہمیں سختی سے کہہ رکھا تھا کہ ہم اُس کے فلیٹ آتے ہوئے اپنی جیب سے کوئی کھانے پینے کی چیز خرید کر نہ لائیں۔ اتّفاق سے اگر ہم تینوں کو کہیں باہر جانا پڑتا تو ہم نے طے کر رکھا تھا کہ ایسے مواقع پر باری باری سب خرچ اٹھایا کریں گے۔ البتّہ اس میں چارلس اتنا ضرور خیال رکھتا تھا کہ جب باری ہم میں سے کسی ایک کی ہو تو وہ اپنی شاہ خرچیوں کو ایسے دائرۂ اعتدال میں رکھے جو ہماری جیب کی قوت برداشت سے باہر نہ ہو۔

"کسی مجرمانہ منصوبے کی اہم ترین بنیاد یہ یقین دہانی حاصل کرنا ہے کہ جُرم کے بعد کوئی تم پر شک بھی نہ کر سکے۔" چارلس کہہ رہا تھا "بیشک کئی مجرموں نے اس پہلو کی طرف بھی توجّہ کی ہے مگر اُن کا تخیّل زیادہ سے زیادہ انھیں جہاں تک لے جا سکا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ وہ چہرے پر کوئی نقاب وغیرہ پہن لیں لیکن ایک ذہین بینک لوٹنے والے کے لئے ایسا انتظام کرنا لازمی ہے کہ جب ڈاکے کے انکشاف کے بعد اُس کا حُلیہ نشر کیا جائے تو وہ اُس کے اصلی حلیے سے قطعی مختلف بلکہ متضاد ہو اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر اُسے ملک سے بھاگنے، لوگوں سے بچنے اور پہچان لئے جانے کے خوف سے کسی جگہ چھپنے کی ضرورت نہیں پڑے گی وہ اطمینان سے گھر واپس جا کر اپنے روزمرّہ کے معمولات میں مصروف ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس بینک میں بھی بلا کسی خوف و خطرے کے جا سکتا ہے جسے اُس نے لوٹا تھا اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہو گا جس کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر شک و شبہ کے تاثرات اُبھریں۔"

"تم میری سمجھ سے بالاتر باتیں کر رہے ہو۔" ہیریسن نے کہا "آخر وہ یہ کام کیسے کر سکے گا؟"

"بھیس بدل کر۔" چارلس نے جواب دیا "بہت سے مجرم جُرم کرنے کے بعد بھیس بدلنے کی کوشش کرتے ہیں یعنی اس وقت جب انھیں کہیں خود کو چھپانے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن میں نے نہیں سُنا کہ اُن میں سے کوئی ایسا عقلمند بھی ہوا ہو جس نے جُرم کرنے سے پہلے بھیس بدلا ہو۔"

"برنکس کے ڈاکو منہ پر نقاب پہن کر ڈاکے ڈالا کرتے تھے" میں نے بتایا۔

"میرا مطلب ایسے بھیس سے نہیں ہے جسے کوئی اندھا بھی پہچان لے۔" چارلس منہ بناتے ہوئے بولا "وہ کوئی بھیس نہیں کہلاتا جس میں صرف چہرہ چھپانے کی کوشش کی جائے۔ میں اس بھیس کی بات کر رہا ہوں جسے کوئی شناخت نہ کر سکے۔ ایک ماہرانہ میک اَپ کا شاندار نمونہ جو شکل و صورت کو بالکل تبدیل کر دے اور پھر بھی قدرتی معلوم ہو۔ صرف نقلی داڑھی مونچھیں نہیں بلکہ ایسا میک اَپ جیسا ہالی وڈ کی بہترین فلموں میں کیا جاتا ہے۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ ایک ماہر میک اَپ مین کس طرح ایکٹر اور ایکٹرسوں کی صورت بدل دیتا ہے، وہ گالوں کے نیچے رُوئی

یا ربر کے پیڈ رکھتے ہیں تاکہ چہرے کی ہیئت میں فرق آجائے۔ ناک کے ارد گرد گیلی مٹی تھوپ کر اس کی ساخت تبدیل کر دیتے ہیں اور پھر اس پر انسانی کھال کا رنگ پھیر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ نقلی کان بھی بنا دیتے ہیں۔ پیڈنگ کی مدد سے انسان کی جسامت بھی بدل دیتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اتنا بہترین اور اصل کے مطابق میک اپ کرنے کے لئے کسی ماہر فن میک اپ مین کی ضرورت پڑے گی۔"

"واقعی خیال تو بہت اچھا ہے"۔ ہیریسن نے تعریف کی "حیرت ہے کہ اب تک کسی اور کو یہ بات کیوں نہیں سوجھی"۔

"کیونکہ اب تک کسی ذہین آدمی نے بینک لوٹنے کا پلان نہیں بنایا ہے"۔ چارلس نے کہا "اگر کسی کو خیال آیا بھی ہوگا تو اس نے خود ہی میک اپ کرنے کی کوشش میں کام بگاڑ لیا ہوگا جبکہ میں نے اگر کبھی کوئی ایسا منصوبہ بنایا تو بنجمن فاسٹ جیسے کسی ماہر کی خدمات حاصل کروں گا"۔

اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ بنجمن فاسٹ کون ہے کیونکہ بنجمن نے حال ہی میں وکٹر ہیوگو کے ناول پر مبنی فلم "دی ہنچ بیک آف نوٹر ڈیم" میں بہترین میک اپ کرنے پر اکیڈمی ایوارڈ حاصل کیا تھا اس سلسلے میں اسے دوسرے انعام یافتہ فنی ماہرین سے زیادہ پبلسٹی ملی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مذاق کے طور پر صفِ اوّل کے دو اداکاروں پر۔ جو کہ ایوارڈ کے بعد دی جانے والی دعوت میں شریک تھے۔ ایک دوسرے کے چہرے کا میک اپ کر دیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک وہ نظر آرہا تھا جو کہ دوسرا تھا۔ اور اس کام میں اتنی مہارت دکھائی تھی کہ دعوت کے اختتام تک کسی کو اس بات کا شبہ بھی نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ دونوں اداکاروں نے ٹیلیویژن کیمرے کے سامنے اپنا اپنا میک اپ علیحدہ کیا۔

"مگر تم بنجمن فاسٹ جیسے آدمی کو بینک کے ڈاکے میں اپنے ساتھ کیسے شامل کر سکتے ہو"۔ ہیریسن نے اعتراض کیا "ظاہر ہے اسے بھی تمہاری دولت کی پرواہ نہیں ہوگی"۔

"ممکن ہے یہ خیال کہ اس طرح اس کے فن کی آزمائش کی جا رہی ہے اس کی دلچسپی کا سبب بن جائے"۔ چارلس نے مسکراتے ہوئے کہا

پہلی شام کو ہماری گفتگو بس یہیں تک محدود رہی۔ اس کے کئی دن بعد ہم اتوار کی شام کو پھر چارلس کے فلیٹ میں اکٹھے ہوئے۔ ہم بیئر پیتے ہوئے موسیقی سن رہے تھے کہ چارلس نے بڑے سرسری لہجہ میں کہا۔

"اگر کسی شخص کا بینک میں خاصا بڑا اکاؤنٹ ہے تو اسے ایک ایسا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو ولی سوٹن کو حاصل نہیں تھا"۔

میں نے اور ہیریسن نے حیرت سے چارلس کی طرف دیکھا ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے

"تم جانتے ہو کہ میرا اکاؤنٹ کیلیسٹن ٹرسٹ بینک میں ہے"

چارلس نے کہا "جو کہ ولشائر سے آٹھ بلاک آگے واقع ہے"۔

"ہمیں پتہ ہے کہ تم کس بینک میں حساب کتاب رکھتے ہو"۔

میں نے جواب دیا "لیکن اس وقت اس ذکر کی کیا ضرورت تھی"۔

"میں نے جمعہ کی سہ پہر کو وہاں کچھ اور رقم جمع کرائی تھی"۔

چارلس نے ہنستے ہوئے بتایا "اور پھر بعد میں بینک کے پریذیڈنٹ سے باتیں کرنے کے لئے رک گیا۔ اس نے ازراہِ مہربانی مجھے بینک کی پوری عمارت کی سیر کرائی۔ وہ اس بات سے کہ اس کے بڑے اکاؤنٹ ہولڈروں میں سے ایک کو بینک کے معاملات سے دلچسپی ہے اتنا خوش تھا کہ میرے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔ میرا ایک سوال اس بارے میں بھی تھا کہ عام طور پر بینک میں کتنی رقم رکھی جاتی ہے۔ اس نے جو جواب دیا اس سے پتہ چلا کہ سب سے زیادہ رقم جمعہ کو بینک بند ہونے کے وقت ہوتی ہے اور یہ رقم کم و بیش ڈیڑھ لاکھ ڈالر ہوتی ہے جو کہ بینک کے والٹ میں رکھی جاتی ہے"

ہیریسن نے تعجب سے سیٹی بجائی۔

"جمعہ کے دن بینک چھ بجے بند ہو جاتا ہے"۔ چارلس کہہ رہا تھا "مگر والٹ سات بجے تک کھلا رہتا ہے۔ تاکہ ہفتہ اتوار کے لئے بینک بند کرنے سے پہلے رقم وصول اور ادا کرنے والے کلرک اپنا اپنا حساب چیک کر کے نقد رقم جمع کرا دیں۔ تم صرف ایک کاؤنٹر سے گزر کر سیدھے والٹ میں داخل ہو سکتے ہو۔ پریذیڈنٹ نے مجھے بینک کا الارم سسٹم بھی دکھایا کہ وہ کس طرح کام کرتا ہے"۔

میں نے اور ہیریسن نے کوئی جواب نہیں دیا

"میں اپنی دلچسپی کے لئے ایک منصوبہ بنا رہا ہوں" چارلس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا اور پھر کرسی سے اٹھ کر لکھنے کی میز تک گیا جہاں ایک لمبا سا کاغذ رول کی شکل میں مڑا ہوا رکھا تھا۔ جب اس نے وہ کاغذ میز کے اوپر رکھ کر کھولا تو میں اور ہیریسن بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے دیکھنے جا پہنچے۔ یہ کسی عمارت کا نقشہ معلوم ہوتا تھا جسے روشنائی سے بنایا گیا تھا۔

"کیا یہ بینک کا نقشہ ہے"۔ میں نے اور ہیریسن نے ایک ساتھ پوچھا۔

"ہاں"۔ چارلس نے جواب دیا "یہ بیرونی دروازہ ہے جو

ولشائر کے رُخ پر واقع ہے" وہ ایک پنسل کو مختلف مقامات دکھلانے کے لئے استعمال کر رہا تھا یہاں سے وہ پنسل کو کاغذ کے بالکل اوپر لے گیا جہاں ایک اور دروازہ بنایا گیا تھا۔

" اور یہ عقبی دروازہ ہے"۔ وہ بولا "جو عمارت کے عقب میں پارکنگ پلاٹ کی جانب کھلتا ہے بینک کی عمارت میں داخل ہونے یا باہر نکلنے کے صرف یہ ہی دو راستے ہیں"۔

اُس نے پنسل کو کاغذ کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک حرکت دی۔

" یہ لمبی لکیریں کاؤنٹرز ہیں اور یہ اُن کے درمیان گزرنے کا راستہ ہے جس میں تقریباً کمرہ کی اونچائی تک کے لکڑی کے گھومنے والے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ رقم جمع یا ادا کرنے والے کلرک سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھتے ہیں۔ وہ جگہ جہاں اکاؤنٹ کے رجسٹر وغیرہ رہتے ہیں کاؤنٹرز سے کچھ اور آگے بنی ہوئی ہے۔ قرضے کی درخواستیں۔ ادائیگی اور وصولیابی کا کام بائیں طرف کے کاؤنٹرز پر ہوتا ہے۔ پریذیڈنٹ کے علاوہ بینک کے تمام عہدیداران اسی کھلی جگہ میں قرضہ جات کے کاؤنٹر سے کچھ اور آگے کی جانب بیٹھتے ہیں۔ کسی کے لئے کوئی کمرہ یا دفتر نما شئے نہیں بنی ہے صرف سینے تک کی اونچائی کے پارٹیشن لگا کر الگ الگ شعبے بنا دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ بینک کے پریذیڈنٹ کے سوا تمام عملہ بہ یک وقت دیکھا اور نگاہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ پریذیڈنٹ کا پرائیویٹ آفس اس کمرے میں بنایا گیا ہے جو کہ بائیں جانب واقع ہے۔ مگر جمعہ کے دن وہ پانچ بجے تک چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا دفتر بالکل خالی ہوتا ہے"۔

" یہ کیا ہے؟" میں نے ۔۔۔۔ دائیں طرف ایک مربع شکل پر انگلی رکھی۔

" یہ سوئچ بورڈ ہے۔ میں ابھی ایک منٹ میں اس کے متعلق بھی بتاؤں گا"۔ چارلس نے بتایا " بینک میں صرف ایک گارڈ ہوتا ہے۔ جو بینک بند ہونے کے وقت پہلے بیرونی دروازہ مقفل کرتا ہے اور پھر عقبی۔ ڈاکہ بینک بند ہونے کے فوراً بعد ڈالا جائے گا"۔

ہیریسن اور میں دونوں اس بات کو جانتے تھے کہ اس قسم کی باتیں چارلس کے لئے محض ایک ذہنی کاوش کا درجہ رکھتی ہیں جن سے وہ بہت لطف لیتا ہے۔ چنانچہ جب اُس نے یہ کہا کہ ڈاکہ بینک بند ہونے کے فوراً بعد ڈالا جائے گا تو یہ ایک طرح کا اندازِ بیان ہی تھا ورنہ اصل میں اس کی نیت ڈاکہ ڈالنے کی نہیں تھی۔

" اگر دروازے مقفل ہونگے تو پھر ہم اندر کیسے پہنچیں گے"۔ ہیریسن نے سوال کیا۔

" ہم تو پہلے ہی سے اندر پہنچے ہوئے ہیں"۔ چارلس مسکرایا " ہم بند ہونے سے چند منٹ قبل اندر جائیں گے اور اکاؤنٹ جمع کرنے یا کچھ رقم نکالنے وغیرہ کی سلپیں بھرنے میں مصروف ہو جائیں گے۔ ہاری ایک بریف کیس اپنے ساتھ لے جائے گا جس میں نوٹ رکھنے کے لیے خالی تھیلے ہونگے۔ ہیریسن اور میں خالی ہاتھ ہوں گے، عین ممکن ہے کہ اس وقت بینک میں کچھ اور لوگ بھی ہوں جو ابھی پوری طرح اپنے کام سے فارغ نہ ہوئے ہوں۔ جیسے جیسے وہ فرصت پاتے جائیں گے بینک کے عقبی دروازے سے باہر نکلتے جائیں گے۔ گارڈ عقبی دروازے پر کھڑا ہوگا اور ہر شخص کے جانے کے لئے دروازہ کھولے گا اور پھر بند کرے گا۔ ہم اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک آخری شخص بھی بینک سے باہر نہیں چلا جائیگا۔ اور اس کے بعد رقم پر قبضہ کر لیں گے"۔

" مگر کیسے؟" میں نے پوچھا۔

" ہیریسن عقبی دروازے کا رُخ کرے گا۔ گارڈ یہ سمجھے گا کہ وہ

اُن خواتین کیلئے جو اپنے آپکو سمجھنا چاہتی ہیں
اور وہ مرد جو خواتین کو سمجھنا چاہتے ہیں
ان سب کیلئے

عورتوں کی نفسیات

پڑھنا ضروری ہے

عورتوں کی نفسیات کے موضوع پر اب تک اس سے اچھی کتاب نہیں لکھی گئی،

اس کتاب کا دُنیا کی ۱۶ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قیمت ۲۵/- معہ محصول ڈاک

فردوس پبلی کیشن
ناظم آباد کراچی ۱۸

باہر جانا چاہتا ہے چنانچہ دروازہ کھولنے لگے گا جس وقت وہ دروازہ کھولنے میں مصروف ہوگا ہیریسن اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ریوالور نکال لے گا اور اُسے اپنی زد میں لیتے ہوئے غیر مسلح کر دے گا۔ اتفاق سے پورے بینک میں صرف گارڈ ہی کے پاس اسلحہ ہوتا ہے۔ بینک کا عملہ یا افسر نہ اپنے پاس ریوالور رکھتے ہیں اور نہ اُن کی میز کی دراز میں ایسی کوئی شے ہوتی ہے۔ بینک نہیں چاہتا کہ کسی خطرناک موقع پر پولیس کی مدد کرنے کے جوش میں اُس کے ملازم خود گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"جس وقت ہیریسن گارڈ کو سنبھال رہا ہوگا تو اس وقت ہیں اور تم کیا کر رہے ہوں گے؟" میں نے سوال کیا

"میں اس دروازے سے سوئچ بورڈ کی طرف جاؤں گا۔" چارلس اپنی پنسل سے نقشہ میں بتاتے ہوئے بولا "میرے پاس کٹر ہونگے جن کی مدد سے میں سوئچ بورڈ سے نکلنے والے تمام تار کاٹ دوں گا۔ اس طرح عمارت کے اندر ٹیلیفون کا پورا نظام بیکار ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں ریوالور کے بل پر اس حصہ میں موجود بینک کے عملے کو مجبور کر دوں گا کہ وہ سب درمیان میں اکٹھے ہو کر منہ کے بل فرش پر لیٹ جائیں۔ اس درمیان میں دوسرے حصہ میں بیٹھے ہوئے عملے کے ساتھ تم بھی بالکل یہی سلوک کر رہے ہو گے۔ جب یہ کام خاطر خواہ طریقے پر انجام پا جائے گا تو میں اور ہیریسن گارڈ سمیت تمام عملے کو ریوالور کی زد پر لئے رہیں گے اور تم پہلے والٹ میں داخل ہو کر وہاں کی رقم اپنے خالی تھیلوں میں منتقل کر لو گے اور پھر کاؤنٹر کی طرف جا کر ان کے نوٹ بھی تھیلوں میں بھر لو گے۔"

"خطرے کے الارم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" ہیریسن نے پوچھا "جس وقت ہم یہ کارروائی کر رہے ہوں گے تو کیا بینک کا کوئی آدمی ہماری آنکھ بچا کر الارم کا بٹن نہیں دبا دے گا؟"

"کوئی ایک آدمی نہیں بہت سے یہ حرکت کر سکتے ہیں۔" چارلس نے اطمینان سے جواب دیا "مگر وہ لاکھ بٹن دبائیں الارم نہیں بجے گا کیونکہ وہاں بجلی ہی نہیں ہوگی۔"

"اور یہ کام ہم کس طرح کریں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"بینک سے نصف بلاک کے فاصلے پر ٹرانسفارمر لگا ہوا ہے جو اس پورے علاقے کو بجلی مہیا کرتا ہے۔ اُس شام چھ بلاک کے دائرے میں کہیں کرنٹ نہیں ہوگا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم سب کے سامنے اس ٹرانسفارمر کے کھمبے پر چڑھ کر کنکشن کاٹ دیں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔ اس کے لئے ہم تمہاری نشانہ بازی سے فائدہ اٹھائیں گے۔" چارلس نے جواب دیا "ٹرانسفارمر ایک سائڈ اسٹریٹ میں لگا ہے جہاں اُس کے بالکل سامنے ایک گلی واقع ہے۔ چھ بجنے میں پانچ منٹ قبل ہم اس گلی میں پہونچیں گے۔ تم کار سے اُتروگے اور رائفل سے گولی چلا کر تمام تار کاٹ دو گے۔ فاصلہ تیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا اور اس فاصلے سے مجھے یقین ہے کہ تم بہترین نشانہ لگا سکتے ہو۔"

"میں اس فاصلے سے ایک پیپر پن کے سر پر بھی نشانہ لگا سکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا "لیکن فرض کرو کسی نے مجھے یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا تو؟"

"تو کیا ہوگا؟" چارلس نے لاپرواہی سے کہا "جب تک کوئی تمہیں اس شرارت پر سزا دینے یا تمہاری رپورٹ کرنے کا ارادہ کرے گا اس وقت تک تم واپس کار میں آ بیٹھو گے اور ہم اپنا راستہ پکڑیں گے۔ وہاں سے ہم سیدھے بینک جائیں گے۔ پارکنگ پلاٹ پر کار کھڑی کریں گے اور بینک میں داخل ہوں گے۔ ہم اس وقت ایک چرائی ہوئی کار استعمال کر رہے ہوں گے۔ ہماری اپنی کاروں میں سے ایک۔ جو کہ میری نہیں ہونا چاہیئے ورنہ فوراً پہچان لی جائے گی۔ ایک بلاک کے فاصلے پر کسی گلی میں کھڑی ہوگی۔ جب ہم بینک سے روانہ ہونگے تو کار تک سے چابی لے کر عقبی دروازہ باہر سے بند کرتے جائیں گے۔ اس کی دوسری چابی بینک کے کسی افسر کے پاس بھی ہوگی۔ لیکن گھبراہٹ اور پریشانی میں اس کی چابی سے دروازہ کھلتے کھلتے اتنی دیر لگ سکتی ہے کہ ہم اس مدت میں کہیں سے کہیں پہونچ جائیں گے۔ پھر اس سے قبل کہ پولیس کو رپورٹ کی جائے اور ہماری تلاش شروع ہو، چوری شدہ کار کو چھوڑ کر ہم اپنی کار میں اپ آ رہے ہونگے۔ یہ جگہ بینک سے آٹھ بلاک کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ ہمیں یہاں پہنچنے کے لئے چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے اور اس کے بعد ہمارے لئے صرف اپنا میک اپ ختم کرنا باقی رہ جائے گا۔"

نقشے کو غور سے دیکھنے کے بعد ہیریسن نے داد دینے کے انداز میں سر ہلایا "تم نے واقعی بڑا محفوظ پلان بنایا ہے۔" وہ بولا "اگر اس کا سب سے اہم حصہ ممکن ہو سکے تو میں اُس کی آزمائش کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

"اور میں بھی۔" میں نے جلدی سے کہا "پچاس ہزار ڈالر میرے نہ جانے کتنے کام آ سکتے ہیں۔"

"سب سے اہم حصہ ممکن ہو سکے؟" چارلس نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے دہرایا "اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"تمہارے پورے منصوبے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہم نے نہایت ماہرانہ انداز میں میک اَپ کر رکھا ہو۔" ہیرلین نے جواب دیا "اور تم نے ابھی تک اس کا کوئی حل نہیں سوچا ہے۔"

"کیوں نہیں سوچا ہے۔" چارلس تیکھے لہجے میں بولا "ہم اس کام کے لئے بنجمن فاسٹ کی خدمات حاصل کریں گے۔"

"محض یہ کہہ دینے سے بات نہیں بنتی۔" ہیرلین نے جواب دیا "تم بنجمن کو اس پلان پر عمل کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو" میں نے بھی تائید کی "تم نے منصوبہ تو بہت اچھا سوچا ہے چارلس لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ ابھی تک تم پورا مسئلہ حل نہیں کر سکے ہو۔"

چارلس کے چہرے پر غصّہ کی خفیف سُرخی پھیل گئی۔

"تم دونوں اپنا اپنا خیال قائم کرنے کے لئے آزاد ہو۔" وہ بولا "جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس کا حل بھی سوچ چکا ہوں۔"

اس کا لہجہ اتنا ترش تھا کہ میں نے چونک کر اس کی طرف غور سے دیکھا

"تمہیں اتنا بُرا کیوں لگا۔" میں نے کہا "یہ منصوبہ صرف ایک ذہنی آزمائش ہی تو ہے۔"

میری اس بات سے اُس کی پیشانی کے بلوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اب تک ایسا ہوتا رہا تھا کہ اس نے جب بھی کوئی انوکھی بات سوچی یا حل کی ہو تو ہم نے بے تحاشا اُس کی ذہانت کی داد دی تھی چنانچہ اس وقت ہمارا اس کے پلان کو اُس کی توقع کے مطابق پسند نہ کرنا اسے بیزار گوار گزرا تھا۔ ہم نے اسے منانے کی کوشش کی مگر جب تک ہم رخصت ہوئے تھے اس کا موڈ بحال نہیں ہو سکا تھا۔

مجھے اس کا احساس نہیں تھا کہ ہم سے اپنے منصوبے کا بہترین ہونا منوالینا چارلس کے لئے کتنا اہم تھا۔ یہ بات مجھے اگلے جمعہ کو معلوم ہوئی جب ہم ایک مرتبہ پھر چارلس کے فلیٹ میں جمع ہوئے۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ اتفاق سے میں اور ہیرلین ساتھ ساتھ تھے۔ جب ہماری دستک پر دروازہ کھلا تو پہلے تو میں یہ ہی سمجھا کہ کسی اجنبی نے دروازہ کھولا ہے۔ کیونکہ اس شخص کے گال چارلس کے مقابلہ میں زیادہ بڑے اور پھولے ہوئے تھے۔ اُس کی ناک چپٹی تھی۔ بال سفید تھے اور چہرے پر جھُرّیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مگر غور سے دیکھنے پر صاف پتہ چل گیا کہ جھُرّیاں اصل میں گریس اور رنگ سے بنائی گئی ہیں اور ناک مٹی تھوپ کر چپٹی کی گئی ہے۔

میں بے اختیار قہقہے لگانے لگا اور ایک دو سیکنڈ حیران رہنے کے بعد ہیرلین بھی میرا ساتھ دینے لگا۔ ہم ہنستے ہنستے فرش پر لڑھک ہی گئے ہوتے۔ کچھ دیر تک پتھّر کے بُت کی طرح ہمیں گھورنے کے بعد چارلس گھوما اور کمرے کی طرف چل دیا۔ ہمیں ابھی تک اتنی ہنسی آ رہی تھی کہ ہم ایک دوسرے کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ ہم نے چارلس کو باتھ روم میں داخل ہو کر زور سے دروازہ بند کرتے دیکھا۔ پھر جب پندرہ منٹ کے بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا تو ہم اپنے آپ پر قابو پا چکے تھے۔ وہ اپنا تمام میک اَپ صاف کر کے باہر نکلا تھا۔

"میں نے جو کچھ پچھلی مرتبہ کہا تھا آج کے تجربے سے اُس کی تائید ہو جاتی ہے۔" وہ بولا "مجھ جیسے اناڑی کبھی کامیابی سے میک اَپ نہیں کر سکتے۔ لیکن بنجمن فاسٹ نے اپنے ماہرانہ میک اَپ سے رابرٹ کو کیلون اور کیلون کو رابرٹ بنا دیا تھا اور اکیڈمی ایوارڈ کے ڈنر میں کوئی ایک شخص ایسا نہیں تھا جو انہیں پہچان سکا ہو۔"

"درست ہے۔ مگر وہ بنجمن فاسٹ کا کارنامہ تھا۔" میں نے کہا "اور تم بنجمن فاسٹ نہیں ہو۔"

اس بات سے اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ظاہر ہوئے تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے میک اَپ کو بہت اچھا خیال کر رہا تھا۔

"تب پھر ہم خود مسٹر بنجمن کی خدمات حاصل کریں گے۔" اس نے اس قدر پُر اعتماد لہجہ میں کہا کہ میں چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگا۔

"گویا تم اُس کے سامنے نظریاتی طور پر اپنا منصوبہ پیش کرو گے اور وہ نظریاتی طور پر اس جُرم میں تمہارے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار ہو جائے گا۔" میں نے کہا

"لیکن اس سے کیا ثابت ہو گا۔" ہیرلین نے اعتراض کیا

"اگر وہ خیالی طور پر اس کھیل میں شامل ہونے کے لئے آمادہ ہو جائے جس میں مجھے شک ہے۔ تو اس سے تمہارا مسئلہ حل تو نہیں ہو جاتا۔ اور نہ اس وقت تک حل ہو سکتا ہے جب تک تم ہمیں یقین نہ دلا دو کہ بنجمن خوشی کے ساتھ اس منصوبے کے مطابق میک اَپ کرنے کیلئے راضی ہے۔"

"میں نے ابھی کہا تھا نا کہ ہم اس کی خدمات حاصل کر لیں گے۔" چارلس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا "اس سے میرا مقصد یہ ہی تھا کہ ہم خیالی طور پر نہیں واقعی عملی طور پر بینک لوٹنے کیلئے اس کی صلاحیت کام میں لائیں گے۔"

میں اور ہیرلین ابھی تک مسکرا رہے تھے مگر چارلس کے منہ سے

یہ بات سنتے ہی ہماری ہنسی غائب ہو گئی۔

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا" آخر کچھ دیر بعد میں نے کہا۔

"حالانکہ میری بات میں کوئی ابہام نہیں تھا" چارلس نے جواب دیا "صاف ظاہر ہے کہ تم دونوں کو اس منصوبے کے سو فیصدی کامیاب اور بہترین ہونے کا یقین اسی صورت میں دلایا جا سکتا ہے کہ اسے عملی طور پر آزمایا جائے۔ ہمارے خاندان کے لوگ اپنے الفاظ پر شک و شبہ کو برداشت نہیں کیا کرتے۔ مگر شاید تم لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس پلان کو بروئے کار لا سکو۔"

میں نے اور ہیریسن نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہیریسن نے حیرت کے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجائی

"نہیں، تم ضرور مذاق کر رہے ہو" میں نے کہا

"میں آج کی طرح اپنی زندگی میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوا" چارلس نے جواب دیا "میں یہاں تک تیار ہوں کہ بینک سے جو بھی رقم ہاتھ آئے وہ تم اور ہیریسن آپس میں تقسیم کر لینا۔ میرے اطمینان کیلئے تمہارا یہ اعتراف ہی کافی ہوگا کہ میرا منصوبہ ہر اعتبار سے مکمل تھا اور میں نے اس مسئلہ کو بڑی کامیابی سے حل کر لیا ہے۔"

مجھے بینک لوٹنے کے تصور سے جہاں ایک ذہنی دھکا سا لگا تھا وہیں اس خیال سے ایک سنسنی بھی محسوس ہو رہی تھی کہ اگر مجھے پچھتر ہزار ڈالر مل جائیں گے تو میں ان کا کیا کروں گا۔ اتنے بڑے سرمایہ سے میں کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کوئی بھی کاروبار شروع کر سکتا تھا جبکہ موجودہ صورت میں میرا پروگرام ایک بڑی کارپوریشن میں مناسب معاوضے پر کام کرنے کا تھا۔ اور اس ملازمت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہ تھا کہ شاید میں کسی دن کارپوریشن میں کوئی معمولی درجہ کا افسر بن جاؤں۔ اس کے برعکس اگر پچھتر ہزار ڈالر میری جیب میں ہوں تو میں خود اپنی کارپوریشن قائم کر کے اس کا پریذیڈنٹ بن سکتا ہوں۔ ہیریسن کے ذہن میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات آ رہے تھے البتہ اسے پوری طرح سمجھنے میں مجھ سے کچھ زیادہ وقت لگا لیکن جب آخر کار دولت کی کشش نے اسے مغلوب کر ہی لیا تو اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "قانون ایسے جرائم کیلئے لوگوں کو جیل بھیج دیتا ہے" میں نے کہا

"صرف اس وقت جبکہ وہ پکڑے جائیں" چارلس بولا "میرے منصوبے میں اس خطرے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"بشرطیکہ تم بنجمن فاسٹ کی خدمات میک آپ کیلئے حاصل کر سکو" میں نے کہا "اس کیلئے تم نے کیا ترکیب سوچی ہے؟"

"میں یہ سب کچھ سوچ چکا ہوں" چارلس نے ہاتھ لہراتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا "تم یہ بتاؤ کہ اس میں میرا ساتھ دو گے یا نہیں؟"

ہیریسن اور میں نے ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس بار کچھ زیادہ دیر کے لئے۔

"تم واقعی اس پر غور کر رہے ہو۔ کیوں؟" اس نے کہا

"تو کیا تم اس انداز میں نہیں سوچ رہے ہو؟" میں نے بھی اسی لہجہ میں جواب دیا۔

"اس میں شک نہیں کہ پچھتر ہزار ڈالر میرے بڑے کام آ سکتے ہیں" ہیریسن بولا "لیکن دوسری طرف کم سے کم دس سال کی قید کا خیال مجھے ذرا بھی پسند نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو" چارلس نے ترش لہجہ میں کہا "اگر مجھے اپنے پلان کی کامیابی کا یقین نہ ہوتا تو تم سے کبھی اس میں شریک ہونے کے لئے نہ کہتا۔"

"میں باقی منصوبے کی بات نہیں کرتا۔ مجھے صرف اس بارے میں مطمئن کر دو کہ تم بنجمن کا تعاون کیسے حاصل کرو گے" ہیریسن نے جواب دیا۔

"تم پریشان مت ہو۔ اسے میں خود انجام دونگا" چارلس نے یقین دلایا "اور مناسب وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔"

"مگر میں اسی وقت جاننا پسند کروں گا" ہیریسن بولا

"ہمارا کیا ہے ہیریسن" میں نے درمیان میں دخل دیا۔ "اگر چارلس بنجمن فاسٹ کو ساتھ ملانے میں کامیاب نہیں ہوا تو ہم ہر وقت انکار کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ بنجمن کو لے بھی آیا اور ہمیں اس میک آپ پر اعتماد نہیں ہو سکا تب بھی ہم منصوبے سے لاتعلقی کا اعلان کر سکتے ہیں۔ ہماری پوزیشن اس وقت تک محفوظ ہے جب تک ہم ڈاکے کی نیت سے بینک میں داخل نہ ہوں۔"

میری بات پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہیریسن نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو" اس نے کہا "اور ایسی صورت میں تم مجھے اپنے ساتھ شامل سمجھ سکتے ہو۔ لیکن شرط یہی ہے کہ بنجمن بھی ہم سے تعاون کرے اور ہم اس کے کام سے مطمئن ہو جائیں۔"

چارلس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے

بھی آمادگی کے اظہار کے طور پر سر ہلا دیا۔ اس کے بعد اتوار کی شام تک ہمارے درمیان اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اتوار کو جب ہم پھر چارلس کے فلیٹ میں جمع ہوئے تو اُس نے اعلان کیا کہ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں اور ہم آئندہ جمعہ کو بینک میں ڈاکہ ڈال سکتے ہیں۔

"لیکن پہلے ہمیں کچھ ابتدائی تیاریوں کی طرف توجہ دینا ہے۔" وہ بولا "مثلاً سب سے پہلے ہاری تمہیں اپنی ملازمت سے ایک دن کی چھٹی لینا پڑے گی۔ اسی کے ساتھ تمہیں وہ رائفل بھی حاصل کرنا ہے جس سے تم نشانہ بازی کی مشق کرتے ہو۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"

"جمعرات کے دن میں معمول سے کچھ زیادہ دیر تک نشانہ بازی کرنے کی اجازت لے لوں گا" میں نے جواب دیا "مشق ختم کر کے تمام رائفلیں ریک پر رکھ دی جاتی ہیں۔ وہ آدمی جس کے سپرد یہ کام ہے پانچ بجے چلا جاتا ہے۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ اطمینان سے چلا جائے رائفلیں میں رکھ دوں گا۔ نشانہ بازی آئندہ جمعرات تک نہیں ہوگی اس لئے اگر ایک رائفل غائب بھی ہوئی تو کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکے گی اور وقت بھی اتنا کافی ہوگا کہ میں رائفل دوبارہ وہاں رکھ دوں گا۔"

"بہت خوب اب جہاں تک ذریعۂ آمد و رفت کا سوال ہے، میرے خیال میں ہم ہیریسن کی کار استعمال کریں تو بہتر ہے۔ بینک تک جانے اور وہاں سے پارکنگ پلاٹ تک آنے کے لئے ہم دو گھنٹہ پہلے ایک کار اڑا لیں گے"

"کیا بنجمن نے تعاون کا وعدہ کر لیا؟" ہیریسن نے پوچھا۔

"اس کا انتظام ہو گیا ہے" چارلس نے اطمینان دلایا۔

"میں نے جاپانی محلے میں ایک خالی اسٹور کا تہہ خانہ کرائے پر لے لیا ہے یہ اس جگہ کا پتہ ہے" اُس نے مجھے اور ہیریسن کو ایک ایک کاغذ کا پُرزہ دیا "ہم جمعہ کے دن صبح دس بجے وہاں جمع ہوں گے۔ بنجمن فاسٹ کو ہم میں سے ہر ایک پر میک اپ کرنے کے لئے ایک اور دو گھنٹے کے درمیان وقت درکار ہوگا۔"

"تمہیں میک اپ کرنے کے لئے اسٹور کا تہہ خانہ کرائے پر لینے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اُلجھتے ہوئے پوچھا "ہم اس جگہ میک اپ کیوں نہیں کر سکتے؟"

"اس لئے کہ یہ مناسب بات نہیں ہوگی کہ ہمارا کوئی پڑوسی بینک کے ڈاکوؤں کو اس فلیٹ سے برآمد ہوتے دیکھ لے۔ واپسی کی بات دوسری ہے۔ واپسی میں ہم سیدھے گیرج میں گھس جائیں گے جس کا دروازہ کھلا ہوگا اور اندر میک اپ دھونے کا تمام سامان موجود ہوگا۔"

"تم نے بنجمن کو کیسے آمادہ کیا" میرا ذہن لوٹ پھیر کر اسی ایک نکتہ پر اٹک جاتا تھا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ وہ میری جیب میں ہے۔ بس تم دونوں ٹھیک وقت پر جاپانی محلے پہونچ جانا"

"بنجمن کو کتنا حصّہ دینا پڑے گا" ہیریسن نے سوال کیا

"میری طرح وہ بھی اس کام میں صرف ایڈونچر کے خیال سے شریک ہو رہا ہے"

کوئی ایسی بات تھی جو ہم دونوں کو کھٹک رہی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ چارلس ہم سے کچھ چھپا رہا ہے لیکن چونکہ ہمیں آخر وقت تک انکار کرنے کا حق حاصل تھا اس لئے میں نے سرِ دست کوئی اعتراض کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"ریوالوروں کا انتظام کون کرے گا" میں نے پوچھا۔

"میں پہلے ہی ۳۸ بور کے تین ریوالور خرید چکا ہوں۔ وہ وہیں اسٹور کے تہہ خانے میں رکھے ہیں" چارلس نے بتایا "اسی کے ساتھ میں نے ایک سیکنڈ ہینڈ بریف کیس اور کپڑے کے دو تھیلے بھی فراہم کر لئے ہیں"

میری سمجھ میں کوئی اور سوال نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی ہیریسن نے کوئی بات پوچھنے کی ضرورت سمجھی چنانچہ ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہرے اور چارلس سے رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

جمعرات کے دن میں نے اخبار لاس اینجلز ٹائمز میں بنجمن فاسٹ کے بارے میں ایک اعلان دیکھا۔ لکھا تھا کہ مشہور اداکار اکیڈمی ایوارڈ یافتہ

جاسوسی ڈائجسٹ

کا مقبول ترین سلسلہ

زِنّا کماری کی جیون کہانی

"وہ کہانی جو ہر شخص کو پسند آتی تھی"

اب عنقریب کتابی شکل میں شائع ہو رہی ہے

قیمت ۵/-

پاکیزہ پبلیکیشن

میک اَپ مین اپنے کسی عزیز کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کیلئے لاس اینجلز سے باہر گیا ہوا ہے۔ لنچ کے فوراً بعد میں بھاگا ہوا چارلس کے پاس پہونچا۔

"تم نے یہ خبر دیکھی" میں نے اسے اخبار دکھاتے ہوئے کہا

"یہ بہانہ اس کی اسٹوڈیو سے غیر حاضری کا جواز پیدا کرنے کیلئے گھڑا گیا ہے" چارلس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن اسے اسٹوڈیو سے غیر حاضر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہم اُس سے جس قسم کا ماہرانہ میک اَپ کرانا چاہتے ہیں، اُس کے لئے پوری پلاننگ اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے" چارلس نے جواب دیا۔ "وہ کم سے کم دو دن یکسوئی کے ساتھ غور کرے گا تب کہیں جاکر اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لانے کے قابل ہوگا"

اس وضاحت سے بھی مجھے یہی احساس ہو رہا تھا کہ چارلس کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے میں اُس کی دلیل سے مطمئن نہیں تھا مگر کوئی ایسی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی جس پر اعتراض کیا جا سکے۔

مجھے رائفل حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی میں نے اُس کے حصے الگ الگ کرکے ایک تولیہ میں لپیٹ لئے اور بغیر کسی کے روکے ٹوکے گھر آگیا۔ جمعہ کے دن میں اور ہیریسن ساتھ ساتھ مقررہ اسٹور کی طرف روانہ ہوئے۔ دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے ہمیں اپنی کلاسوں سے غائب رہنا پڑا تھا مگر جہاں ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی بات ہو وہاں تعلیم کا ایک دن ضائع ہونے کے بارے میں کون سوچتا ہے۔ ہم دس بجکر چند منٹ پر اسٹور پہنچے اور مجھے یہ دیکھ کر ایک جھٹکا سا لگا کہ چارلس نے جس اسٹور کا انتخاب کیا تھا وہ اس شہر کے عین بالمقابل واقع تھا جو پولیس اسٹیشن سے آتی تھی۔ مگر میں نے خود کو اطمینان دلایا کہ اصل جرم اس مقام سے کئی میل دُور وقوع پذیر ہونا ہے۔

ہماری دستک کے جواب میں چارلس نے دروازہ کھولا ہم اندر داخل ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ تہہ خانہ ایک بہت بڑے سے کمرے پر مشتمل ہے جو غالباً کبھی اوپر والے اسٹور کا کام دیتا ہوگا۔ کیونکہ وہاں اب بھی کچھ خالی پیٹیاں وغیرہ پڑی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں بیت الخلا بنا ہوا تھا اور روشنی کرنے کے لئے دو سو واٹ پاور کے دو بلب جل رہے تھے۔ کمرے کو رہنے کے قابل بنانے کے لئے اس میں کچھ گھریلو اشیاء کا اضافہ کیا گیا تھا مثلاً دو فولڈنگ پلنگ، تین کرسیاں ایک میز جس پر جاسوسی رسالے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ پلیٹیں اور دو گلاس بھی نظر آرہے تھے۔ ایک دیوار کے سہارے دو سوٹ کیس اور ایک الماری نما بکس سا رکھا ہوا تھا

بکس پر ایک رسّی۔ ٹیپ کا رول۔ ایک رومال جس کے دو کونے گرہ سے بندھے ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی کے منہ پر باندھا جاتا رہا ہو۔

ایک چھوٹے سے قد کا آدمی جس کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہوگی بیٹھا ہوا کوئی جاسوسی رسالہ دیکھ رہا تھا۔ چارلس نے ہمارا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ بنجمن فاسٹ ہے۔ مگر یہ تعارف یک طرفہ رہا کیونکہ چارلس نے اسے ہمارے نام نہیں بتائے۔ اس آدمی کے گالوں پر دو تین دن کا بڑھا ہوا شیو نظر آرہا تھا۔ مجھے یہ بات کھٹکی۔

"کیا یہ یہاں اپنی مرضی سے ٹھہرے ہوئے ہیں" میں نے پوچھا

"نہیں۔ میں اسے بدھ کے دن اُس کے مکان میں گھس کر ریوالور کے بل پر یہاں لایا ہوں" چارلس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ تم اُسے اغوا کرکے لائے ہو" ہیریسن چونک کر بولا

"کسی کو اس کے غائب ہونے کا علم نہیں ہے" چارلس نے جواب دیا۔ "وہ ایک پہاڑی مکان میں بالکل اکیلا رہتا ہے۔ پھر میں نے اس کے ایک دوست کی حیثیت سے اسٹوڈیو فون کرکے یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کی تدفین میں شریک ہونے کی وجہ سے دو تین دن تک نہیں آسکے گا"

"لیکن اغوا تو پھر بھی رہا" ہیریسن نے احتجاج کیا "اور تمہیں معلوم ہے کہ اغوا کی سزا عمر قید ہے"

"صرف اس صورت میں کہ ہم اغوا کے نتیجہ میں کسی قسم کا مطالبہ کریں۔ یا اغوا کئے جانے والے کو کوئی جسمانی اذیت پہنچائی جائے۔ جبکہ تم اسے زیادہ سے زیادہ حبس بیجا کہہ سکتے ہو اور یہ اتنا سنگین جرم نہیں ہے"

چارلس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ اُس نے اپنی ہر ممکن کوشش بنجمن کو آرام پہنچانے کے لئے کی ہے۔ شیو نہ کرنے میں بھی قصور اس کا نہیں بلکہ خود بنجمن کا ہے۔ وہ چونکہ میک اَپ کے منصوبہ پر غور کر رہا تھا، اس لئے اسے ایسی باتوں کا خیال بھی نہیں آیا۔ آرام پہنچانے کے سلسلہ میں چارلس کے بقول اُس نے اتنا خیال رکھا تھا کہ وہ بنجمن کے پسندیدہ جاسوسی رسالے بھی خرید لایا تھا۔ مگر چارلس کی ان تمام تاویلات کے باوجود ہیریسن مطمئن نہیں تھا۔ خود مجھے اس کی باتوں سے احساس ہو رہا تھا کہ کہنے کو وہ جو چاہے کہے مگر اب اس کا ارادہ بنجمن کو آزاد کرنے کا نہیں ہے۔ کیونکہ پوری دنیا میں ایک وہی واحد شخص تھا جو ہمارے جرم کا گواہ بن سکتا تھا۔ اور اس موقع پر مجھے پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ چارلس

اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود ذہنی مریض ہے۔ صرف پاگل شخص ہی اپنی کسی واہیات بات کو ثابت کرنے کے لئے اس انتہا تک جا سکتا تھا۔

لیکن ان تمام خیالات حتیٰ کہ قتل کے امکان کے باوجود پچیس ہزار ڈالر کا لالچ اتنا شدید تھا کہ آخر کار تھوڑی ہچکچاہٹ اور تذبذب کے بعد میں اور ہیرلین دونوں منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اگرچہ ہم اب بھی اپنے آپ کو یہی سمجھا رہے تھے کہ یہاں تک آنے کے بعد کم سے کم بنجمن کے فن کا کمال تو دیکھ ہی لیا جائے۔ دیکھیں تو سہی کہ وہ ہمارا میک آپ کس طرح کرتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بونا جادوگر تھا۔ اس نے ہم تینوں کا میک اپ کرنے میں صرف چار گھنٹے صرف کئے۔ مگر جب وہ اپنا کام کر کے فارغ ہوا ہے تو ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ ایک اور قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ اس نے ہمارے پیشِ نظر کام کی مناسبت سے جو میک اپ ہمارے چہروں پر کیا تھا اُس نے ہماری شکلیں کچھ ایسی ہی بنا دی تھیں جن سے دنیا کا کوئی جرم بعید نہیں ہوتا ۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ چیز بینک کے عملے کو مرعوب کرنے اور ایک نفسیاتی خوف مسلط کرنے میں بیحد معاون ثابت ہوگا۔

"آج باہر زیادہ گرمی تو نہیں ہے" بنجمن نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ منہ میں رکھے ہوئے ربر پیڈوں کی وجہ سے میری آواز بڑی حد تک تبدیل ہو چکی تھی" درجہ حرارت ساٹھ ڈگری سے زیادہ نہیں ہوگا۔"

"تب پھر میک اپ نہیں پگھلے گا" بنجمن نے کہا "بس اتنا خیال رکھنا کہ کوئی گیلی چیز چہرے سے مس نہ ہو۔ احتیاط سے کام لیا تو یہ میک اپ گھنٹوں قائم رہ سکتا ہے۔ کیا اب مجھے گھر جانے کی اجازت ہے؟"

"ابھی نہیں"۔ چارلس نے بلا تامل کہا "تمہیں ایک مرتبہ ہاتھ پیر بندھنے کی زحمت اور برداشت کرنا پڑے گی۔ ہم لوگ شام کو تقریباً سات بجے تک واپس آ جائیں گے اور اس کے بعد تم بالکل آزاد ہو گے جہاں چاہو گے جا سکو گے۔"

جھوٹ مت بولو تم اسے قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہو۔ میں نے اپنے دل میں سوچا اور اپنی سوچ کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھا مجھے اندیشہ تھا کہ اگر میں نے اس خیال کا اظہار کر دیا تو ہیرلین کبھی اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ چارلس کی بات سن کر بنجمن خاموشی سے جا کر اپنے پلنگ پر لیٹ گیا اور چارلس نے اسے اچھی طرح رسیوں سے جکڑ دیا۔ اتنا ہی نہیں اس نے اس کا منہ بھی ایک کپڑے سے کس کر باندھ دیا۔

اس کے بعد چارلس نے دو میں سے ایک سوٹ کیس کھولکر اس میں سے تین ریوالور برآمد کئے۔ ایک ریوالور اپنی جیب میں رکھتے ہوئے اُس نے باقی دو ریوالور ہم دونوں کے حوالے کر دیئے۔ پھر اُس نے ایک بریف کیس نکال کر میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"اس میں خالی تھیلے رکھے ہیں" وہ بولا "تم نے رائفل کا انتظام کر لیا؟"

"ہاں۔ وہ ہیرلین کی کار میں موجود ہے" میں نے بتایا۔

"تب اس کا مطلب ہوا کہ ہماری تمام تیاریاں مکمل ہیں۔ آؤ چلیں"

"اور وہ تمہارا تار کاٹنے والا کٹر" میں نے پوچھا۔

اُس نے اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر دکھایا۔ اس کی پیٹی میں ایک نہیں دو کٹر لگے ہوئے تھے۔ جس وقت ہم تہہ خانے سے نکل کر ہیرلین کی کار میں بیٹھے تو ۲ بجکر پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ ہیرلین کے ذہن میں ابھی تک یہ بات تو نہیں آئی تھی کہ ہمارے اس پلان کا خاتمہ قتل پر ہونے والا ہے لیکن وہ ایک دوسرے مسئلہ پر بہرحال غور کر رہا تھا۔

"جیسے ہی ہم نے بنجمن کو آزاد کیا وہ پولیس کو لے کر سیدھا تہہ خانے پہنچے گا۔" اُس نے کہا "اس لئے اسے رہا کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس تہہ خانے سے ہماری موجودگی کے تمام نشانات ضائع کر دیئے جائیں۔"

"ایسا ہی ہوگا" چارلس نے اُسے یقین دلایا "میری کار اسٹور سے قریب ہی ایک گلی میں کھڑی ہوئی ہے۔ پھر تمہاری کار بھی ہے۔ واپس آ کر ہم تمام سامان ان دونوں کاروں میں بھر کر لے جائیں گے اور بنجمن کے ہاتھ پیر کھول کر اُسے تہہ خانے ہی میں چھوڑ دیں گے' پھر جو اس کا دل چاہے کرے۔"

"لیکن پولیس یہ معلوم کرنے میں تو کامیاب نہیں ہو جائے گی کہ تہہ خانہ ہم نے کرایہ پر لیا تھا" ہیرلین نے سوال کیا۔

چارلس میک اپ کی وجہ سے مسکرانے سے قاصر تھا مگر میں نے اُس کی آنکھوں میں ایک طنزیہ مسکراہٹ اُبھرتے دیکھی۔

"میں نے اسے کرائے پر نہیں لیا تھا" وہ بولا "میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ تہہ خانہ خالی تھا چنانچہ اسے استعمال کر لیا۔

"اچھا اب جلدی چلو ابھی ہمیں ایک کار بھی چرانا ہے۔"

اور ہوپ اسٹریٹ پر ہمیں ایک سیڈان کار مل گئی۔ ہم نے چارلس کو اُس کے پاس اُتار دیا۔ اور خود آگے جا کر ایک موزوں مقام پر اس کا انتظار کرنے لگے وہ ایک منٹ بعد ہی سیڈان کار میں بیٹھا ہوا ہمارے قریب سے گزرا۔ میں اور ہیرلین اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے کیکسٹن ٹرسٹ بینک سے ایک بلاک آگے جا کر چارلس ایک سائڈ اسٹریٹ میں گھوم گیا۔

پھر ہم نے ہیرلین کی کار وہیں چھوڑی اور سیڈان کار میں آ بیٹھے۔ ہیرلین اور چارلس اگلی سیٹ پر تھے اور میں رائفل کے ساتھ پچھلی سیٹ پر

چارلس کار ڈرائیو کرتا ہوا اس مقام پر پہنچا جہاں گلی میں ٹرانسفارمر لگا ہوا تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ سے بجلی کے تاروں کا فاصلہ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں بڑی آسانی سے اُنھیں نشانہ بنا سکتا ہوں گویا ضرورت کے وقت ہمارے منصوبے کا یہ حصہ بھی بآسانی انجام دیا جا سکتا تھا۔

اس وقت چار بجے تھے۔ ہمیں بینک میں ٹھیک چھ بجے داخل ہونا تھا۔ سوال پیدا ہوا کہ ان دو گھنٹوں میں ہم کیا کریں۔ ہم میں سے کسی نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا مگر مجھے کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی اس لئے اس کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ تجویز پیش کی کہ میں نے اور ہیرلین نے آج تک کبھی اس بینک میں قدم نہیں رکھا۔ محض اس کا نقشہ دیکھنے سے مختلف مقامات کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اس لئے کیوں نہ مقررہ وقت سے پہلے یونہی عام لوگوں کے ہجوم میں مل کر ایک نظر ڈال لی جائے چارلس نے اس تجویز کو پسند کیا۔ ہم بینک میں اس کے پچھلے دروازہ سے اندر داخل ہوئے۔ چارلس ایک کھڑکی کی جانب بڑھ گیا اور یوں ظاہر کرنے لگا جیسے اُسے کوئی رقم جمع کرانا ہے۔ ہیرلین نے جیب سے دس ڈالر کا نوٹ نکالا اور ایک دوسری کھڑکی سے اُس کی ریزگاری لینے کھڑا ہو گیا۔ اور میں ایک دیوار پر لگا ہوا اشتہار پڑھنے لگا جس میں لوگوں کو بینک اکاؤنٹ کھولنے کے فوائد سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ویسے حقیقت میں میری نظریں اس دروازے کی جانب لگی ہوئی تھیں جو بینک والٹ میں لے جاتا تھا۔ ایک لڑکی قریبی میز سے اُٹھ کر میرے پاس آئی۔

"میں تمہاری کچھ مدد کر سکتی ہوں" اُس نے بڑے خلیقانہ لہجہ میں پوچھا۔

"شکریہ۔ درحقیقت میں اپنے ایک دوست کا انتظار کر رہا ہوں" میں نے جواب دیا اور منہ دوسری طرف کر لیا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی تیز نظریں میرے چہرے کا جائزہ لے رہی ہیں۔ مگر اس کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا میک اپ اتنا بہترین ہے کہ وہ مجھے دوبارہ دیکھ کر بھی شناخت نہیں کر سکے گی اتنی دیر میں ہیرلین نے اپنا نوٹ بھنا لیا تھا اور اب بیرونی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ چارلس چند لمحوں کے بعد ہم سے آملا اور ہم سب بینک سے باہر آ گئے۔

"ریزگاری دیتے ہوئے اس لڑکی نے میری طرف بہت غور سے دیکھا تھا" ہیرلین کار میں بیٹھتے ہوئے بولا "کیا میرے میک اپ میں کوئی خامی رہ گئی ہے؟"

"کچھ بھی تو نہیں ہے" چارلس نے اُس کے چہرے پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا "تمہیں وہم ہوا ہوگا۔ مگر کیا تم نے اس موٹے سے آدمی کو بھی دیکھا جو بینک میں داخل ہوتے وقت ہمارے قریب سے گزرا تھا"

"وہی جس نے گرے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا" میں نے کہا

"ہاں۔ وہ بینک کا پریذیڈنٹ تھا" چارلس نے بتایا "اس نے براہ راست میری طرف دیکھا مگر کیا مجال جو اُس کے چہرے پر واقفیت کا کوئی بھی تاثر ظاہر ہوا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے میک اپ اپنی جگہ مکمل ترین ہیں۔"

اب بھی چار بجکر صرف بیس منٹ گزرے تھے اور ہمارے پاس ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا چنانچہ چارلس کار کو ساحل کی طرف لے گیا۔ وہاں ہم نے سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنے پلان کا آخری جائزہ لیا۔

"کیا تم نے اپنے گیرج کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے؟" میں نے چارلس سے پوچھا

"ہاں۔ اور کافی مقدار میں پانی صابن تولیہ وغیرہ کا انتظام بھی کر دیا ہے" چارلس نے جواب دیا "جب ہم گیرج سے باہر نکلیں گے تو دوبارہ اپنی اصلی صورت میں واپس آ چکے ہوں گے۔"

ہم چھ بجنے میں بیس منٹ پر ساحل سے روانہ ہوئے۔ چارلس پہلے ٹرانسفارمر والی گلی میں گیا۔ وہاں میں نے اپنی نشانہ بازی کا کمال دکھلاتے ہوئے دو فائروں میں دونوں تار کاٹ دیئے۔ گلی میں کوئی ایک متنفس بھی ہماری یہ حرکت دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔ اپنا کام ختم کرتے ہی میں کار میں آ بیٹھا اور چارلس نے کار چلا دی۔ جب تک ہم بینک کے پارکنگ پلاٹ پر پہنچیں میں رائفل کو ٹکڑے کر کے دوبارہ تولیے میں لپیٹ چکا تھا۔ پھر جب ہم نے بینک کے عقبی دروازے سے اندر قدم رکھا

توچھ بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے

پبلک کی آسانی کیلئے بینک کی انتظامیہ نے تین میزیں اور کچھ کرسیاں ڈلوا رکھی تھیں کہ جن لوگوں کو رقم جمع کرنے نکالنے یا کسی دوسرے مقصد سے کوئی تحریری کام کرنا ہو وہ وہاں بیٹھ کر کرلیں۔ ہم تینوں نے ایک ایک میز انتخاب کرلی۔ میں بیچ والی میز پر پہونچا اور ایک جمع کرنے والی رسید اٹھا کر اس پر بے معنی اعداد و شمار لکھنے لگا۔ کن انکھیوں سے میں نے ہیرلسن اور چارلس کی طرف دیکھا وہ دونوں بھی کچھ ایسا ہی کر رہے تھے۔ بینک میں میری توقع سے زیادہ لوگ موجود تھے۔ ہر کھڑکی کے سامنے کم سے کم چھ سات آدمی ضرور کھڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنی کارروائی شروع کرنے کے لئے ہمیں ابھی کئی منٹ انتظار کرنا پڑیگا۔

تب پھر اچانک ہی مجھ پر ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوا۔ میں نے نوٹ کیا کہ وہ سب کے سب لوگ مرد ہیں۔ اور اُن میں کوئی ایک بھی عورت نہیں ہے۔ ایک لائن سے دو آدمی نکل کر بڑے سرسری انداز میں میری طرف بڑھے اور جلد ہی میرے دائیں بائیں آکر بیٹھ گئے۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ خاص طور سے اس وقت جب میں نے دیکھا کہ اسی طرح دو جوڑے ہیرلسن اور چارلس کے اردگرد بھی موجود ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی قدم اُٹھا سکتا میرے بائیں پہلو میں ایک ریوالور کی نال چبھتی محسوس ہوئی اور اسی لمحے داہنی جانب بیٹھے ہوئے آدمی نے پھرتی سے میرے دونوں ہاتھ پشت کی جانب کر دیئے اور اسی کے ساتھ میری کلائیوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی دوسرے آدمی نے میری جیب سے ریوالور بھی نکال لیا۔ حیران و ششدر کیفیت میں، میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ چارلس اور ہیرلسن بھی اسی سلوک سے دوچار تھے۔ اس شخص نے جس نے مجھے ریوالور سے زد میں لے رکھا تھا، ہاتھ بڑھا کر بریف کیس کھولا اور خالی تھیلوں کو دیکھ کر مسکرانے لگا

"خوب۔ تو پوری تیاری کر کے آئے تھے۔ کیوں زپ"

اُس نے مجھے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دیکھا۔ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا جس کا نام میرون شارپ تھا اسی اثنا میں لائن میں کھڑے ہوئے دوسرے لوگ بھی ریوالور نکال کر ہم تینوں کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ اس وقت میں نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ محسوس کیا کہ ہم ایک ہوشیاری سے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکے ہیں۔ چارلس اور ہیرلسن کو بھی ہتھکڑیاں ڈال کر میرے قریب لے آیا گیا۔ میرون شارپ نے حیرت کے انداز میں اپنا سر ہلایا۔

"ہیلو ریڈ"۔ اُس نے یوں ہیرلسن کو مخاطب کیا جیسے بہت دنوں سے جانتا ہو اور پھر چارلس کی طرف بھی اسی انداز میں دیکھتے ہوئے بولا "اور ہمارے پرانے دوست ... اسٹیسی بھی موجود ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں نے دن کے وقت بینک لوٹنے کی ہمت کیسے کی اور یہ بات کیوں بھول گئے کہ تمہیں فوراً پہچان لیا جائے گا۔ خاص طور سے اس صورت میں کہ تم تینوں ساتھ ساتھ ہو۔ اگرچہ ہمیں اب تک یہ بات نہیں معلوم تھی کہ تم تینوں نے آپس میں اشتراک کرلیا ہے۔ وہ تو جب بینک والوں نے فون کیا کہ تم لوگ بینک میں ایک ساتھ دیکھے گئے ہو اور تمہارے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے جائزہ لے رہے ہو۔ تب ہمیں پتہ چلا۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ تم لوگ ایکدوسرے سے واقف ہو"

"آخر یہ سب کیا مذاق ہے؟" چارلس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا "ہم نے کیا کیا ہے کہ تم ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو"

"تو تمہارا خیال ہے کہ یہ تجاہل عارفانہ تمہیں بچالے گا" میرون نے ایک قہقہہ لگایا۔ "ہمارا بچھایا ہوا کوئی بھی جال آج تک اتنا کامیاب نہیں ہوا تھا۔ دس بدنام ترین مجرموں میں سے تین ایک ساتھ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ہمیں اس کی توقع تک نہیں تھی تم تینوں سے زیادہ بیوقوف بھی شاید ہی کوئی ہوگا۔ تم اچھی طرح جانتے تھے کہ تم میں سے ہر ایک کا فوٹو تمام ڈاک خانوں اور بینکوں کو مہیا کیا جا چکا ہے۔ تمام اخباروں، رسالوں، خاص طور سے جاسوسی رسالوں میں بار بار شائع ہوتا رہا ہے پھر بھی تم نے دن دہاڑے ایک بینک کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا"

جاسوسی رسالے۔ میں نے عرق آلود پیشانی کے ساتھ سوچا اور دفعتاً سب کچھ سمجھ میں آگیا۔ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ میک اپ مین بنجمن فاسٹ نے ہمیں بڑی ہوشیاری سے فریب دیا تھا۔ اُس نے ان جاسوسی رسالوں سے دیکھ دیکھ کر ہمارے چہروں پر ملک کے تین بدنام ترین اشتہاری مجرموں کا میک اپ کر دیا تھا۔

ہمارے سول ایجنٹ

اے۔ آر۔ دا تاری کمیشن ایجنسی

فریئر مارکیٹ ۔ کراچی

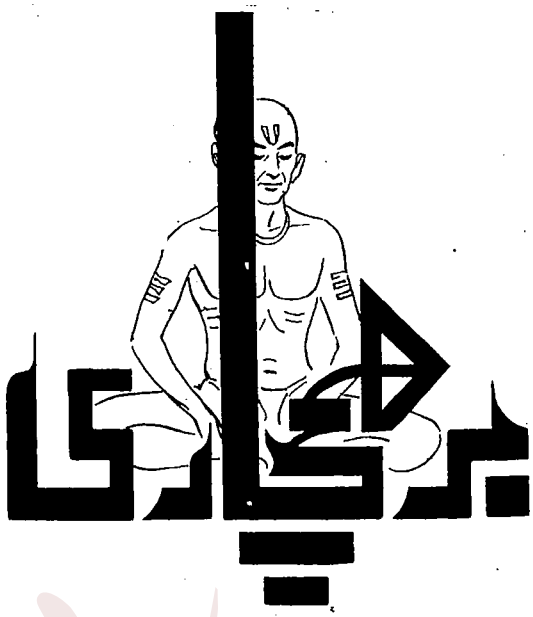

برہمچاری

شبیر حسن حنان

میرا تعلق یوپی کے ایک معزز گھرانے سے ہے۔ میرے والد ایک نواب کے ہاں ملازم تھے۔ نواب جس قدر مہربان اور رحم دل تھا اُس کا لڑکا فریدالدین اتنا ہی خبیث اور پہلے درجے کا سنگدل تھا۔ اُس کی خباثت اور سنگدلی کی وجہ سے میرے والدین کو اذیت ناک موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔ اور میری جوان اور معصوم بہن کی عصمت دری کرنے کے بعد اُسے قتل کر دیا گیا۔ فریدالدین مجھے بھی ہر صورت میں ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا لیکن بنّے خاں کی مہربانی اور رحم دلی سے میری جان بچ گئی۔ بنّے خاں میرے والد کا احسانمند تھا اُس نے مجھے اپنے ایک دوست شبّن مرزا کے پاس متھرا بھیج دیا، جہاں میری ملاقات ایک آوارہ گرد یوگی سے ہوئی۔ یوگی مجھ پر مہربان ہوگیا اور اُس نے وعدہ کیا کہ اپنی پُراسرار طاقتوں سے کام لے کر وہ میری زندگی کو کامرانیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کر دے گا لیکن شرط یہ تھی کہ میں اپنے مذہب سے منحرف ہو کر کافر ہو جاؤں۔ میں نے یوگی کو جھڑک دیا لیکن میرے اس سلوک نے اُسے حد درجہ مشتعل کر دیا اور اُس نے مجھے دھمکی دی کہ مجھے تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ اُس کے بعد شروع میں اُس نے مجھے اپنے بیروں کے ذریعے مرعوب کرنے کی کوشش کی اور پھر انتقامی کارروائی پر اُتر آیا۔ اُس کے انتقام کی بھینٹ نہ صرف یہ کہ شبّن مرزا کی ملازمت چڑھ گئی، بلکہ انھیں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ اب شبّن مرزا کی اکلوتی لڑکی نعیمہ رہ گئی تھی، جو مجھ سے بے پناہ محبّت کرتی تھی۔ اور جسے میں اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہتا تھا لیکن ایک دن نعیمہ بھی بیمار پڑ گئی۔ اور اس طرح بیمار ہوئی کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ پریشان حال اور بدحواس ساجب میں گھر سے باہر نکلا تو پُراسرار اور شیطان صفت یوگی ایک مرتبہ پھر میرا منتظر تھا۔ میری حالت کا اندازہ کر کے اُس نے ایک دفعہ پھر اپنی پیشکش دوہرائی اور اس دفعہ میں مجبور ہو گیا کہ اسے منظور کر لوں۔ انکار کی صورت میں مجھے یقین تھا کہ نعیمہ کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ میرا اثباتی جواب سُنکر یوگی خوش ہو گیا۔ اُس نے مجھے روشن اور تابناک مستقبل کی یقین دہانی کرائی اور اپنے ایک بیر شیام لال کو میری خدمت پر مامور کر دیا۔ اور خود روپوش ہو گیا۔ اس کے بعد نعیمہ دیکھتے ہی دیکھتے تندرست ہو گئی اور تندرست ہونے کے بعد اُس کا حسن و شباب پہلے سے کچھ اور نکھر آیا۔

ایک ماہ بعد میرے استفسار پر شیام لال نے بتایا۔ کہ فریدالدین نے بنّے خاں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے کیونکہ اُس نے میری جان بچائی تھی۔ یہ سُن کر میرے غیظ و غضب کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور میں فریدالدین سے اپنا انتقام لینے کے لئے اسی شب شیام لال کو ساتھ لے کر چل پڑا جس وقت میں فریدالدین کے عشرت کدے میں داخل ہوا، وہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا رہا تھا۔ شیام لال نے مجھے مشورہ دیا کہ اپنی بہن کا انتقام لینے کے لئے مجھے فریدالدین کی بہن کو روند ڈالنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے یہی کیا اور بے بس فریدالدین کی آنکھوں کے سامنے اُس کی جوان اور بے قصور بہن کو اپنے انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا اس کے بعد میں دوبارہ متھرا پہنچا۔ وہاں پُراسرار یوگی میرا منتظر تھا۔ اُس سے ملنے کے بعد مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ میں اُس کے جال میں پھنس گیا ہوں ابتک کے معاہدے کے تحت وہ مجھے اپنے مذہب سے منحرف کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ لیکن اب جبکہ میں خود ہی فریدہ کی عصمت دری کر کے مذہب کے اصولوں سے منحرف ہو گیا تھا تو معاہدہ بھی ختم ہو گیا۔ اور اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے یوگی کے اشاروں پر رقص کرنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ انتقام کے چکّر میں پڑ کر میں نے خود ہی اُسے اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا۔ بہر حال دل ہی دل میں پچھتاتا ہوا گھر پہنچا تو نہ صرف یہ کہ گھر کا سارا ساز و سامان غائب تھا بلکہ نعیمہ بھی لاپتہ تھی۔ گھبراہٹ کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے، میں ٹھوکر کھا کر نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو میں ایک سجے سجائے کمرے میں آرام دہ بستر پر موجود تھا اور ایک نوجوان اور خوبصورت عورت لاجونتی مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ وہ میری کنیز ہے اور اندر مالکن (نعیمہ) میرا انتظار کر رہی ہے۔ دل ہی دل میں حیران اور پریشان جب میں اندر پہنچا تو نعیمہ میری منتظر تھی۔ وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ مجھے زبردستی اپنے بستر پر گھسیٹ لیا۔ اور تب پہلی بار یہ حقیقت میرے علم میں آئی کہ ہم دونوں پچھلے ایک برس سے شادی شدہ تھے۔ نعیمہ نے مجھے نکاح نامہ بھی دکھایا اور میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ یوگی کی پُراسرار اور شیطانی قوتوں کا کرشمہ ہے۔ دوسرے دن جب یوگی سے ملاقات ہوئی تو اُس نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد میں نے خود کو پُوری طرح اُس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

ایک رات میں نے نعیمہ کو ایک اور شخص کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں پایا اور آگ بگولہ ہو گیا۔ مگر وہ سب کچھ میرا واہمہ تھا اور حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔ ایک رات اپنی پُراسرار قوت سے کام لے کر یوگی نے مجھے باہر بُلایا اور جب میں اُس کے پاس پہنچا تو وہ مجھ پر بگڑ گیا کیونکہ نعیمہ کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا تھا۔ اُس نے صرف ایک شرط پر مجھے معاف کرنے کا وعدہ کیا کہ میں پاپ اور پن کے چکّر میں کبھی بھول کر بھی نہ پڑوں اور لاجونتی سے تعلّقات استوار کر لوں۔ سچ پوچھیئے تو یہ بھی میرا ایک امتحان تھا۔ بہر حال لاجونتی مجھ سے بڑی محبّت سے پیش آئی، اُس نے مجھے بتایا کہ وہ اندر دیوتا کے اکھاڑے کی اپسرا اور یوگی کی کنیز ہے۔ وہ مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ملی۔ ایک رات جب میں اور وہ ہمیشہ کی طرح دادِ عیش دے رہے تھے، لاجونتی مجھ سے علیٰحدہ ہو کر کمرے سے باہر چلی گئی اور اس رات میں نے ایک عجیب و غریب اور خوفناک منظر دیکھا۔ باہر ایک عجیب الخلقت سادھو جس کا سر بارہ سنگھے کا تھا اور جو لاجونتی کا پُرانا عاشق تھا، اس سے برسرِ پیکار تھا۔ لاجونتی نے اُسے شعلوں میں قید کر کے آسمان کی طرف پھینک دیا جب ہم دوبارہ کمرے میں پہنچے تو میرے جذبات بالکل

نویں قسط ◆ سابقہ قسطوں کے خلاصے کے ساتھ

سر پر چمکتے تھے۔ لاجونتی کو غصہ آگیا اور اُس نے مجھ پر ایک پھونک ماری۔ میں نے اپنے آپ کو ایک ویران علاقے میں پایا۔ میں بھوکا پیاسا اور پریشان حال ایک پہاڑی پر پہنچا۔ دوسری طرف سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں پریشان اور مایوسی کی حالت میں اسی پہاڑی پر چڑھ کر سو گیا لیکن جب آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو حویلی میں پایا۔ اندر نعیمہ ایک اجنبی سے ہم آغوش تھی۔ ایک دفعہ پھر میرا خون کھول اُٹھا۔ لیکن جب میں ان دونوں کو سزا دینے کے لئے آگے بڑھا تو کسی نے میری کلائی پکڑ لی اور اب میں ایک دفعہ پھر اسی پہاڑی پر موجود تھا، جہاں یوگی مجھے اپنی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اُسنے مجھے خوب کڑوی کسیلی باتیں سنائیں اور بتایا کہ نعیمہ کو اُس کے ایک چیلے اجیت کمار نے پسند کر لیا ہے۔ چنانچہ اگر میں ان دونوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کروں تو وہ مجھے معاف کر سکتا ہے۔ میں نے انکار کر دیا اور یوگی میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ میں آگے بڑھا تو نعیمہ اور اجیت کمار قابل اعتراض حالت میں نظر آئے۔ میں دیوانہ وار ان لوگوں کی طرف بڑھا لیکن نیچے گر کر بیہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر میں ایک صحرا میں تھا۔ وہاں بے ہوش ہوا تو ایک تہہ خانے میں آنکھ کھلی، یہاں کچھ دیر بعد لاجونتی بھی آگئی۔ میں نے اس سے یوگی سے سفارش کرنے کی درخواست کی لاجونتی غائب ہو گئی۔ کچھ دیر بعد آکر اُس نے بتایا کہ مجھے معاف کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی غلیظ خون کا ایک پیالہ مجھے پینے کے لئے دیا۔ جیسے پیتے ہی میں ایک دفعہ پھر بیہوش ہو گیا۔ آنکھ کھلنے پر میں پوری طرح تندرست تھا۔ میں نے حالات سے سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور لاجونتی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ لاجونتی نے بتایا کہ طاقتور بننے کیلئے مجھے جاپ کرنا پڑیں گے۔ میں فوراً تیار ہو گیا۔ ایک روز میں نے اپنے آپکو حویلی میں پایا۔ لاجونتی میرے ساتھ تھی۔ نعیمہ اور اجیت ایک دوسرے کو پیار کر رہے تھے مگر میں خاموش رہا۔ اجیت نے طاقت حاصل کرنے کے لئے مجھے بہت سی باتیں بتائیں۔ ایک رات میں نشے میں چور نعیمہ کی خوابگاہ میں پہنچا اور اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ نعیمہ نے تعرض کرنے کے بجائے شکوے اور شکایتیں شروع کر دیں اور اپنے اور اجیت کے تعلقات سے انکار کر دیا میں اُسے غصے میں گھسیٹتا ہوا اجیت کی خواب گاہ میں لے گیا جہاں پھر وہ اس سے لپٹ گئی۔ میں غصے میں بھرا باہر نکل آیا، وہاں یوگی مہاراج ملے اور مجھے جاپ کرنے کا طریقہ بتایا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایک مندر میں جاپ پورا کیا اور وہاں سے باہر نکلا۔ بعد میں یوگی کی ہدایت پر بنارس میں کالی کے مندر میں جاپ کیا۔ وہیں ایک نوخیز پجارن ملی۔ لاجونتی نے بتایا کہ اس کا نام بملا ہے اور اپنے ماتا پتا کے ساتھ یاترا کے

لئے آئی ہوئی ہے۔ میں بملا کے پیچھے پیچھے اس کی کٹیا میں داخل ہوگیا۔ شکتی حاصل ہونے کی وجہ سے میں ذرا بھی نہ گھبرایا اور بے خوفی سے بملا کو دبوچ لیا۔ اچانک اسکا باپ پنڈت دیا شنکر آپہنچا۔ میں نے اُسے سمجھانے بجھانے کی کافی کوشش کی، لیکن جب وہ کسی طرح باز نہ آیا تو آخر کار اپنے بیروں سے اُسے قتل کروادیا اور اس کے بعد دوبارہ بملا پر ٹوٹ پڑا۔ اتنے میں ایک پجاری گوبند نرائن وہاں آپہنچا اور میں نے اُسے جلاکر بھسم کردیا۔ مگر اُس کے فوراً بعد پورن لال (یوگی) آموجود ہوا۔ میں نے اس کی خوشامد کی اور بے حد اصرار کے بعد لاجونتی کو اپنے لئے مخصوص کروالیا، بعد میں میں نے ڈھائی سال دیوی دیوتاؤں کے گیان دھیان اور جنتر منتر میں گزار دیئے۔ اور راتی دیوی کو رام کرلیا جس کی شکتی لامحدود تھی۔ اس کے بعد کالی کے مندر میں پہنچا۔ وہاں سے نکلا تو ایک لڑکی کی چیخ سُنائی دی۔ لاجونتی نے بتایا کہ مندر کا عیاش پروہت ایک معصوم لڑکی کی عزت لوٹ رہا تھا۔ میں غضبناک ہوکر پروہت کی کٹیا میں پہنچا۔ سخت مقابلے کے بعد میں نے اُسے بھی ٹھکانے لگادیا۔ اور باہر نکلا۔ اسی شام ایک پولیس انسپکٹر نے مجھے لاجونتی کے اغوا کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ میں نے اپنی شکتی سے انسپکٹر کو پاگل کردیا۔

لاجونتی مجھے ایک دفعہ پھر حویلی میں لے گئی، جہاں نعیمہ اجیت کمار کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی۔ اجیت کمار نے لاجونتی کے ساتھ بھی دست درازی کی جس پر مجھے غصہ آگیا بات مقابلے تک جاپہنچی اور بالآخر اجیت کمار بھی جل کر بھسم ہوگیا۔ اس کے ختم ہوتے ہی نعیمہ اس کے سحر سے آزاد ہوگئی۔

اجودھیا پہنچ کر میں نے پاربتی دیوی کے لئے ایک ویرانے میں جاپ کیا، اس کے بعد بنارس اور پھر مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا بمبئی پہنچ کر سیٹھ جانکی داس کی کوٹھی میں مقیم ہوگیا۔ وہاں دو پنڈت براجمان تھے اور انھوں نے سیٹھ کی بیٹی اوشا کو اپنے اثر میں لے رکھا تھا۔ میں نے اوشا کو بچایا اور دونوں پنڈتوں کو بڑے اذیت ناک انداز میں بھسم کردیا۔ کچھ دن بعد میں لاجونتی کے ساتھ بمبئی کے ایک ہوٹل میں منتقل ہوگیا ایک رات معمول کے مطابق ایک نئی لڑکی میرے کمرے میں لائی گئی اس کا نام ساجدہ تھا اور وہ کسی قیمت پر میرے بستر کی زینت بننے کو تیار نہ تھی۔ مجبوراً مجھے سختی پر آمادہ ہونا پڑا۔ لیکن اچانک مجھے ایک آواز سُنائی دی۔ کوئی اَن دیکھی قوت مجھے للکار رہی تھی۔ اُس نے میرے منہ پر زوردار تھپڑ مارا اور میرے غیض و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ میں نے عجلت کے ساتھ ایک جاپ کیا مگر جب میری نظریں مسہری پر پڑیں، تو لڑکی وہاں سے غائب تھی دوسرے کمرے میں لاجونتی کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔

میں غصے سے دیوانہ ہوگیا۔ میں لاجونتی کو ذہن سے بھلا کر ساجدہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا تاکہ انجانی قوت کے سامنے سُرخرو ہوسکوں۔ میں نے گھنٹی بجاکر اُس بیرے کو طلب کیا، جو ساجدہ کو میری خوابگاہ میں لایا تھا، مگر وہ بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کی باتیں سُن کر مجھے غصہ آگیا اور میں اُسے سزا دینے کے لئے اپنے کمرے میں کھینچتا ہوا لے گیا۔ مگر وہاں ساجدہ مسہری پر موجود تھی۔ میں نے بیرے کو چھوڑ دیا اور جلدی سے ایک ایسا جاپ کیا کہ وہ کسی قیمت پر کمرے سے باہر نہ نکل سکے۔ مگر جب میں آگے بڑھا تو اس کے اور میرے درمیان اچانک دُھند کی ایک ٹھوس دیوار کھڑی ہوگئی۔ اور میں اُس سے ٹکرا کر بے ہوش ہوگیا۔ ہوش میں آنے پر میں نے خود کو ایک لق و دق ویرانے میں پایا۔ میں نے آنکھیں بند کرکے ایک آزمودہ منتر کا جاپ کیا۔ کچھ دیر بعد ہی پاربتی دیوی نے درشن دیئے۔ وہ سارے واقعات سے باخبر تھی۔ اُس نے مجھے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، برہمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ لاجونتی کو دیوتاؤں کے اشارے پر ہوٹل کے کمرے سے ہٹایا گیا تھا۔ بعد میں اُس نے یہ بھی کہا کہ مجھے جوش میں آنے کے بجائے صبر و سکون سے کام لینا چاہیئے۔ انجانی قوت کے بارے میں اُس نے ایک لفظ نہیں بتایا البتہ یہ ضرور کہا کہ مجھے اپنے گرو پورن لال سے ملنا چاہیئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت میں بمبئی سے ہزاروں میل دور موجود تھا۔ لیکن پاربتی دیوی کی قوت نے مجھے پلک جھپکنے میں اپنے ہوٹل میں پہنچادیا۔ ایک دفعہ پھر بیرے سے جھڑپ ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ میں اُسے کوئی سزا دیتا، اس کا جسم خود بخود جل اٹھا۔ اُس کے فوراً بعد لاجونتی آپہنچی اور اُس نے بتایا کہ بیرے کو اسی نے اس کی گستاخی کی سزا دی تھی۔ اسے دیکھ کر میں خوش ہوگیا اور اسی وقت یوگی مہاراج سے ملنے کے لئے روانہ ہوگیا جو وندھیا چل کی ایک گپھا میں میرا انتظار کررہا تھا۔

مگر اس سے ملنے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، اُس نے مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کی اور رخصت کردیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ہوٹل میں میرے کمرے میں بیک وقت کئی لڑکیاں فراہم کردیں جو بے حد حسین تھیں اور حیرت انگیز حد تک ساجدہ سے مشابہہ تھیں۔

دو ماہ بعد میں لاجونتی کے ساتھ بنارس پہنچ گیا اور ایک ہوٹل میں قیام کیا ایک رات ہوٹل کا مالک روی شنکر گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور مجھ سے اپنی لڑکی سروجنی کو بچانے کی درخواست کی۔ جب میں اُس کے ساتھ سروجنی کی خوابگاہ میں پہنچا تو پتہ چلا کہ ساجدہ کی روح نے مجھ سے اپنا انتقام لینے کے لئے سروجنی کے جسم پر قبضہ کرلیا تھا۔ میں نے اسے ساجدہ کی رُوح سے بچانے کے لئے کئی جاپ کئے اور منتر پڑھے لیکن اُن کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مجھے روی شنکر کے سامنے ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر جب ساجدہ کی روح نے سروجنی کو بے حد کربناک انداز میں تڑپتے دیکھا تو اسے سروجنی پر رحم آگیا اور اُسے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں ہوٹل پہنچا اور دوسرے کمرے میں پہنچ کر راتی دیوی کے لئے جاپ کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دیوی نے درشن دیئے۔ میری آپ بیتی سُن کر مجھے تسلی دی اور میری مدد کا وعدہ کیا مگر اس کے ساتھ ہی اُس نے کہا کہ مجھے اپنے گرو یوگی مہاراج سے مقابلہ کرکے اُسے سزا دینا ہوگی۔ کیونکہ ان سارے معاملات میں اُس کا بھی ہاتھ تھا اور اُس نے جان بوجھ کر مجھے دھوکہ دیا تھا۔ میں نے وعدہ کرلیا اور لاجونتی سے ملا۔ لاجونتی بھی مجھ سے متفق تھی۔ اُس نے پورن لال کے مقابلے میں میری بھرپور مدد کا وعدہ کیا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک دفعہ پھر وندھیا چل کی طرف روانہ ہوگئی۔ میں لاجونتی کو باہر ہی چھوڑ کر گپھا میں داخل ہوا۔ مجھے اُمید تھی کہ پورن لال کے مقابلے میں مجھے یقیناً کامیابی ہوگی۔

پورن لال غار کے اندر منڈل میں بیٹھا جاپ کررہا تھا۔ (خلاصہ) میں اسکے منڈل سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آیا۔ مگر جب اسے میرے ارادوں کا علم ہوا تو اس کے غیض و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ میں اس کا سیوک ہوکر برابر اس کی توہین کررہا تھا چنانچہ اس نے غصے سے بے قابو ہوکر تابڑ توڑ حملے شروع کردیئے! دیتی دیوی برابر میری مدد کررہی تھی اس لئے میں بڑی کامیابی سے بچتا رہا۔ آخر کار دیتی کی ہدایات کے مطابق میں نے اس پر حملہ کیا۔ وہ بے بس ہوگیا اور اس کے کرب و اذیت کی کوئی حد نہ رہی۔ لیکن جب اس نے گڑگڑا کر مجھ سے معافی مانگ لی تو دیوی کے حکم پر میں نے اسے معاف کردیا اور غار سے باہر نکل گیا۔ دو ماہ بعد میں لاجونتی کے ساتھ امرتسر پہنچا جس ہوٹل میں ہم نے قیام کیا اس کا مالک ارجن سنگھ اوّل درجے کا بدمعاش اور عیاش تھا۔ لاجونتی کو دیکھ کر اس نے اسے پھانسنے کی کوششیں شروع کردیں۔ مجھے جب اسکے ارادوں کا علم ہوا تو میں آگ بگولہ ہوگیا۔ مگر لاجونتی نے مجھے سمجھا بجھا کر میرے ارادوں سے باز رکھا اور وعدہ کیا کہ وہ خود ارجن سنگھ کو سزا دے گی۔ اس نے مجھے ارجن سنگھ کی جوان اور حسین بیٹی کلدیپ کا بھی لالچ دیا۔ کلدیپ میرے تصور سے زیادہ خوبصورت ثابت ہوئی اور ارجن سنگھ کی دی ہوئی دعوت میں پہلی مرتبہ اسے دیکھتے ہی میں نے تہیہ کرلیا کہ اسے حاصل کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ خود کلدیپ بھی میری طرف مائل تھی اور اس کا حسین قرب مجھے دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔ چائے کے دوران ارجن نے مجھے زہر دیکر ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر لاجونتی نے اس کی یہ کوشش ناکام بنادی، اور ارجن سنگھ کو ہمیشہ کے لئے اندھا اور بہرہ کردیا۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور کلدیپ کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ کلدیپ کے جسم سے محظوظ ہونے کے بعد میں کمرے سے باہر نکلا میں اور لاجونتی ہوٹل پہنچے اور اسی رات بنارس کے لئے روانہ ہوگئے مگر مجھے وہاں بھی چین نہیں ملا۔ میں ساجدہ کی روح اور اس کی مدد کرنے والی پراسرار قوت کو نیچا دکھانا چاہتا

تھا۔ لاجونتی کے خیال میں یہ، پورن لال کے گرو گوپال داس کی شرارت ہو سکتی تھی۔ اس نے یہ بات کچھ اس طرح کہی کہ میں نے فوراً ہی یقین کر لیا اور پھر دونوں ہمالیہ کی ترائی کی طرف روانہ ہو گئے وہاں مجھے نعیمہ نظر آئی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اب بھی مجھے چاہتی ہے۔ اس نے میری پرجوش حرکتوں پر کسی طرح کا احتجاج نہیں کیا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں آخری قدم اٹھاتا وہ میری گرفت سے نکل گئی اس نے مجھے میری راہ کے خطرات سے آگاہ کیا اور سیدھے اور سچے راستے کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ میں نے اسے اپنی پراسرار قوتوں سے زیر کرنا چاہا مگر اسی لمحے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ صبح لاجونتی سے معلوم ہوا کہ وہ رات کو میرے ساتھ پیش آنے والے حادثات سے واقف تھی۔ اس نے پھر کہا کہ سارے حرکتوں کے پیچھے گوپال داس کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ میں تازہ کھلا ہوا اسے نیچا دکھانے کی غرض سے غار کی طرف بڑھا۔ ساجدہ کی روح نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی اور کفر کو چھوڑ کر حق کی طرف آنے کا مشورہ دیا۔ مگر مجھے انتقام کی آگ نے اندھا کر دیا تھا۔ چنانچہ میں غار میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچا جہاں گوپال داس منڈل کے بیچ میں بیٹھا مجھے اپنی سرخ اور خونناک آنکھوں سے گھور رہا تھا!

اب اگلے واقعات ملاحظہ کیجئے!

گوپال داس

تن و توش کے اعتبار سے مجھ سے کہیں زیادہ تھا۔ اس کے سر اور سینے کے بال خود رو جھاڑیوں کی مانند بڑھ رہے تھے۔ داڑھی اور مونچھ کے لانبے لانبے بالوں نے اُس کے چہرے کے بیشتر حصّوں کو چھپا رکھا تھا۔ بقیہ جسم میل کی تہوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اُسکی آنکھیں دہکتے انگاروں کی مانند روشن تھیں، منڈل کے اندر بیٹھا وہ مجھے بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا، تیور خراب تھے۔

میں نے دل ہی دل میں ادیتی دیوی کا مشبھ نام لے کر قدم آگے بڑھائے۔ لاجونتی نے مجھ سے جو کچھ فرضی نعیمہ کے سلسلے میں بتایا تھا اس نے میرا دماغ پلٹ دیا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ گوپال داس کو ایسا مزا چکھاؤں گا کہ وہ ایک عرصہ تک مجھکو یاد رکھے گا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ میں ایک اہم معرکہ سر کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ رہا تھا کہ گوپال داس کے بھدّے ہونٹوں کو جنبش ہوئی، اُس کی کرخت آواز غار کے در و دیوار سے ٹکراتی ہوئی اُبھری۔

"مُورکھ! جہاں ہے وہیں تھم جا۔ اگر منڈل میں آیا تو جل کر بھسم ہو جائے گا۔"

غصّے کی انتہا کی وجہ سے میں منڈل کے خیال کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ گوپال داس نے احساس دلایا تو میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، لیکن میری نظریں بدستور اپنے دشمن کے چہرے پر مرکوز تھیں

"کون ہو تم، یہاں کیا لینے آئے ہو؟" گوپال داس نے اسی لہجے میں پوچھا۔ میں محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اسے اپنی مصروفیت میں میری مداخلت ناگوار گزری ہے۔ مگر میں اپنی ترنگ میں تھا۔ اُسکی ناگواری کو نظر انداز کر کے کہا۔

"مہاراج! میرا نام منوہر ہے۔ کیا تمہارے بیروں نے تمہیں میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"چلا جا یہاں سے۔" گوپال داس نے حقارت اور بیزاری کے ملے جلے تاثرات چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ "میں جیون تیاگ چکا ہوں، دھرتی پر بسنے والے منشوں سے میرا کوئی سمبندھ نہیں، تجھے یہاں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"ایسا نہ کہو مہاراج!" میں نے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میں تمہارے دوارے سے بھی خالی ہاتھ لوٹ گیا تو پھر جیون میں میرے لئے باقی کیا بچے گا۔"

"بکواس کر، جا دفع ہو جا۔" گوپال داس نے ہاتھ اُٹھا کر مجھے دھتکارا۔ اُس کے لہجے سے بیزاری مترشح تھی۔

"تمہاری آگیا کا پالن کرنا میرا دھرم ہے مہاراج۔ پرنتو میں اس سمے تک یہاں سے نہ ٹلوں گا جب تک تم منڈل سے باہر آ کر میری بات نہیں سن لیتے۔" میں فیصلہ کن آواز میں بولا۔

میرا جواب سن کر گوپال داس اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ اُس کے تیور پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گئے۔ چند ثانیے تک وہ مجھے نفرت بھری نظروں سے گھورتا رہا پھر اُس نے اپنی شعلہ اگلتی آنکھوں کو بند کر لیا میرا خیال تھا کہ وہ پھر اپنے گیان دھیان میں مگن ہو گیا ہوگا منڈل کے اندر میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ میرا وہاں سے مایوس لوٹنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ابھی میں اُسے منڈل سے باہر بلانے کی ترکیب سوچ ہی رہا تھا کہ گوپال داس نے دوبارہ اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اُسکی شعلہ بار آنکھوں میں خون کی سُرخی پہلے سے زیادہ شدید نظر آ رہی تھی۔ تیور بھی انتہائی خطرناک ہو چکے تھے، میں سمجھ گیا کہ اُس نے آنکھ بند کر کے اپنے بیروں سے میرے بارے میں مکمل حالات معلوم کر لئے ہیں، اور اب اسکا منڈل سے باہر آنا ناممکن ہے۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ گوپال داس مجھے گھورتا ہوا اپنا آسن چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ قد و قامت اور جسامت کے اعتبار سے وہ کوئی دیو زاد لگ رہا تھا۔ میرا اور اُس کا مقابلہ شیر اور بھیڑ کا مقابلہ تھا۔ اگر اس وقت میری جگہ کوئی اور معمولی حیثیت کا پنڈت پجاری ہوتا تو دُم دبا کر بھاگ جاتا۔ لیکن میں نے گوپال داس کے تن و توش کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ میرے پاس ادیتی دیوی کی دان کی ہوئی شکتی تھی،

مجھے اپنی مہان شکتی پر بھروسہ تھا۔ پورن لال کو زیر کر لینے کے بعد میرے حوصلے اور بلند ہو چکے تھے۔ چند ثانیوں تک ہم دونوں ایک دوسرے کو عقابی نظروں سے گھورتے رہے پھر گوپال داس نے سپاٹ آواز میں کہا،

"مورکھ، میرا کہا مان، تیری مکتی اسی میں ہے کہ میری آگیا کا پالن کر اور میرے استھان سے چلا جا۔"

"میں تمہاری آگیا کا پالن کرنے کو تیار ہوں گوپال داس جی پرنتو پہلے تمہیں منڈل سے باہر آنا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پاپی۔۔!" گوپال داس کے چہرے کی کرختگی دوچند ہو گئی۔ سرد آواز میں بولا۔ "تو نہیں جانتا کہ اس سمے تو کس شکتی سے بات کر رہا ہے مورکھ، تیرے من میں کیا ہے اور تیرے یہاں آنے کا کارن کیا ہے۔ یہ میں جان چکا ہوں، لاجونتی کی سندرتا کے جال میں پھنس کر تو اپنی اوقات بھول گیا ہے۔"

"منڈل کے اندر کھڑے ہو کر ایک معمولی درجے کا پجاری بھی ایسی باتیں کر سکتا ہے مہاراج" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ "ذرا منڈل سے باہر آکر دیکھو مہاراج، لاجونتی کی سندرتا کا جال تمہیں اور زیادہ سندر نظر آئے گا۔"

"مورکھ! اپنی ہٹ سے باز آجا، تجھے پچھتانا پڑے گا۔" گوپال داس نے تیز آواز میں جواب دیا۔

"اس کا فیصلہ آنیوالا سمے کرے گا مہاراج کہ کسے پچھتانا پڑے گا۔" میں نے گوپال داس کو غصہ دلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم سچ مچ مہان شکتی کے مالک ہو تو مرد بنو اور منڈل سے باہر آکر بات کرو۔"

"کمینے، تو گوپال داس کے منہ آرہا ہے، پورن لال کو کشٹ دے کر تو اونچا اڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔" گوپال داس غصے سے کانپتا ہوا بولا۔ "کیا تجھے اپنے جیون سے کوئی پیار نہیں۔"

"گوپال داس!" اچانک میں نے اسے للکارا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سمے برباد کر رہے ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ تمہارے دن اب پورے ہو چکے ہیں۔ تم نے نعیمہ کے روپ میں کسی اور سندری کو میرے پاس بھیجکر یہی چاہا تھا کہ میں تمہیں کشٹ دینے کا دھیان من سے نکال دوں، پرنتو یہ تمھاری بھول تھی، منوہر کے من کو اس سمے تک چین نہیں آئے گا جب تک تم بھی پورن لال کی طرح اس کے چرنوں میں سر رکھ کر دیا کی بھکشا نہیں مانگو گے۔" میرا جواب سن کر گوپال داس سرتاپا کانپنے لگا، اسکا غصہ اپنے پورے شباب پر تھا، اسکی خون اگلتی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، ایک لمحے تک وہ کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا پھر کڑک کر بولا۔ "اپرادھی، میں آخری بار کہتا ہوں کہ میرے استھان سے چلا جا، میں اس پوتر جگہ کو تیرے گندے خون سے پلید نہیں کرنا چاہتا، تیری مکتی اسی میں ہے۔"

"مہاراج!" میں نے تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم مجھ پر جیون دان کس کارن کر رہے ہو؟"

"پاپی، تیرے من کا کھوٹ تجھے نشٹ کر دے گا، تو نے گوپال داس کے گیان دھیان میں دخل دے کر اچھا نہیں کیا، پرنتو ابھی سمے ہے، میں تجھے شما کر سکتا ہوں۔"

"سچ مہاراج۔" میں نے معصومیت سے کہا، پھر مسکرا کر بولا "اس سمے تم غصے میں مجھے لاجونتی سے زیادہ سندر لگ رہے ہو۔"

"کمینے تو گوپال داس کا اپمان کر رہا ہے۔" گوپال داس اتنی زور سے گرجا کہ در و دیوار تک لرز اٹھے۔ "میں تجھے ایسا سراپ دونگا کہ تیری آتما بھی سدا بیاکل رہے گی۔"

"پورن لال مہاراج نے بھی ایک بار مجھے یہی دھمکی دی تھی پرنتو انجام کیا ہوا؟ کیا تمہارے بیروں نے تمھیں میری شکتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔؟"

"پاپی تو اس طرح نہیں مانے گا۔" گوپال داس نے کڑک کر کہا۔ پھر قدم بڑھاتا ہوا منڈل سے باہر آکر بولا۔ "کمینے، لے میں نے تیرا کہا مان لیا۔"

لاجونتی مجھے بتا چکی تھی کہ گوپال داس کس پائے کا پجاری ہے اس لیے اس کے باہر آتے ہی میں نے ایک منتر کا جاپ شروع کر دیا، دشمن کو موقع دینا دانشمندی کے منافی تھا، میں نے تیزی سے منتر پڑھکر گوپال داس کی طرف پھونکا۔ میرے منتر کے بیروں نے زہریلے ناگوں کے روپ میں نمودار ہو کر گوپال داس پر یلغار کر دی۔ لیکن گوپال داس غالباً منڈل سے

کوئٹہ
میں کتب و رسائل کا خوبصورت مرکز
گوشۂ ادب
متصل ریگل سینما، کوئٹہ
فون نمبر: ۶۰۰۲ - ۵۶۸۱

باہر آتے وقت محتاط ہو چکا تھا۔ اُس نے جھلّا کر اپنا سیدھا پیر زمین پر مارا تو دہکتی آگ کے خطرناک شعلے نمودار ہوئے۔ اور میرے بیروں کو بھسم کر کے غائب ہو گئے، میں نے دوسرا وار کیا۔ گوپال داس نے اُسکا توڑ بھی کر دیا۔ میں نے تیسری بار ایک انتہائی خطرناک اور آزمودہ منتر کا جاپ کر کے حملہ کیا۔ اس بار گوپال داس جہاں کھڑا تھا وہاں کی زمین شق ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ گوپال داس زندہ درگور ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہُوا، زمین پھٹنے سے پہلے وہ ایک پل کو لڑکھڑایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے نہ جانے کیا منتر پڑھا کہ ہوا میں معلق نظر آنے لگا۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ گوپال داس نے مجھے سنجیدہ پایا تو ہنس کر بولا۔

"میں تمہارے گرو کا بھی گرو ہُوں بالک، تم نے مجھ سے ٹکرانے کی بھول کر کے اچھا نہیں کیا، ابھی میں کیول تمہارے منتروں کا توڑ کر رہا ہوں۔ تمہیں جتنے جنتر منتر آتے ہیں سب آزما ڈالو۔ اس کے بعد میں تمہیں گورو اور چیلے کا فرق سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے تلملا کر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ لیکن میرا ایک وار بھی کارگر ثابت نہ ہُوا، گوپال داس مسکرا مسکرا کر میرے حملوں کا توڑ کرتا رہا، مجھے پہلی بار اپنی حماقت کا احساس ہوا، میں نے گوپال داس سے ٹکرانے میں جلد بازی کا ثبوت دے کر اچھا نہیں کیا تھا، اسکی شکتی مہان اور اپرم پار تھی۔ مایوسیوں کی وجہ سے میری حالت ابتر ہو رہی تھی۔ میں سرتاپا پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ گوپال داس نے میری کیفیت دیکھی تو میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے منوہر مہاراج! تم مجھے کچھ بیاکل نظر آ رہے ہو؟۔ کیا تمہارے تمام جنتر منتر ختم ہو گئے؟"

میں غصّے سے تلملا کر رہ گیا۔ قبل اس کے کہ کوئی جواب دیتا گوپال داس نے پھر کہا؛

"اگر آ گیا ہو مہاراج تو دو چار چمتکار میں دکھاؤں"

معاً مجھے یاد آ گیا کہ پورن لال کو زیر کرنے کے لئے ادیتی دیوی نے ایک منتر بتایا تھا، اندھیرے میں اُمید کی کرن نظر آئی تو میرے حوصلے دوبارہ بلند ہو گئے۔ میں نے جلدی سے وہ منتر پڑھ کر گوپال داس کی جانب دیکھا، وہ کسی آہنی چٹان کی طرح اٹل نظر آ رہا تھا۔ میں نے زور سے اس کی سمت پھونکا۔ مجھے قوی امید تھی کہ اب گوپال داس کا بھی وہی انجام ہو گا جو میں یوگی پورن لال کے سلسلے میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت میرا دل سینے میں ڈوبنے لگا۔ جب یہ وار بھی خالی گیا میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔

"کس وچار میں گم ہو مہاراج؟" گوپال داس نے سپاٹ آواز میں کہا۔ پھر کرخت لہجے میں بولا۔ "پاپی! میں نے کہا تھا کہ تو نے میرے استھان میں قدم رکھ کر اچھا نہیں کیا۔ ادیتی دیوی تجھ سے ناراض ہو چکی ہے۔ تیرا سمے اب پورا ہو چکا ہے۔ تو نے مجھے کشٹ دینے کے جو سپنے دیکھے تھے وہ مٹی کے گھروندے کی مانند ٹوٹ چکے ہیں۔ اب میری باری ہے مورکھ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ مہان شکتی کسے کہتے ہیں، لے سنبھل"۔

مجھے اپنی شکست کا احساس خون کے آنسو رلا رہا تھا میں نے موقع کی نزاکت محسوس کر کے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا کسی پراسرار اور نادیدہ قوت نے میرے قدم جکڑ لئے تھے گوپال داس سینہ تانے کھڑا مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا اسکی خون آلود آنکھیں مجھے اپنے وجود میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں اس کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے۔ وہ کسی خطرناک منتر کا جاپ شروع کر چکا تھا۔ میرے پاس مفر کا کوئی راستہ نہ تھا موت کا بھیانک تصوّر میرے وجود کو پگھلا رہا تھا، اچانک گوپال داس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور تیزی سے میری جانب جھٹک دیا۔ دوسرے لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آہنی شکنجوں میں جکڑ گیا ہوں میں آہستہ آہستہ زمین سے اوپر کی جانب اٹھ رہا تھا میں نے ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی لیکن مجھے گوپال داس کے بیروں نے پوری قوت سے جکڑ رکھا تھا۔ میں برابر اوپر کی جانب اٹھ رہا تھا پھر میں فضا میں لہراتا ہوا باہر کی جانب جانے لگا۔ یہ سب خواب کی باتیں نہیں تھیں۔ مجھے گھٹن کا شدید احساس مضطرب کر رہا تھا۔ میں نے ادیتی دیوی کا درشن جاپ کرنے کی ٹھانی لیکن مایوسی میرا مقدر بن چکی تھی۔ اس سے پیشتر کہ میں جاپ شروع کرتا میرے ذہن پر غنودگی کی دھند طاری ہونے لگی میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔ میں نے خود کو ہوش میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور پھر۔ پھر دھند کی دبیز چادر نے مجھے پوری طرح اپنے اندر ضم کر لیا۔ مجھ پر بیہوشی کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ میں خود کو سنبھال نہ سکا۔ اس کے بعد مجھ پر کیا گزری مجھے کچھ یاد نہیں ــــ!!

اندھیروں کی تلخیاں کب تک میرے گرد احاطہ کئے رہیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں مگر جب تاریکی کا غلاف چاک ہوا تو ہر طرف ویرانی تھی۔ میں ایک سنسان جگہ پتھریلی زمین پر پڑا تھا۔ میں نے پلکیں جھپکائیں۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ میں نے اٹھنا چاہا لیکن کراہ کر رہ گیا۔ میرا جوڑ جوڑ

پھوڑے کی طرح درد کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں برسوں سے اسی دلدل میں بے یار و مددگار پڑا ہوا ہوں۔ میں نے اپنے ذہن پر زور ڈالا۔ آخری بار میں گوپال داس سے مخاطب تھا۔ مجھے ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ ذہن پر طاری بوجھل غنودگی چھٹی تو میں ہونٹ چبانے لگا۔ میں منوہر تھا۔ منوہر جس نے کالی اور شیوشنکر مہاراج کو خوش کرنے کے لئے بھیک کی تھی۔ میں ادیتی دیوی کے کٹھن جاپ میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے مہان شکتی حاصل کی تھی۔ اجیت کمار نے مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی میں نے اسے پیروں تلے مسل دیا۔ اس کی حیثیت میرے سامنے زمین پر رینگنے والے حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں تھی۔ مجھے اجیت کے بعد پورن لال کا دھیان آیا۔ پورن لال جو میرا گرو تھا جس نے ایک داؤ چھپا رکھا تھا لیکن میں نے ادیتی کے آشیرواد سے اسے بھی اپنے قدموں پر جھکنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ لمحات کس قدر مسرت انگیز تھے لیکن آج ان کا تصور میرے لئے بڑا اذیت ناک تھا گوپال داس نے مجھے ایک ہی جاپ کے ذریعہ زیر کر دیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ سب کچھ کیونکر ممکن ہوا۔ حالات کے تانے بانے درمیان سے الجھ گئے تھے۔

میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ مجھے ان دیوی دیوتاؤں پر شدید غصہ آ رہا تھا جنہوں نے مجھے آسمان پر چڑھایا پھر اٹھا کر زمین پر لا ڈالا تھا۔ میں تلملا کر اٹھا ہوا اٹھا۔ دور دور تک کسی انسان کا سراغ نظر نہیں آتا تھا۔ میں لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ میرا ذہن جوڑ توڑ میں ہونے والی تکلیف سے چکرا رہا تھا۔ ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ پشت سے کسی نے میرا نام لے کر آواز دی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے گھوم کر دیکھا تو لاجونتی میرے سامنے کھڑی تھی۔

"تم ——" میں ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔

"ہاں مہاراج، میں، تمہاری داسی" لاجونتی نے بڑے پیار سے جواب دیا، میرا پارہ چڑھ گیا۔

"کمینی، تو اس وقت کہاں مر گئی تھی جب گوپال داس مجھے کاٹ رہا تھا" میں نے غصے سے چلا کر کہا۔

"میں مجبور تھی مہاراج، مجھے حالات کا علم بعد میں ہوا" لاجونتی نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

"بکواس نہ کر" میں کڑک کر بولا "میرا ایمان تیرے کارن ہوا ہے تو نے ہی مجھے گوپال داس سے ٹکرانے کا مشورہ دیا تھا۔ تو نے کہا تھا کہ میں مہان شکتی کا مالک ہوں، تو نے مجھے وشواس دلایا تھا کہ ادیتی دیوی کی مہان شکتی اپرم پار ہے۔ وہ میری سہائتا کرے گی۔ پر تو ایسا نہیں ہوا۔ کیوں؟"

لاجونتی خاموش کھڑی رہی۔ میں دیوانگی کے عالم میں اسے جی بھر کر گالیاں دیتا رہا، جب میں اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو لاجونتی نے بدستور ہاتھ باندھے ہوئے کہا۔

"منوہر، میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ سچ تھا پر تو تم سے بھول ہو گئی"

"بھول ہو گئی مجھ سے" میں نے جھلا کر کہا۔ "بتا مجھ سے کیا بھول ہوئی تھی؟"

"دھیرج سے کام لو منوہر، تم اب بھی مہان شکتی کے مالک ہو" لاجونتی بولی "جس سمے تم غار میں گئے اس سمے گوپال داس شیوشنکر مہاراج کے جاپ میں مگن تھا۔ تمہارے چرنوں کی چاپ نے گوپال داس کے گیان دھیان میں خلل ڈالا تو دیوتاؤں کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ تمہیں شیوشنکر کی ناراضگی نے شکست دی ہے منوہر، اس میں گوپال داس کی شکتی کو کوئی دخل نہیں"

"ادیتی دیوی نے میری سہائتا کیوں نہیں کی؟" میں نے کسی قدر نرم پڑتے ہوئے پوچھا۔

"ادیتی مہان ہے منوہر، وہ اپنے سیوکوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی، وہ تمہاری سہائتا اوش کرے گی پر تو اب تمہیں اسکے لئے سمے کا انتظار کرنا پڑے گا"

لاجونتی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں لیکن اتنا میں بہرحال جانتا تھا کہ منڈل میں بیٹھے ہوئے کسی پجاری کو اس وقت چھیڑنا جب وہ کسی جاپ میں مگن ہو ہمیشہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اس کے باوجود میری جھلاہٹ کم نہیں ہوئی۔ میں لاجونتی کو گھورتے ہوئے بولا

"گوپال داس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا کیا اس کی خبر دیوی کو نہیں تھی؟"

"دیوی من کا بھید بھی جانتی ہے منوہر، پر تو تمہاری بھول نے اسے بھی ناراض کر دیا تھا" لاجونتی نے کہا پھر جلدی سے بولی "تمہیں اتنی جلدی نراش نہیں ہونا چاہیئے۔ دیوی کی کرپا تمہیں تمہاری آشاؤں میں اوش سپھل کرے گی"

لاجونتی کا جواب میری تسلی کے لئے ناکافی تھا۔ میرے دل میں گوپال داس سے انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ سکون کا ایک ایک لمحہ مجھ پر بوجھ تھا۔ میں نے لاجونتی سے کچھ اور کہنا چاہا لیکن لاجونتی نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے وہ بولی۔

"دیوی دیوتاؤں کے بھید دیوی دیوتاؤں کو ہی معلوم ہوتے ہیں منوہر، منش کو ہمت سے کام لینا چاہیئے، کون جانے کل کیا ہونے والا ہے ہو سکتا ہے کہ گوپال داس کو تم سے معافی مانگنی پڑے"

"معافی۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "اس خیال کو دل سے نکال دو لاجونتی کہ میں اسے معاف کر دوں گا، جب تک میں اسکے خون سے اپنی انتقام کی آگ کو سرد نہ کر لوں گا مجھے چین نہیں ملے گا۔"

"کیا تم لاجونتی کی پرارتھنا بھی نہیں سنو گے منوہر۔" لاجونتی مجسم التجا بن گئی۔ حسن نے عشق کے سامنے جھولی پھیلائی تو میں موم پڑ گیا۔ قدرے نرم آواز میں بولا۔

"تمہارا کہا میں نے کبھی نہیں ٹالا لاجو پر تو میں اپنے ایمان کو نہیں بھلا سکتا۔"

لاجونتی نے مجھے نرم پڑتے دیکھا تو میرے اور قریب آ گئی۔ اس نے مجھے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"منوہر، میرا من کہتا ہے کہ گوپال داس کے جیون کے دن اب پورے ہو چکے ہیں۔ شیو شنکر مہاراج کے کارن ادیتی دیوی نے تمہاری سہائتا نہیں کی لیکن وہ اپنے سیوک کا اپمان کبھی نہیں برداشت کرے گی، وجے اوشیہ تمہاری ہو گی۔"

حالات سے سمجھوتہ کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ہر چند کہ گوپال داس کے مقابلے میں اپنی شکست کا احساس میرے لئے ناقابل برداشت تھا لیکن میں نے مصلحتاً وقت کے تقاضوں سے مفاہمت کر لی۔ لاجونتی مجھے سمجھاتی رہی، اسے میری جسمانی تکلیف کا خیال آیا تو اس نے میرے اوپر نہ جانے کیا منتر پڑھ کر پھونکا کہ میں یکلخت بھلا چنگا ہو گیا۔ میری تمام تکلیفیں پلک جھپکتے میں دور ہو گئیں۔ میں جانتا تھا کہ لاجونتی کے پاس بھی کچھ طاقتیں تھیں، وہ اندر دیوتا کے سبھا کی اپسرا تھی۔ پورن لال نے بھی اس کی سیوا سے خوش ہو کر کچھ شکتیاں اسے دان کر دی تھیں۔ میں نے اس حسین سہارے کو چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یوں بھی لاجونتی کے مجھ پر بڑے احسان تھے۔ میں نے احسانوں کا بدلہ چکانے کی خاطر آگے بڑھ کر اسے اپنی کشادہ آغوش میں بھینچ لیا۔ اس کی خود سپردگی کا انداز قیامت تھا۔ میں نے پیش قدمی کی۔ لاجونتی کی نشیلی آنکھوں نے مجھے اکسایا تو مجھ پر درندگی طاری ہو گئی۔ اس درندگی میں نشے کی شدت بھی شامل تھی میں حسن کے نشیب و فراز میں ڈوب کر سب کچھ بھول گیا۔

لاجونتی میری آغوش میں پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔ میں اس کے کومل شریر کو روندر ہا تھا کہ یکلخت ایسے لگا جیسے کوئی قریب میں موجود ہو۔ میں نے تیزی سے نظریں گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا لیکن اس ویرانے میں میرے اور لاجونتی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میں دوبارہ اپنی درندگی میں مصروف ہو گیا لیکن نہ جانے کیوں مجھے رہ رہ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی میرے بہت قریب کھڑا ہے، دو خون آلود آنکھیں جیسے میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی ہیں۔ میں اس احساس کو کوئی نام نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے گوپال داس کا تصور ابھی تک میرے لاشعور میں موجود رہا ہو۔ میں اس احساس کو بار بار اپنے ذہن سے جھٹک رہا تھا لیکن جتنا میں نے اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی اتنا ہی الجھتا گیا۔ لاجونتی نے میری الجھن کو بھانپا تو سنجیدگی سے بولی۔

"منوہر، کس وچار میں گم ہو؟"

"مجھے اس ویرانے میں کسی تیسری شخصیت کی موجودگی کا احساس ہو رہا ہے۔" میں نے صاف گوئی سے جواب دیا تو لاجونتی یکلخت کسمسا کر مجھ سے علیحدہ ہو گئی۔ چند لمحے وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی پھر میں نے اس کی آنکھوں میں بھی خوف کے احساس کو ابھرتے دیکھا اس کے چہرے کی شگفتگی ماند پڑ رہی تھی۔ میں نے متحیرانہ انداز میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیتوں کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"لاجونتی، تم مجھے کچھ بیاکل نظر آ رہی ہو؟"

"منوہر۔" لاجونتی نے میری کلائی تھامتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اپنی آنکھیں بند کر لو، ہمیں یہاں سے فوراً جانا پڑے گا۔"

"کیوں۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ دیوی کی آگیا ہے منوہر۔" لاجونتی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن۔" میں نے وضاحت طلب کرنی چاہی مگر لاجونتی نے میرا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے کہا۔

"سمے برباد نہ کرو منوہر، اس علاقے میں ہم دونوں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہاں پلید آتماؤں کا بسیرا ہے جو ہمیں گھیر رہی ہیں۔ جلدی کرو منوہر اپنی آنکھیں بند کر لو۔"

لاجونتی نے اس قدر سہمے ہوئے لہجے میں یہ بات کہی کہ میں نے بھی وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور جلدی سے آنکھیں بند کر لیں دوسرے ہی لمحے ایسا لگا جیسے میں تیزی سے فضا میں بلند ہو رہا ہوں۔ یہ تجربہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا اس لئے میں خوفزدہ نہیں ہوا اور سختی سے آنکھیں بند کئے رہا کچھ دیر بعد لاجونتی کے کہنے پر دوبارہ آنکھیں کھولیں تو خود کو کسی مندر کے اندر کھلے صحن میں پایا۔ لاجونتی نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میرا تجسس بڑھ رہا تھا۔ میں لاجونتی سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ دیوی نے اسے کس خطرے سے آگاہ کیا تھا؟ کیا دیوی کی جہاں شکتی پلید آتماؤں کو ختم نہیں کر سکتی تھی؟ لیکن مشتبہ اس کے کہ میں اس سے اپنے تجسس کی وضاحت طلب کرتا میں نے اسے ہاتھ باندھ

جھکتے دیکھا۔ وہ کسی پجاری کے سامنے ڈنڈوت کر رہی تھی۔ میں نے اس پجاری کو دیکھنے کی خاطر پشت پر نظر ڈالی تو وہاں پورن لال کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اس وقت کرختگی کے تاثرات موجود تھے۔ وہ خطرناک تیور اور قہر آلود نظروں سے لاجونتی کو دیکھ رہا تھا مجھے اپنی موجودگی میں پورن لال کی یہ حرکت ناگوار گزری میں اُسے سرزنش کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے کرخت آواز میں لاجونتی کو مخاطب کیا۔

"کلنکنی، تو نے اپنے شریر کی پیاس بجھانے میں مہاراج کا دھیان بھی من سے نکال دیا۔ کیا دیوی نے اسی کارن تجھے وہاں بھیجا تھا؟"

"شما کر دو مہاراج، مجھ سے بھول ہو گئی۔" لاجونتی نے بنتی کرتے ہوئے کہا۔

"پاپن" پورن لال سرد لہجے میں بولا۔ "اگر منوہر کو کچھ ہو جاتا تو دیوی ..... تجھے کبھی شما نہ کرتی۔"

"میں تمہارے آگے ہاتھ باندھ کر شما کی بھکشا مانگتی ہوں مہاراج پھر کبھی ایسی بھول نہیں ہو گی"

لاجونتی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ پورن لال نے چونکہ میری طرفداری میں لاجونتی کو ڈانٹا تھا اس لئے میں نے اُسے سرزنش کرنیکا ارادہ ترک کر دیا اور سپاٹ آواز میں کہا۔

"جانے دو پورن لال، جو کچھ ہوا اس میں لاجونتی کے ساتھ میری بھی غلطی تھی۔"

پورن لال میری مرضی پا کر خاموش ہو گیا۔ پھر مجھے اپنے ہمراہ مندر کے اندر ایک کوٹھری میں لے گیا جو غالباً ایک مدت سے خالی پڑی تھی ایک پلنگ اور دو کرسیوں کے علاوہ وہاں کوئی اور ساد و سامان نہیں تھا کوٹھری میں داخل ہو کر پورن لال بولا۔

"پدھارو مہاراج، میں تمہارے لئے بھوجن کا بندوبست کرتا ہوں۔"

پورن لال کی آواز میں کسک محسوس کر کے میں تاڑ گیا۔ کہ میرے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد وہ مجھے مہاراج کہنے پر مجبور ہو گیا ہے اسکے چہرے پر خفگی اور احساسِ کمتری کے ملے جلے تاثرات موجود تھے۔ اپنا جملہ مکمل کر کے وہ جانے کے لئے گھوما تو میں نے اسے روکتے ہوئے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"پورن لال، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس وقت کچھ بیاکل اور کھچے کھچے لگ رہے ہو۔"

"تم آرام کرو مہاراج میں تمہارے بھوجن کا بندوبست کر کے ابھی آتا ہوں۔" پورن لال میری بات نظر انداز کر کے دوبارہ پنجوں کے بل گھوما تو مجھے اس پر ترس آ گیا۔ میں نے اسے ایک عرصے تک اپنا گرو کہا تھا۔ اسے مجھ پر برتری حاصل تھی لیکن ادیتی دیوی کے منتر نے اسے میرے قدموں پر جھکنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس وقت اس کی بھی بھی حالت دیکھ کر مجھے رحم آ گیا۔ میں نے اسے دوبارہ روکتے ہوئے قدرے نرم آواز میں کہا۔

"سنو پورن لال، حالات نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں تمہیں تمہاری غلطیوں کی سزا دوں لیکن اب میرے من میں تمہاری طرف سے کوئی کھوٹ نہیں، جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ، وہ دیوی کی مرضی تھی، تم اب مجھے منوہر یا برہمچاری کے نام سے پکار سکتے ہو۔"

پورن لال نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اپنی جگہ خاموش اور نظریں جھکائے کھڑا ہونٹ چباتا رہا۔ میں نے اس کی خاطر خواہ دلجوئی کی تو اسکے دل کا غبار چھٹ گیا۔ بڑی عقیدت سے بولا۔

"منوہر، تم سچ مچ مہان شکتی کے مالک ہو، تم نے میری غلطیوں کو شما کر کے مجھے خرید لیا ہے۔ میں وچن دیتا ہوں کہ اب کبھی تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا"

"مجھے وشواس ہے پورن لال کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اسے اوشیہ پورا کرو گے" میں نے خلوص دل سے اسے معاف کرتے ہوئے کہا پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پورن لال مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھتا ہوا کوٹھری سے باہر چلا گیا۔

کھانا کھانے کے بعد میں تھکن دور کرنے کے خیال سے لیٹ رہا۔ پورن لال نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ مندر ہی کے اندر موجود رہے گا۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو اسے بلا لیا جائے۔ میں بری طرح تھکا ہوا تھا لیٹتے ہی کچھ دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔ میں کتنی دیر تک محوِ خواب رہا مجھے کچھ یاد نہیں، البتہ جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ میں اٹھ کر کوٹھری سے باہر آیا۔ منہ ہاتھ دھونے سے طبیعت کچھ ہلکی ہوئی۔ دوبارہ کوٹھری کی سمت جانے لگا تو پورن لال راستے میں مل گیا۔ لاجونتی بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ دونوں کے چہرے ستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے پورن لال جی، کس وچار میں مگن ہو؟"

"منوہر" پورن لال اپنا نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "گرو گوپال داس نے تمہارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے اس کی خبر مجھے لاجونتی سے مل چکی ہے مجھے یہ خبر سن کر دکھ ہوا۔"

"کیسے کی بات ہے پورن لال؟" گوپال داس کا نام سن کر میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھ سے بھول ہو گئی تھی جو گوپال داس کو جاپ کرتے سمے

للکار بیٹھا. پرنتو جب تک میں اس سے اپنے اپمان کا بدلا نہ چکالوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"تم نے مجھے شما کر کے بڑی کرپا کی ہے برہمچاری، اگر تمہاری آ گیا ہو تو میں گوپال داس سے تمہارے اپمان کا بدلہ لینے کو تیار ہوں۔"

"نہیں ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "گوپال داس نے میرا اپمان کیا ہے، وہ میرا دشمن ہے، میں ہی اس کے گھمنڈ کو توڑوں گا۔"

پورن لال نے بہتیرا چاہا کہ میں اسے گوپال داس سے ٹکرانے کی اجازت دے دوں لیکن میں نے اسے سختی سے منع کر دیا. گوپال داس کا ذکر چھڑ جانے سے میری طبیعت پھر مکدر ہو گئی تھی. میں نے کچھ سوچ کر لاجونتی سے پوچھا۔

"مجھے یہاں اس مندر میں کیوں لایا گیا ہے؟"

"دیوی کی یہی آ گیا تھی مہاراج" لاجونتی نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا "مندر کا پوتر استھان تمہیں گندی آتماؤں سے محفوظ رکھے گا۔ دیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ جب تک اس کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے تم مندر سے باہر نہیں نکلو گے"

"وہ کس لئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دیوی نے مجھے اس کا کارن نہیں بتایا تھا۔"

لاجونتی کی بات نے مجھے سوچ میں ڈال دیا پہلے میں یہی سمجھا تھا کہ اس نے مجھے ویرانے میں بھٹکنے والی گندی ارواح سے محفوظ رکھنے کی خاطر مندر میں پہنچایا ہے لیکن اب میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ میری حیثیت مندر میں ایک قیدی کی سی ہے جہاں پورن لال کو مجھ پر تعینات کیا گیا ہے. میں اپنے خیالات میں گم تھا کہ معاً ایک نیا خیال بڑی سرعت سے میرے ذہن میں ابھرا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ پورن لال نے اپنی سابقہ شکست کا انتقام لینے کی خاطر مجھے اپنے کسی سنہری جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہو اور لاجونتی اس کا ساتھ دے رہی ہو؟" اس خیال کے ابھرتے ہی میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، میں نے پورن لال کو گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"پورن لال تم اس مندر میں کب سے ہو؟"

"میں آج ہی آیا ہوں منوہر، دیوی کی آ گیا تھی کہ میں تمہارا سواگت کروں"

"کیا دیوی نے تم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ مجھے اس مندر میں کب تک رہنا پڑے گا؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"دیوی کی شکتی اپرم پار ہے برہمچاری" پورن لال نے کہا۔ "سیوک کی اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ دیوی دیوتاؤں سے کسی آ گیا کا کارن پوچھے۔"

پورن لال کا جواب معقول تھا میں پھر سوچ میں پڑ گیا حالات کے تانے بانے ایک بار پھر میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنے لگے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گوپال داس کے ہاتھوں اپنی شکست کو کیا سمجھوں؟ لاجونتی اور پورن لال کے بارے میں کیا سوچوں؟ میرا ذہن قلابازیاں کھاتا رہا اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ادیتی دیوی کے لئے درشن جاپ کروں اور براہ راست اس سے حقیقت معلوم کر لوں، یہ خیال زیادہ مناسب تھا چنانچہ میں نے اسی وقت اشنان کیا اور اپنی کوٹھری میں جا کر مرگ چھالے پر بیٹھ کر ادیتی دیوی کا درشن جاپ شروع کر دیا. جاپ کے بول دہراتے دہراتے مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی مجھے وقت کا احساس نہیں رہا میں پوری توجہ سے اپنے جاپ میں منہمک تھا کہ صندل کی تیز خوشبو کا ایک جھونکا میری ناک سے ٹکرایا، یہ دیوی درشن کی علامت تھی. میں نے اپنی آنکھوں کو سختی سے بھینچ لیا. چند لمحوں تک گھپ اندھیرا طاری رہا. پھر تاریکی کے بادل چھٹے تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، میری آنکھیں بدستور بند تھیں لیکن میں ادیتی دیوی کو دیکھ رہا تھا، دیوی جو آکاش کی کام سندرتا کو اپنے کومل مکھ پر سمیٹے میرے سامنے پروقار انداز میں کھڑی مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی میں نے دیوی کو مخاطب کرنا چاہا لیکن اس سے پیشتر ہی دیوی کے یاقوتی ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"منوہر، تم نے میرا درشن جاپ کر کے مجھے بلایا ہے، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دیوی، تیرا سیوک بیاکل ہے، میرے من کو شانت کر"

"دھیرج سے کام لو منوہر" ادیتی دیوی نے اپنا خوبصورت ہاتھ اٹھا کر مجھے اشارے سے چپ رہنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تمہاری بے چینی کا کارن کیا ہے، دیوی اپنے سیوک کے من کا حال سمجھ رہی ہے پرنتو بھول تمہاری ہی تھی. تم نے شیو شنکر کے سیوک کو منڈل میں جاپ کرتے سمے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا تھا"

"وہ میری بھول تھی دیوی، مجھے شما کر دے۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔

"منش اگر بھول کرے تو اسے شما کیا جا سکتا ہے. پرنتو تم ایک پجاری ہو منوہر، تم نے مہان شکتی پراپت کی ہے اور جو پجاری مہان شکتی پراپت کر لیتا ہے اسے دیوی دیوتاؤں کی مرضی کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔" اس بار دیوی نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "تمہاری بھول نے گوپال داس کو تمہارے مقابلے میں سپھل کیا ہے، اب تمہارا اس پر وجے پانا بڑا کٹھن ہو گیا ہے"۔

بھوکا

محمود کو راستے میں اس کا دوست امجد ملا۔ محمود نے مزاج پرسی کے بعد کہا

"امجد کہاں جا رہے ہو؟"

"ذرا گھومتے پھرنے نکلا ہوں تاکہ بھوک لگ جائے تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں بھوکا ہوں اور روٹی کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

مرسلہ: اقبال بھٹی، کراچی

"ایسا نہ کہہ دیوی۔" میں نے تڑپ کر کہا۔ "اپنے سیوک کو ایک چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دے، میں ہاتھ باندھ کر شما کی بھکشا مانگتا ہوں مجھے نراش نہ کر دیوی نہیں تو تیرا سیوک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔"

"کیا تم گوپال داس سے اپنا انتقام لینے کو بہت بیاکل ہو؟" دیوی کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"میرا ان اسی میں ہے دیوی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں تیری اِچھا (خواہش) کے انوسار اسے کشٹ دینے گیا تھا۔ لاجونتی نے مجھ سے یہی کہا تھا اگر میں اسے سراپ دینے میں سپھل ہو گیا تو میں تیرا مہان سیوک بن جاؤں گا۔"

"لاجونتی نے غلط نہیں کہا تھا پرنتو تمہاری بھول نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔"

"میں مر جاؤں گا دیوی۔ مجھ پر کرپا کر۔" میں رد ہانسی آواز میں بولا۔ "میں تیری آگیا کے پالن میں اپنا جیون بھی بلیدان کر سکتا ہوں مجھے شما کر دے دیوی، میری سہایتا کر۔"

"میں تمہیں شما کر سکتی ہوں۔ پرنتو تمہیں اس کے لئے بھینٹ دینی ہو گی۔" دیوی نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ مجھے تاریکی میں امید کی کرن نظر آئی تو جلدی سے بولا۔

"میں تیری آگیا پر اپنا جیون بھی بھینٹ کرنے کو تیار ہوں۔"

"تمہاری بھگتی مجھے پرسن ہے منوہر۔" دیوی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر شیو شنکر کا بچن نہ ہوتا تو میں تمہیں شما کر دیتی۔ پرنتو اب تمہیں کیول شیو شنکر ہی شما کر سکتا ہے اس کے لئے تمہیں بھینٹ دینی ہو گی۔"

"میں تیار ہوں اے مہان دیوی۔"

"تمہیں شیو شنکر کو خوش کرنے کے لئے کال کے چرنوں میں کسی سُندر ناری کی بھینٹ دینی ہو گی۔" دیوی نے جواب دیا۔ "کیول یہی ایک طریقہ ہے جو تمہیں گوپال داس کے مقابلے میں سپھل کر سکتا ہے۔"

"میں شیو شنکر مہاراج کے کارن دھرتی کی تمام سندر ناریوں کو بھینٹ چڑھا سکتا ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تیرے سیوک کے لئے یہ کام مشکل نہیں ہو گا۔"

"جذباتی مت بنو منوہر، میری بات دھیان سے سنو۔" دیوی نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شیو شنکر کے لئے ناریوں کی کمی نہیں، تمہاری بھینٹ تمہارا امتحان ہو گی۔ تمہیں کالی کے پوتر چرنوں پر کسی ایسی ناری کو بھینٹ چڑھانا ہو گا جو تمہارے من مندر میں اپنا گھر بنا چکی ہو۔"

"نغمہ۔" میرے ذہن میں فوری طور پر نغمہ کا نام ابھرا۔ وہی ایک واحد لڑکی تھی جس سے میں نے صحیح معنوں میں پیار کیا تھا لیکن بعد کے حالات نے مجھے اس سے متنفر کر دیا تھا۔ میں اس سے آہستہ آہستہ دور ہوتا چلا گیا۔ طاقت کے نشے نے اس کی یاد کو میرے ذہن کے پردوں سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ لیکن میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اب بھی اس کی یاد دبی ہوئی تھی۔

"کس وچار میں کھو گئے منوہر۔" دیوی نے مجھے خاموش دیکھ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا تم شیو شنکر کیلئے بھینٹ دینے کو تیار نہیں۔؟ تمہیں فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہے۔"

"سیوک کی کیا مجال جو وہ دیوی دیوتاؤں کی آگیا کا پالن کرنے سے انکار کر دے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"پھر کس وچار میں گم تھے؟"

"دیوی۔" میں ڈرتے ڈرتے بولا۔ "میرے من میں کیول ایک ہی ناری نے گھر بنایا تھا۔ پرنتو وہ لڑکی مسلمان ہے، کیا دیوتا اسے سویکار کریں گے؟"

"اگر تمہاری لگن سچی ہو گی تو تمہاری بھینٹ اوش سویکار کی جائے گی۔"

"میں یہ بھینٹ دینے کو تیار ہوں اے مہان دیوی۔" میں بلا تامل بولا۔ "تیری بڑی کرپا جو تو نے اپنے سیوک کو راستہ دکھایا۔"

"تمہیں ایک سچے سیوک کی حیثیت سے مجھے ایک وچن اور دینا ہو گا۔" دیوی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بولو، کیا تم تیار ہو؟"

" میں تن من دھن سے تیار ہوں " میں نے تیزی سے جواب دیا

" اب جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے دھیان سے سنو " دیوی نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ " جب کوئی پجاری دیوتاؤں کو ناراض کرتا ہے تو دیوتا اسے شما کرنے سے پہلے اس کا امتحان بھی لیتے ہیں۔ تمھاری بھینٹ سویکار کرنے سے پہلے یا بعد میں ہوسکتا ہے کہ شیو شنکر تمھارا امتحان بھی لے "

" میں ہر امتحان کے لئے تیار ہوں دیوی "

" سنتے رہو منوہر۔ " دیوی نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا : " دیوتاؤں کا امتحان بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ تم میرے مہان سیوک ہو اس لئے میں تمھیں پہلے سے بتا رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ دیوتاؤں کی طرف سے بھیجی ہوئی آتمائیں تمھارے راستے میں رکاوٹیں پیدا کریں ممکن ہے وہ بھانت بھانت کے روپ میں آئیں اور تمھارے من میں دیوی دیوتاؤں کی جانب سے کھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہی سمے تمھارے امتحان کا ہوگا۔ اگر تم نے ان آتماؤں کو دھتکار دیا۔ تو سپھل ہوگے اگر ان کی باتوں میں آ گئے تو پھر دیوتا تم سے سدا کے لئے روٹھ جائیں گے "

" ایسا نہیں ہوگا دیوی " میں نے اُسے جلدی سے یقین دلاتے ہوئے کہا " منوہر نے بڑی کٹھنائیاں اٹھانے کے بعد اور بڑی کٹھن پریکشا کے بعد دیوی دیوتاؤں کا آشیرواد پراپت کیا ہے۔ گندی آتماؤں کی پلید شکتیاں میری راہ میں رکاوٹ نہیں پیدا کرسکتیں۔ میں ویر (بہادر) بنکر ان کا مقابلہ کروں گا۔ "

" مجھے وشواس ہے منوہر کہ تم اوش اپنی آشاؤں میں سپھل ہوگے۔ " دیوی نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بڑی نرم آواز میں بولی۔ " میرا آشیرواد تمھارے ساتھ ہے "

ادیتی دیوی کا آشیرواد حاصل کر لینے کے بعد میری ہمت بڑھ گئی۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ اب میں بہت جلد روٹھے ہوئے شیو شنکر مہاراج کو رام کروں گا اور پھر مہان شکتیوں کا مالک بن جاؤں گا۔ دیوی کی نظر کرم نے مجھے نئی زندگی بخشی تھی۔ میں نے کچھ توقف کے بعد مندر سے باہر جانے کے لئے پوچھا تو دیوی مسکرا کر بولی۔

" اب تم جاسکتے ہو منوہر۔ پرنتو جو وچن تم نے مجھے دیا ہے اس کا دھیان رکھنا۔ اگر تمھارے پگ (قدم) ڈگمگا گئے تو پھر تمام جیون بھٹکتے پھروگے۔ "

میں نے ایکبار پھر دیوی کو یقین دلایا کہ میں ثابت قدم رہونگا میں ادیتی سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کیا میں کالی کے چرنوں میں بھینٹ دینے کے بعد پھر گوپال داس سے ٹکرا سکتا ہوں یا نہیں۔؟ لیکن دیوی پلک جھپکتے میں میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو مجھے ایسا لگا جیسے بہت دیر تک سونے کے بعد جاگا ہوں۔ ادیتی کے درشن اور اس کی باتوں نے میرے حوصلوں کو بلند کر دیا تھا۔ میں اپنے دل و دماغ میں نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ مرگ چھالے سے اٹھ کر کوٹھری کے باہر نکلا تو پورن لال اور لاجونتی دونوں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ میں نے پورن لال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" پورن لال! کیا تم بتا سکتے ہو کہ نعیمہ آجکل کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔؟ "

" نعیمہ ـــ " پورن لال نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر دبی زبان میں بولا ـــ " نعیمہ آجکل پٹنہ میں ایک پنڈت شرن لال کے پاس ہے ـــ "

" پنڈت کے پاس ـــ " میں نے تیزی سے کہا " کیا وہ اپنی مرضی سے وہاں گئی ہے ؟ "

پورن لال جواب دیتے ہوئے ہچکچایا تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں نعیمہ کو حالات کے تانے بانے میں الجھ کر بھول گیا تھا لیکن بہرحال وہ میری بیاہتا بیوی تھی سو ایسی صورت میں بھلا میں یہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی پنڈت اس کے کومل شریر کو میلا کرے۔ میں نے کڑک کر پوچھا ـــ " تم چپ کیوں ہو پورن لال۔؟ میرے سوال کا جواب دو "

پورن لال ڈرتے ڈرتے بولا " منوہر مہاراج تمھاری دھرم پتنی اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی۔ شرن لال زبردستی اسے اٹھا لے گیا تھا۔ تم اس سے روٹھ گئے تھے اس لئے میں نے شرن لال کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کی۔ پرنتو اب اگر تمھاری آگیا ہو مہاراج تو میں تمھاری سندری کو واپس لا سکتا ہوں۔ "

" بکواس مت کرو۔ دُور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ " میں نے پورن لال کو حقارت سے گھورتے ہوئے کہا پھر لاجونتی سے مخاطب ہوا۔ " کیا تم جانتی ہو کہ وہ کمینہ شرن لال کہاں مل سکتا ہے "

" مجھے معلوم ہے مہاراج " لاجونتی نے ہاتھ جوڑ کر سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ پورن لال میری گھُڑکی سن کر بھیگی بلی کی طرح گردن جھکا کر میرے سامنے سے ہٹ گیا۔

"مجھے وہاں فوراً لے چلو لاجونتی" میں ٹھوس لہجے میں بولا "میں شرن لال کو نرکھ میں جھونکنے کے بعد نغیمہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں"

لاجونتی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میرا غصہ اپنے پورے شباب پر تھا۔ ادیتی دیوی کی باتوں نے میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں کو کرید کر نغیمہ کی یاد کو تازہ کیا تھا۔ نغیمہ جس کے باپ نے مجھے سہارا دیا تھا پھر نغیمہ کے قرب نے مجھے زندگی کی رنگینیوں سے روشناس کرایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتی تو میں آج نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوتا۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ مجھے نغیمہ کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین لمحات یاد آ رہے تھے۔ مجھے یہ تصور ہی خون کے آنسو رلانے کے لئے بہت کافی تھا کہ میری نغیمہ کسی پنڈت کے شکنجے میں ہے۔ شرن لال کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں اپنے دل میں اس کے لئے شدید نفرت محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لاجونتی کے کہنے پر میں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک نیم پختہ مکان کے سامنے پایا۔ میرے دریافت کرنے پر لاجونتی نے بتایا کہ وہی شرن لال کی رہائش گاہ ہے۔ میں نے لاجونتی کو باہر رکنے کو کہا اور خود ہونٹ چباتا مکان کے اندر داخل ہوا۔ سب سے پہلے میری نظر جس پر پڑی وہ نغیمہ تھی۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر نغیمہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے چہرے پر خوشی اور صدمے کی ملی جلی کیفیت ابھری۔ پھر وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"شبیر، تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ میں نے تمہاری تلاش میں دربدر کی خاک چھانی ہے۔ کتنے دکھ جھیلے ہیں تم کیا جانو؟"

"فکر مت کرو نغیمہ۔ اب میں آگیا ہوں۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا پھر خشک آواز میں پوچھا: "تمہیں یہاں کون لایا ہے؟ کیا تم یہاں خوش ہو؟"

"یہ تم کہہ رہے ہو شبیر، تم؟" نغیمہ نے مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے کرب عیاں تھا۔ ویران نگاہوں سے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ کر بولی۔ "کیا تم سوچ سکتے ہو شبیر کہ میں تمہارے سوا کسی اور کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔ کیا تمہارا دل گواہی دیتا ہے کہ میں کسی کافر کے ساتھ اپنی مرضی سے آئی ہوں گی۔"

"مجھے شرمندہ نہ کرو نغیمہ، مجھے حالات کا علم ہو چکا ہے میں جانتا ہوں کہ شرن لال نے تمہارے سلسلے میں زبردستی سے کام لیا ہے، میں غرایا۔ "اس کمینے کو اپنے کیے کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔"

"مجھے یہاں سے نکال لے چلو شبیر" نغیمہ نے التجا کی۔ "یہاں میری روح کو کچلا گیا ہے، مجھے اذیتیں دی گئی ہیں شبیر۔ میری شرم و حیا کی دھجیاں اڑائی گئی ہیں مگر میں بے بس تھی، مجبور تھی۔ سوائے اپنی بے بسی پر آنسو بہانے کے اور کچھ نہ کر سکی۔"

نغیمہ کی آہ و زاری میرے انتقام کی آگ کو ہوا دے رہی تھی۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ شرن لال اس وقت مجھے کہاں مل سکے گا لیکن مجھے اس سوال کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ میری نظریں اس شخص پر جم کر رہ گئیں جو میرے سامنے دوسرے کمرے کے دروازے پر کھڑا مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے حلیے اور تیور سے بھانپ گیا کہ شرن لال یہی ہے۔ میں نے نغیمہ کو ایک طرف کر دیا۔ میرے سینے میں شعلے بلند ہونے لگے۔ میں نے شرن لال کو قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تو ہی شرن لال ہے؟"

"تم نے ٹھیک پہچانا، میں ہی شرن لال ہوں۔ پر تو تو کون ہے؟ میرے گھر میں تو کس کی اجازت سے داخل ہوا ہے؟"

شرن لال نے آگے بڑھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

"کمینے، میں ابھی تجھے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔"

میں نے چلا کر کہا پھر ایک منتر پڑھ کر پھونکا تو میرے بیروں نے شرن لال کو جکڑ کے بے بس کر دیا۔ شرن لال اس اچانک افتاد پر بوکھلا گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا میں نے گرج کر کہا۔

"پاپی، کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سندر ناری میری دھرم پتنی ہے۔؟"

"مہاراج" شرن لال میرے بیروں کے شکنجے میں پھڑپھڑاتا ہوا بے بسی سے بولا۔ "مجھے شما کر دو مہاراج۔ مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔ میں اس ناری کے کومل شریر کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا تھا۔"

"اپرادھی۔ بند کر اپنی پلید زبان۔" میں کڑک کر بولا۔ "تو نے میرا اپمان کیا ہے۔ میں تجھے ایسا کشٹ دوں گا کہ تیری آتما بھی سدا بیاکل رہے گی۔"

"میں بنتی کرتا ہوں مہاراج، مجھے شما کر دو۔"

"تجھے شما کر دوں۔" میں نے شرن لال کے منہ پر تھوکتے ہوئے نفرت سے کہا۔ "کیا تجھے پہلے اس بات کا دھیان نہیں آیا تھا کہ تو کس شکتی سے ٹکر لینے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"مجھ پر کرپا کرو مہاراج۔ تمھاری شکتی اپرم پار ہے۔" شرن لال نے رو دینے والی آواز میں جواب دیا۔ "میں دیوی دیوتاؤں کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تمھارے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ مجھ پر دیا کرو مہاراج۔"

"مہاراج کے بچے، تو منوہر مہاراج کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہا ہے۔" میں نے ہونٹ چبلاتے ہوئے کہا پھر اپنے بیروں کو اشارہ کیا تو انھوں نے شرن لال کو سر سے بلند کر کے اتنی زور سے پٹخنی دی کہ شرن لال کا سر پھٹ گیا۔ اس کی کربناک چیخیں میرے لئے بے معنی تھیں۔ وہ زمین پر پڑا کسی ذبح کی ہوئی بھینس کی مانند تڑپ رہا تھا۔ میں نے بیروں کو دوسرا اشارہ کیا تو انھوں نے شرن لال کی دونوں ٹانگوں کو ٹخنوں کے پاس سے توڑ ڈالا۔ اور اس کی منحوس آنکھوں کو حلقوں سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ شرن لال ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ آنکھوں کے ڈھیلے حلقوں سے ابھرے تو وہ ایک بھیانک چیخ مار کر ساکت ہو گیا۔ نغیمہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے حقارت سے شرن لال کے خون آلود جسم کو ایک ٹھوکر ماری پھر نغیمہ کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ جہاں لاجونتی پہلے سے موجود تھی۔ لاجونتی نے نغیمہ کو دیکھا تو مسکرا دی۔ نغیمہ کبھی میری سمت حیرت بھری نظروں سے دیکھتی اور کبھی لاجونتی کی طرف۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات پھیلے ہوئے تھے میں سمجھ رہا تھا کہ نغیمہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گی۔ شرن لال کا انجام اس کی توقعات کے خلاف بڑا خوفناک اور حیرت انگیز تھا میں نے دیدہ و دانستہ راستے میں نغیمہ سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ یوں بھی وہ لاجونتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں اس سے دو قدم آگے تھا۔

وہ رات میں نے ایک مقامی ہوٹل میں گزاری۔ اس خیال سے کہ کہیں نغیمہ مجھ سے شرن لال کی موت کے سلسلے میں پریشان کن سوالات نہ کرے میں نے ہوٹل پہنچتے ہی اسے اپنے ایک منتر کے ذریعے سلا دیا۔ لاجونتی میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ نغیمہ کی بازیابی سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے۔ میں نے اسے بھی چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ دوسری صبح پو پھٹنے سے پیشتر میں نے لاجونتی کے ذریعے نغیمہ کو کلکتہ کے ایک ہوٹل میں منتقل کرا دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ کالی کا سب سے بڑا مندر کلکتے میں ہے میں اپنی بھینٹ اسی مندر میں جا کر کالی کے چرنوں میں گزارنا چاہتا تھا

صبح کو نغیمہ جاگی تو اس کی آنکھوں میں گزشتہ روز کا تجسس بدستور باقی تھا۔ اس نے مجھے قریب دیکھا تو بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن لاجونتی کے عین وقت پر آ جانے سے اسے موقع نہ مل سکا۔ میں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ضروری کام کا بہانہ کیا اور ہوٹل سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ میری واپسی شام سے پہلے نہیں ہو گی۔ میں کالی کے مندر کے پجاری سے مل کر یہ بھی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ بھینٹ کا کون سا وقت مناسب رہے گا۔ ہوٹل سے نکل کر میں سیدھا بڑے مندر گیا۔ مندر کے پجاری نے میری زبان سے بھینٹ کا سنا تو دنگ رہ گیا۔ پہلے اس نے مجھے ایسی نظروں سے گھورا جیسے مجھے کوئی دیوانہ یا مجرم سمجھ رہا ہو لیکن جب میں نے اپنی مہان شکتی کے زور سے اسے اپنی بابت تفصیل سے بتایا تو اس نے میرے پاؤں تھام لئے پھر کچھ دیر بعد بولا کہ سنیچر کا دن دیوی کے چرنوں میں بھینٹ گزارنے کیلئے سب سے زیادہ مناسب رہیگا۔ جس روز میں پجاری سے ملا تھا وہ جمعرات کا دن تھا۔ میں نے پجاری سے مزید کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ گیا۔ شام کو جھٹپٹے کے وقت ہوٹل میں داخل ہوا تو نغیمہ اور لاجونتی دونوں کو سوچوں میں غرق پایا۔ میں نے اشارہ کیا تو لاجونتی اٹھ کر ملحقہ کمرے میں چلی گئی نغیمہ کی اداس آنکھوں میں جھلکنے والی سہمی سہمی ویرانی دیکھ کر میرا پتھر دل بھی موم پڑ گیا۔ لاجونتی کو اسی غرض سے میں نے وہاں سے ہٹایا تھا کہ نغیمہ سے کچھ باتیں کر سکوں۔ ہر چند کہ میں ادیتی دیوی کے حکم پر نغیمہ کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ دینے کا ٹھوس ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں میرا دل اس کی جانب کھنچ رہا تھا۔ نغیمہ میری بیوی تھی وہ مجھے ایک عرصے بعد ملی تھی۔ اور دو روز بعد پھر ہمیشہ کے لئے بچھڑنے والی تھی۔ میں ان دو دنوں میں اسے جی بھر کے پیار کرنا چاہتا تھا۔ نغیمہ بھی شاید اسی لمحے کی منتظر تھی۔ لاجونتی دوسرے کمرے میں چلی گئی تو اس نے جھپٹ کر درمیانی دروازہ بند کیا۔ پھر دوڑ کر مجھ سے دیوانوں کی طرح لپٹ گئی اور التجا آمیز لہجے میں بولی۔

"شبیر، کہاں چلے گئے تھے تم۔ میں دن بھر بڑی بے چینی سے تمھارا انتظار کرتی رہی، ایک ایک لمحہ میرے لئے عذاب جاں تھا

مجھے ڈر لگ رہا تھا شبیر کہ کہیں تم پھر مجھ سے منہ نہ موڑ لو۔"

"اب ایسا نہیں ہوگا نعیمہ، اب تم ہمیشہ میرے پاس رہو گی۔ میرے قریب" میں نے نعیمہ کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا پھر اسے لیکر مسہری پر آ گیا۔

"شبیر!" کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد نعیمہ نے دبی زبان میں کہا۔ "تم نے اس کمینے پنڈت کو کس طرح مارا تھا؟ میں ابھی تک ان خوفناک لمحوں کو نہیں بھلا سکی۔ مجھے یقین نہیں آتا شبیر مجھے بتاؤ شبیر کہ وہ سب کیا تھا۔؟"

"وہ میری قوت تھی میری جان جس نے شرن لال کو موت کی نیند سلا دیا" میں نے نعیمہ کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر تم نے اسے کس طرح مارا؟ تم تو اس سے دُور کھڑے تھے" نعیمہ نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس کوئی پراسرار قوت ہے؟"

"ہاں" میں نے نعیمہ کو ٹالنے کی خاطر مسکرا کر جواب دیا۔ "میرے قبضے میں ایک جن آ گیا ہے۔ اسی کے ذریعے میں نے تمہارا سراغ لگایا۔ پھر شرن لال کو کیفر کردار تک پہونچایا۔"

"اور ــــ اور یہ لڑکی کون ہے جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔؟" نعیمہ نے ڈرتے ڈرتے دبی زبان میں پوچھا۔ وہ غالباً ماضی کی وہ تمام باتیں بھول چکی تھی جو سحر زدہ حالت میں اس کے ساتھ ہو چکی تھیں۔ میں نے اس سوال کے جواب سے کترانا چاہا۔ لیکن جب نعیمہ کا اصرار شدید ہو گیا تو میں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"لاجونتی بھی تمہاری ہی طرح ایک مجبوری کا شکار ہو گئی تھی۔ میں نے اسے سہارا دیا ہے لیکن تم اپنے دل میں کوئی میل نہ لانا میری نیت اس کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ اس کے ماں باپ بنارس میں رہتے ہیں۔ مجھے تمہاری بازیابی کی جلدی تھی اس لئے اسے ساتھ لے آیا تھا۔"

نعیمہ نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں چھپی حقیقت جاننا چاہتی تھی۔ مجھے اس کی سادگی اور معصومیت پر ہنسی آ گئی۔ اس غریب کو بھلا کیا معلوم تھا کہ میں شبیر سے منوہر لال مہاراج بن گیا ہوں جس کے قبضے میں ہزاروں منتر کے بیر موجود تھے جو دیوی دیوتاؤں کا مہان سیوک بن چکا تھا۔ وہ بھلا میرے بارے میں کیا جان سکتی تھی۔ چند ساعت تک وہ مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے پوچھا کہ میں اسے چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ میں نے ایک فرضی داستان گھڑ کر سنا دی۔ اپنی کچھ فرضی مجبوریوں اور من گھڑت پریشانیوں کا احوال سنایا تو اسے یقین آ گیا۔

"شبیر ــــ" نعیمہ نے میرے کشادہ سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔ "حالات کی ستم ظریفیوں نے ہم دونوں کو جکڑ رکھا تھا تم مل گئے تو میں سب کچھ بھول گئی۔ میرے تمام زخم مندمل ہو گئے۔"

"میں بھی اپنی پریشانیوں کو بھول چکا ہوں" میں نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"مجھ سے وعدہ کرو شبیر کہ اب تم کبھی ایک پل کیلئے بھی مجھ سے دور نہیں ہو گے" نعیمہ نے سسکتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کے غم میں برابر کے شریک رہیں گے۔ مل جل کر دکھ درد کو بانٹ لیں گے۔"

نعیمہ ایک مشرقی عورت کی طرح باتیں کر رہی تھی۔

مجھے اس کی باتیں سُنکر دلی مسرت حاصل ہوئی۔

لیکن یہ مسرت عارضی تھی۔ میں جانتا تھا کہ دو روز بعد کیا ہونے والا ہے؟ سنیچر کی رات میں محض ایک رات کا فاصلہ باقی تھا۔ میرے دل پر چوٹ لگی میں نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ کیا میں خود اپنے ہاتھوں سے نعیمہ کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا سکوں گا؟ میرے ذہن میں یہ سوال اُبھرا تو ایک لمحے کو میں تڑپ اٹھا لیکن پھر میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے دیوی میرے سامنے کھڑی مجھ سے کہہ رہی ہے

"منوہر، جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے دھیان سے سنو۔ تم نے مجھے وچن دیا ہے۔ اگر تم نے اپنے وچن سے پھرنے کی کوشش کی تو دیوی دیوتا تم سے روٹھ جائیں گے۔ تمہاری تمام شکتیاں جو تم نے کٹھن پریکشا کے بعد برموں میں پراپت کی ہیں۔ تم سے چھن جائیں گی۔ تم ایک عام منش بن جاؤ گے۔ دیوتاؤں کا کشٹ تم کو سدا بیاکل رکھے گا۔"

میں نے دیوی کے جملے سُنے اور اسے اپنے سامنے محسوس کیا۔ تو یک لخت جیسے سوتے سے جاگ گیا۔ میں نے نعیمہ کو دیکھا جو میرے سینے پر سر رکھے میرے دل کی دھڑکنوں کو گن رہی تھی اس خیال سے کہ کہیں وہ میرے دل کی دھڑکنوں سے میرا راز نہ پالے میں نے جلدی سے اسے ایک طرف لٹا دیا اور خود اس کی جانب کروٹ لیتے ہوئے بولا

"نعیمہ، تم اس وقت مجھے بیحد حسین لگ رہی ہو۔ آسمان سے اتری ہوئی کسی اپسرا کی مانند"

"شبیر" نعیمہ نے روٹھے انداز میں کہا۔ "تم نے میری

باتوں کا جواب نہیں دیا۔ کیا مجھے ٹالنا چاہتے ہو؟"

"میں اور تمہیں ٹالنے کی کوشش کروں گا۔ کیسی باتیں کر رہی ہو میری زندگی" میں شبیر حسن خان کا گلا گھونٹ کر پھر سے منوہر لال بن گیا۔ منوہر لال جس کیلئے دیوی کی آگیا کا پالن کرنا ضروری تھا۔

نعیمہ کی خوبصورت آنکھوں میں معصوم شکایت تھی ——

وہ مجھ سے کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور گھسیٹ کر اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ نعیمہ نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس کی خود سپردگی میں شکایت کا انداز تھا لیکن میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ میں پوری طرح منوہر لال بن گیا۔ مہان شکتیوں کا مالک جس پورن لال نے کہا تھا۔ کہ سندر ناریاں پنڈت پجاریوں کے من کو بہلانے کیلئے ہوتی ہیں۔ نعیمہ اس وقت میرے لئے ایک سندر ناری بن گئی۔ میں اس کے کومل شریر سے کھیلنے لگا۔ نعیمہ نے میری پیش قدمیوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا وہ خاموشی سے ایک مشرقی بیوی کا فرض ادا کرتی رہی۔ اور میں منوہر لال بن کر اس کے کومل شریر کی بھینی بھینی خوشبوؤں کو سونگھتا رہا۔ بھنورے اور پھول کا کھیل ختم ہوا تو میں نے دوسری کروٹ لیکر آنکھ بند کر لی نعیمہ نے بے ترتیب لباس کو درست کیا پھر میرے سرہانے بیٹھ کر اپنی نازک نازک انگلیوں سے میرے بالوں میں کنگھی کرنے لگی پتہ نہیں وہ اس کے ہاتھوں کے لمس کا جادو تھا یا تھکن کا احساس کہ میں بہت جلد سو گیا ——!

دوسرا دن بھی میں نے نعیمہ کی رفاقت میں گزارا۔ لاجونتی کو میں نے حالات کی نزاکت سمجھا دی تھی اس لئے وہ اپنا کردار خوبصورتی سے نبھا رہی تھی۔ دن بھر میں ایک پل کو بھی میں اپنے کمرے سے باہر نہیں گیا —— رات آئی تو شیطان نے پھر مجھے اکسایا اور میں نعیمہ کے حسن کی رعنائیوں سے کھیلنے لگا۔ نعیمہ نے مجھ سے بہتیرے سوال پوچھے۔ میں اسے ٹالتا رہا۔ پھر جب تھک گیا تو دوسری کروٹ لیکر سو گیا۔ نعیمہ کب تک میرا سر دباتی رہی مجھے اس کا مطلق کوئی خیال نہیں البتہ اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بار میری آنکھ نعیمہ کی آواز سنکر کھلی تھی۔ میں نے کروٹ بدل کر دیکھا —— نعیمہ کے چہرے پر اذیت ناک کرب کے آثار نظر آ رہے تھے —— وہ سوتے میں نہ جانے کب سے بڑبڑا رہی تھی پھر اچانک اس نے ایک بھیانک چیخ مار کر آنکھیں کھول دیں —— مجھے اپنے قریب دیکھا تو خوف زدہ انداز میں اچھل کر میرے سینے سے لپٹ گئی —— اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ مجھے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت سے جکڑے ہوئے تھی، یوں جیسے اسے خطرہ تھا کہ اگر اس نے مجھے چھوڑا تو میں پھر کہیں فرار ہو جاؤں گا۔

میں نے اس کی کیفیت کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر آہستہ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے نعیمہ، کیا تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟"

"ہاں شبیر" نعیمہ نے اپنا چہرہ میرے سامنے کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے چہرے کی رنگت ہلدی کی طرح زرد پڑ رہی تھی۔ آنکھوں سے خوف مترشح تھا وہ بری طرح خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھکر بولی "میں نے بڑا بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھا ہے"

"گھبراؤ نہیں نعیمہ، میں تمہارے پاس موجود ہوں، سو جاؤ" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا لیکن نعیمہ کا خوف بدستور قائم تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنا ہونٹ چباتی رہی اور مجھے گھورتی رہی پھر دبی آواز میں کہا۔

"شبیر، کیا میں اس وقت کلکتہ میں ہوں؟"

"ہاں" ۔ میں روانی میں کہہ گیا پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بات بنا کر بولا "پٹنہ سے روانگی کے وقت تم بے ہوش ہو گئی تھیں، ڈاکٹر نے تمہیں نیند کا ٹیکہ لگایا تھا اس لئے تمہیں شاید خبر نہ ہو سکی، سفر کے دوران تم پر مستقل غنودگی طاری تھی لیکن اس وقت تمہیں کلکتے کا دھیان کیسے آ گیا؟"

"شبیر" ۔ نعیمہ نے بدستور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میری باتوں کو نظر انداز کر کے پوچھا "کیا کلکتے میں کسی کالی مائی کا بڑا مندر بھی موجود ہے؟"

نعیمہ کی زبان سے کالی کے مندر کا نام سنکر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے نعیمہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تم اس وقت کس قسم کی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو اور کالی کے بڑے مندر سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"شبیر، میں نے بڑا اذیت ناک خواب دیکھا ہے" نعیمہ نے ہانپتے ہوئے جواب دیا پھر دوبارہ مجھے گھورتے ہوئے پوچھا "شبیر، کیا تم نے کبھی اپنا نام بدلا تو نہیں تھا؟"

"کیا مطلب ——" میں نے چونکتے ہوئے معنی خیز نظروں سے دیکھا تو نعیمہ نے کہا۔

"ہاں شبیر، مجھے یہی بتایا گیا ہے تم مسلمان سے ہندو بن چکے ہو۔ تم نے اپنا نام شبیر سے بدل کر منوہر لال رکھ لیا ہے۔ نہ جانے اس خواب کا کیا مقصد تھا، خدا کرے جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ غلط ہو"

"کیا دیکھا ہے تم نے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔ نعیمہ نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، مجھے یوں گھورتی رہی جیسے میری آنکھوں سے میرے دل کا احوال جاننے کی کوشش کر رہی ہو، چند لمحے موت کا سکوت طاری رہا پھر اس نے اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"میں نے دیکھا تھا کہ تم مجھے زبردستی گھسیٹتے ہوئے کسی مندر کے اندر لے گئے ہو جہاں کسی دیوی کا قدِ آدم پتھر کا مجسمہ موجود ہے تم نے مجھے اس مجسمے کے قدموں میں ڈال کر اس سے کہا تھا کہ تم منوہر لال ہو اور مجھے اس کے قدموں میں بھینٹ چڑھانے کے لئے آئے ہو پھر — پھر تم نے اپنے لباس سے ایک چمکتا ہوا خنجر نکالا اور مجھے ذبح کرنے کی کوشش کی تو میں چیخ کر جاگ گئی۔ میں نے ایک حسین عورت کو مندر کے باہر کھڑے دیکھا تھا شبیر، جب تم مجھے سیڑھیوں پر گھسیٹ رہے تھے تو وہ عورت لپک کر میرے قریب آئی، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم میرے دوست نہیں دشمن ہو، تم نے مجھے شرن لال کے چنگل سے محض اس لئے چھینا ہے کہ دیوی کے قدموں میں بھینٹ چڑھا دو، اسی عورت نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اب شبیر نہیں رہے تم نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور منوہر لال بن گئے ہو مجھے بتاؤ شبیر کہ یہ خواب کیسا تھا؟"

نعیمہ کا خواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف درست تھا، اسے پراسرار طور پر ان باتوں کا علم ہو چکا تھا جو میں نے اس سے چھپانے کی کوشش کی تھی، میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہونے لگیں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہوں۔ دوسری طرف مجھے اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ نعیمہ کو ان باتوں کا علم کس طرح ہوا، کیا وہ محض خواب ہی ہو سکتا تھا؟ میں سوچتا رہا میرا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا، اچانک میرے ذہن میں ایک خیال تیزی سے ابھرا، نعیمہ نے خواب میں نظر آنے والی جس عورت کا ذکر کیا تھا کہیں وہ ساجدہ تو نہیں تھی؟ اس خیال نے میرے ذہن کو اور الجھا دیا۔ میں نے نعیمہ سے اس عورت کے بارے میں دریافت کیا تو میری پریشانی اور بڑھ گئی، نعیمہ نے اس عورت کا جو حلیہ بتایا وہ ساجدہ کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ گویا پراسرار طاقتیں نعیمہ کو بچانا چاہتی تھیں، میں نے سوچا پھر مجھے ادیتی دیوی کو دیا ہوا وچن یاد آگیا۔ مجھے دیوی کی باتیں یاد آئیں۔ دیوی نے کہا تھا کہ کالی کی بھینٹ سے پہلے یا بعد میں دیوتا میرا امتحان لیں گے میرا ذہن بری طرح الجھ رہا تھا میں کسی آخری نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا کہ دیوی کی آواز میرے کانوں میں سرسراتی ہوئی ابھری۔

"منوہر، تم میرے مہان سیوک ہو، دیوی کا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے۔ پلید آتماؤں کے جال سے بچنے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے میری آگیا کا پاس نہ کیا تو دیوتاؤں کا کشٹ تم کو نشٹ کر دے گا، تمہاری مہان شکتیاں تم سے چھین لی جائیں گی، تم بھکاریوں کی طرح سڑکوں پہ گھومتے پھرو گے۔"

دیوی کی آواز سن کر میں یکلخت سنبھلا۔ میں نے نعیمہ کی سمت دیکھا جو مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن مجھے اس کے پیار سے زیادہ مہان شکتی کا دھیان تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ خواہ حالات کچھ ہوں میں دیوی کو دیئے وچن پر قائم رہوں گا، نعیمہ کو ہر قیمت پر کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھاؤں گا"

"کیا بات ہے شبیر؟"، نعیمہ نے مجھے چپ اور کھویا کھویا دیکھ کر پوچھا

"شرن لال کی سختیوں نے تمہارے ذہن کو ابھی تک پراگندہ کر رکھا ہے"۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے نعیمہ کو شیشے میں اتارتے ہوئے کہا۔ "کالی کا مندر، دیو قامت مجسمہ اور بھینٹ، یہ سب اسی ماحول کی پیداوار ہیں، تمہارے لاشعور نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ ان باتوں کو ذہن سے نکال دو"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو شبیر"۔ نعیمہ نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "لیکن پھر وہ عورت کون تھی جو مجھ سے خواب میں ملی تھی؟ خدا ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے"

"فکر مت کرو نعیمہ" میں نے اسے پگھلتا دیکھ کر جلدی سے کہا "میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی بات کا خوف نہیں ہونا چاہیئے"۔

"مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لو شبیر، نہ جانے کیوں میرا دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا ہے"۔ نعیمہ نے روندھی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے چہرے پر مریم کا تقدس اور معصومیت موجود تھی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

کیا شبیر حسن خان نعیمہ کی
بھینٹ چڑھانے میں کامیاب ہوگئے
پُر اسرار واقعات
آئندہ شمارے میں پڑھیے:

شرک - م - جمیل

کینیڈا کے ائیرپورٹ مانٹریل سے پیرس کی جانب محوِ پرواز تھا اس طیارے میں چالیس نشستوں کا انتظام تھا لیکن اس پرواز میں بیشتر نشستیں خالی پڑی تھیں ایئرہوسٹس نے طیارے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی اور مطمئن انداز میں سر کو جنبش دی کیونکہ مسافروں میں نہ تو کوئی بچہ تھا اور نہ ہی کوئی شراب کے نشے میں دھت نظر آتا تھا۔ وہ اس قسم کے مسافروں سے گھبراتی تھی کیونکہ اُن کا سنبھالنا ایک مسئلہ بن جاتا تھا۔

"آج کوئی دیوانہ مسافر تو نہیں ہے ہمارے جہاز میں؟"
پائلٹ نے مسکراتے ہوئے ایئرہوسٹس سے دریافت کیا۔ وہ اکثر اسے تنگ

جُرم وسزا کا یہ واقعہ
ایک اُڑتے ہوئے جہاز کے اندر پیش آیا

کرتا رہتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تھی۔ ایئر ہوسٹس ہمیشہ اس کے مذاق کو سمجھنے سے قاصر رہتی تھی اور سنجیدگی سے جواب دیا کرتی تھی۔ اس سے وہ بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔

"نہیں۔ خدا کا شکر ہے"۔ ایئر ہوسٹس نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے کو پائلٹ کو دیکھا اور پھر پائلٹ کو دیکھتے ہوئے کہا "البتہ ایک مسافر نے مجھے الجھن میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ وہ جہاز میں سب سے پہلے سوار ہوا تھا اور فوراً ہی پچھلی نشستوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔ اس وقت سے وہ اسی طرح بیٹھا ہوا ہے اس نے اپنے منہ کے آگے اخبار لگا رکھا ہے۔ اس نے ہر قسم کا مشروب پینے سے انکار کر دیا اور کھانا بھی بہت کم کھایا ہے۔ نہ کھانے کے برابر"۔

یہ سن کر فلائٹ انجینئر نے پائلٹ کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں آنکھ دبائی اور فوراً ہی بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ضرور کوئی گڑبڑ نظر آتی ہے ورنہ ہوائی جہاز کے سفر میں تنہائی کا متلاشی کون ہوتا ہے"۔

"بے شک" پائلٹ نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا "مس بروک آپ اس مسافر کی کڑی نگہداشت کریں۔ مجھے وہ کوئی مفرور ملزم نظر آتا ہے"۔

"کیا۔ کیا واقعی؟" ایئر ہوسٹس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

"خدا کے لئے مس بروک" کو پائلٹ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا "آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ یہ دونوں آپ سے مذاق کر رہے ہیں۔ آپ اطمینان سے جا کر اپنا کام کریں"۔

لیکن جب وہ واپس آئی تو اس کی نظریں بے اختیار اس مسافر کی طرف بار بار اٹھ رہی تھیں جو بدستور منہ کے آگے اخبار پھیلائے بظاہر اخبار بینی میں مشغول نظر آتا تھا۔ اس نے غور سے کئی مرتبہ اس مسافر کو دیکھا گنجا سر۔ تقریباً چالیس سال عمر۔ گہرے رنگ کی عینک لگائے ہوئے وہ مسافر اسے بالکل بے ضرر نظر آ رہا تھا لیکن کون جانتا ہے۔ مس بروک نے سوچا اور ایک گہرا سانس لیا۔

جب وہ مسافروں کے سامنے سے کھانے کی پلیٹیں اٹھا رہی تھی تو اس نے دوسرے مسافروں کا بھی غور سے جائزہ لیا۔ تمام مسافر ٹھیک نظر آتے تھے البتہ آگے کی جانب بیٹھے ہوئے دو مسافروں کا رویہ کچھ عجیب تھا۔ ان میں ایک مرد تھا اور ایک عورت۔ دونوں علیحدہ علیحدہ طیارے میں سوار ہوئے تھے ان دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی وہ دونوں علیحدہ علیحدہ نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے درمیان آگے جانے کے لئے راہداری تھی لیکن وہ دونوں تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے کے بعد سر موڑ کر ایک دوسرے کو ضرور دیکھ لیا کرتے تھے۔ مس بروک ایک عورت تھی وہ ان کے دیکھنے کے انداز سے یہ بتلا سکتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی نہیں ہیں بلکہ جنون کی حد تک ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ذرا فرصت ملنے پر ایئر ہوسٹس نے مسافروں کی فہرست پر ایک نظر ڈالی۔ اسے معزز مسافروں کے آٹو گراف لینے کا بہت شوق تھا۔ اس کے نقطۂ نظر سے جہاز میں صرف ایک ہی معزز مہمان تھا۔ سر ایلک ملبورن۔ وہ برطانوی باشندہ تھا لیکن سر کا خطاب ہونے کے باوجود وہ ایسی شخصیت نہیں تھا کہ مس بروک اس سے آٹو گراف کی درخواست کرتی۔ اس نے غور سے اس معزز مہمان کو دیکھا۔ وہ لانبے قد اور سفید بالوں والا ایک معمر مسافر تھا اور چہرے سے ہی کوئی وکیل نظر آتا تھا۔ وہ سرخ روشنائی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

آخر کار مسافر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ سونے والوں میں آخری نمبر سر ایلک کا تھا۔ سب ٹھیک ٹھاک دیکھ کر مس بروک بھی جہاز کے آخری حصے میں اس پراسرار مسافر کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ مسافر بھی اب محوِ خواب نظر آ رہا تھا۔ ایئر ہوسٹس نے اپنے کانوں سے کنٹیپ لگایا جس کی ہلکی سی آواز بھی اسے فوراً ہوشیار کر سکتی تھی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

رات تین بجے دس۔ بحر اوقیانوس کے اوپر محوِ پرواز تھا۔ اوقیانوس کا عظیم الشان سمندر سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا تھا اور جہاز اس وقت اس عظیم الشان سمندر کے درمیان تھا۔ اس وقت وہ پراسرار آدمی خاموشی کے ساتھ اپنی نشست سے اٹھا۔ اس نے اخبار ایک طرف رکھا اور بلا آواز جہاز کے اگلے حصے کی طرف بڑھا کسی نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ سفر کے دوران اکثر مسافر باتھ روم جانے کے لئے اٹھتے ہی رہتے تھے لیکن ایسے مسافروں کا رخ جہاز کے پچھلے حصے کی جانب ہوتا تھا جبکہ یہ پراسرار مسافر جہاز کے اگلے حصے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ بلا آواز چلتا ہوا اس جگہ رک گیا جہاں وہ مرد اور وہ عورت اپنی نشستوں پر محوِ خواب تھے جو بظاہر ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنے ہوئے تھے۔ پراسرار مسافر نے چند لمحے دونوں کو فرداً فرداً غور سے دیکھا اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر خاموشی سے ریوالور نکالا۔ پھر اس نے احتیاط کے ساتھ نشانہ لے کر ان دونوں کے سروں میں گولی مار کر انہیں ہلاک کر دیا۔

گولیوں کے چلتے ہی جہاز میں جیسے بھونچال آ گیا۔ سوتے ہوئے

مسافر ہڑبڑا کر جاگ گئے۔ اپنی نشستوں پر سے اچھل پڑے اور چیخنے چلانے لگے۔ ایئر ہوسٹس چونک کر اٹھی اور بے تحاشہ کاک پٹ کی طرف بھاگی اور کاک پٹ کے دروازے پر پائیلٹ سے ٹکراتے ٹکراتے بچی جو گولی چلنے کی آواز سنکر تیزی کے ساتھ جائے واردات کی طرف جا رہا تھا۔

پراسرار مسافر نے دو مسافروں کو قتل کرنے کے بعد کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ ریوالور پکڑے ساکت کھڑا رہا۔ اس کے ریوالور سے دھوئیں کی باریک لکیر بل کھاتی ہوئی نکل رہی تھی۔ دونوں مقتول کوئی آواز نکالے بغیر ہلاک ہو گئے۔ گولی ان کے سروں میں لگی تھی اور ان کی موت فوراً واقع ہو گئی تھی خون بھی کچھ زیادہ نہیں نکلا تھا۔

پائیلٹ نے جائے واردات پر پہنچکر فوراً صورتِ حال پر قابو پالیا۔

"آپ لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر تشریف رکھیں،، پائیلٹ نے بلند آواز میں مسافروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مس بروک ذرا ان خاتون کی طرف توجہ دیں"۔

ایئر ہوسٹس نے ہسٹریائی انداز میں چیختی ہوئی عورت کو خاموش کیا خود اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں وہ بے حد کمزوری محسوس کر رہی تھی۔

پائیلٹ نے اس سے پہلے دوسرے جہازوں پر ہونیوالے سنسنی خیز واقعات کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا لیکن ایسے کسی واقعے سے اس کا پہلی مرتبہ سامنا ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد تمام مسافر خاموش ہو گئے اور متوقع نظروں سے قاتل اور پائیلٹ کو دیکھنے لگے۔

دوہرے جسم کا ایک بھاری بھرکم آدمی اپنی نشست سے اٹھکر قاتل کی طرف بڑھا۔ پائیلٹ نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا کیونکہ جہاز کی تمام ذمہ داری۔ اور تمام خطرات۔ اس کے سر تھے۔

"ریوالور مجھے دو"۔ پائیلٹ نے تحکمانہ لہجے میں قاتل سے کہا اور ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ قاتل ہی اس وقت جہاز میں سب سے زیادہ پرسکون آدمی نظر آ رہا تھا۔

"ضرور کیپٹن"۔ قاتل نے پرسکون اور نرم لہجے میں جواب دیا اور اپنا ریوالور کیپٹن کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے باندھنے کی ضرورت نہیں میں اب مزید کوئی احمقانہ حرکت نہیں کروں گا"۔

اچانک کوئی زور سے ہنسا کسی کو زوردار ابکائی آئی۔

"خواتین و حضرات"۔ کیپٹن نے قدرے پرسکون لہجے میں کہا۔ "آپ لوگ اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مجھے حالات کی نزاکت اور سنگینی کا پوری طرح احساس ہے لیکن اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم اس وقت بحرِ اوقیانوس پر سے گزر رہے ہیں۔ ہمیں شانون تک انتظار کرنا پڑے گا۔ مس بروک میرا خیال ہے کہ تمام مسافر اس وقت مشروبات کی طلب محسوس کر رہے ہوں گے۔ لیکن اس سے پہلے چند چادریں لے آؤ۔ تاکہ مقتولین کی لاشوں کو ڈھانپا جا سکے! اور محترم خاتون اور جناب والا آپ دونوں سے گزارش ہے کہ آپ لوگ لاشوں کے برابر والی نشست سے اٹھکر کسی دوسری نشست پر تشریف لے جائیں شکریہ"

مرنے والوں کے برابر بیٹھے ہوئے مسافر فوراً اپنی نشستوں سے اٹھکر دوسری خالی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

"اب" کیپٹن نے قاتل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری اس وقت تک نگرانی کرنی پڑیگی جب تک ہمارا جہاز شانون کے ہوائی اڈے پر نہیں اتر جاتا میں وہاں اتر کر تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ ہمارے کو پائیلٹ نے ریڈیو کے ذریعہ اس واردات کی اطلاع دیدی ہے۔ پولیس ایئرپورٹ پر ہماری منتظر ہوگی۔ میں مسافروں سے گزارش کروں گا کہ ان میں سے دو حضرات آگے بڑھیں تاکہ اس شخص پر نظر رکھی جا سکے"۔

کیپٹن کی اس درخواست پر فوراً دو مسافر آگے بڑھے۔

قاتل انہیں دیکھکر مسکرایا۔

"آپ کو شاید معلوم نہیں کیپٹن"۔ قاتل نے سرسری انداز میں کہا "میں پیشے کے اعتبار سے ایک وکیل ہوں اور مجھے چند ایسی باتوں کا علم ہے جن کا آپ کو علم نہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک ہوائی جہاز کی حیثیت پرواز کے دوران وہی ہوتی ہے جو ایک پانی کے جہاز کی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں آکر دونوں کے درمیان مماثلت ختم ہو جاتی ہے۔ ایک پانی کے جہاز کو قانون کی نظر میں سمندر میں سفر کے دوران ایک ملک کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ پانی کے جہاز کے کپتان کی حیثیت ایک آزاد ملک کے سربراہ کی ہوتی ہے! اس لئے اگر دورانِ سفر پانی کے جہاز پر کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو سمندری جہاز کے کپتان کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ مجرم کو گرفتار کرلے اسے قید کرلے لیکن ایک ہوائی جہاز کے کپتان کو اس قسم کے اختیارات حاصل نہیں ہوتے اس لئے کیپٹن میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قانونی طور پر آپ نہ مجھے گرفتار کر سکتے ہیں اور نہ ہی مجھے قید کر سکتے ہیں"۔

"اس کے علاوہ" قاتل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی آپنے کہا کہ شانون کے ایئرپورٹ پر پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے میری منتظر ہوگی۔ میں اس نکتے کی بھی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ مجھے دنیا کی کسی بھی ملک کی پولیس اس جرم میں گرفتار نہیں کر سکتی جو ابھی کچھ دیر پہلے میرے

سب سے آگے

زندگی کی ہر دوڑ میں وہی لوگ سب سے آگے رہتے ہیں جو تندرست اور توانا ہوں، آجکل کھانے پینے کی ہر چیز نقلی مل رہی ہے جس سے ہماری صحت تباہ ہو رہی ہے ۲۵ سال کے نوجوان ۵۰ سال کے بوڑھے نظر آتے ہیں، دن مصروفیت میں اور رات بیچینی میں اور اعصابی عذاب میں گذرتی ہے، بظاہر تندرست ہیں لیکن کمزوری محسوس ہوتی ہے، سمجھدار مرد صحت و جوانی کا صحیح مزہ حاصل کرنے کیلئے رائل پلز استعمال کرتے ہیں، پھر زندگی کے کسی بھی میدان میں ان کو شرمندگی نہیں ہوتی،

بے کیف اور بدمزہ زندگی کو پرکیف اور پرلطف بناتا ہے

رائل پلز

مردوں کے لئے

قریبی دوا فروش سے طلب کریں

خواجہ اسٹور امپریس مارکیٹ صدر کراچی
اجمیر میڈیکل اسٹور شاہی بازار سکھر
چیپ میڈیکل اسٹور انارکلی، لاہور،
نذر علی اینڈ کمپنی فقیر کا پل حیدر آباد
خواجہ اسٹور شارع لیاقت کوئٹہ
عصمت میڈیسن کمپنی خیبر بازار پشاور

اکسیری لیبارٹریز
مورس والا بلڈنگ نزد سابقہ بنک آف انڈیا، ایم اے جناح روڈ کراچی

فضول سرزد ہوا ہے یعنی دہرا قتل اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میں چاہتا تو اس جرم کا ارتکاب اب سے چند گھنٹے قبل ہی کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا میں اس وقت کا انتظار کرتا رہا جبکہ یہ جہاز دنیا کے کسی بھی ملک کی حدود سے باہر نکل آئے اگر میں اس جرم کا ارتکاب دنیا کے کسی بھی ملک کی حدود کے اندر کرتا جو ساحل سمندر سے تین میل سمندر کے اندر تک ہوتی ہے تو اس ملک کا قانون مجھ پر لاگو ہو جاتا۔ میں نے اپنے جرم کا ارتکاب اس وقت کیا جب جہاز بحر اوقیانوس کے درمیان پرواز کر رہا تھا اور قریب ترین ملک بھی ہمارے جہاز سے سینکڑوں میل دور تھا۔ اس لئے جرم کے ارتکاب کے وقت ہمارا جہاز کسی بھی ملک کی حدود کے اندر نہیں تھا اس لئے مجھ پر دنیا کے کسی بھی ملک کے قانون کا اطلاق نہیں ہوتا! اور اس لئے مجھے دنیا کے کسی بھی ملک کی پولیس اس جرم میں گرفتار نہیں کر سکتی میں نے اپنے جرم کا منصوبہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا اس لئے میں اس پر عمل کرنے کے لئے اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک ہمارا جہاز بحر اوقیانوس کے درمیان نہیں پہنچ گیا۔ اور آپ کو یہ بتانا فضول ہوگا کیپٹن کہ اس قسم کے جرائم سے نمٹنے کے لئے آج تک کوئی بین الاقوامی فضائی قانون نہیں بنایا گیا اور نہ ہی ایسے کسی قانون پر عمل درآمد کے لئے فضائی پولیس فورس قائم کی گئی ہے۔"

کیپٹن سناٹے کے عالم میں قاتل کی تقریر کا ایک ایک لفظ سنتا رہا۔ "انٹرپول؟ انٹرپول کے بارے میں کیا خیال ہے؟" کیپٹن نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

"انٹرپول کی اپنی کوئی پولیس فورس نہیں ہے۔" قاتل نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ "یہ ایک ایسی تنظیم کا نام ہے جو بین الاقوامی مجرموں کے متعلق معلومات جمع کرتی ہے اور جب کوئی ملک ان سے معلومات کے لئے درخواست کرتا ہے تو یہ تنظیم مجرموں کے بارے میں انہیں پوری تفصیلات مہیا کرتی ہے اب سوال آتا ہے عالمی عدالت کا۔ عالمی عدالت میں جرائم کے کیس پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اس کا کام اقوام متحدہ کے ممبر ملکوں کے درمیان سیاسی تنازعات کا فیصلہ کرنا ہے اور اس عدالت کا دروازہ صرف ایک ملک ہی کھٹکھٹا سکتا ہے کوئی فرد یا تنظیم نہیں۔"

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" سر الیک نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کیپٹن کو اپنی خدمات پیش کیں۔ "پیشے کے اعتبار سے میں بھی ایک وکیل ہوں۔"

کیپٹن نے بے بسی کے عالم میں سر الیک کو دیکھا۔

"ابھی اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جناب؟" کیپٹن نے پر امید نظروں سے سر الیک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجرم نے اب تک جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔" سر الیک نے جواب دیا۔

"میرے حق میں سب سے زیادہ وزنی نکتہ یہ ہے۔" مجرم نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ "کہ جب کوئی ہوائی جہاز کسی ملک کی فضا میں محو پرواز ہوتا ہے تو اس ملک کا قانون اس پر لاگو ہوتا ہے اور اس کا قانون اس طیارے پر اس وقت تک لاگو رہتا ہے جب تک وہ جہاز اس ملک کی حدود میں رہتا ہے۔ جو کہ زمین سے تین میل آگے تک ہوتی ہے ایک مرتبہ جہاز کسی بھی ملک کی فضائی حدود سے تین میل آگے نکل جائے تب اس پر اس ملک کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ اور جب میں نے اپنے جرم کا ارتکاب کیا اس وقت یہ جہاز کسی بھی ملک سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے علاوہ چند اور نکتے قابل غور ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ طیارہ کینیڈا کی ایک کمپنی کی ملکیت ہے۔ خود میں امریکی شہری ہوں اور مقتولین میں سے میری بیوی فرانسیسی شہری تھی جو عرصہ دراز سے میرے ساتھ نیویارک میں مقیم تھی لیکن اس نے کبھی امریکی شہریت اختیار نہیں کی۔ دوسرا مقتول جو میری بیوی کا عاشق تھا! اطالوی شہری تھا اور اس کے علاوہ گواہوں کو لیجئے۔ لیکن ٹھہریئے میرا خیال ہے کہ اس واردات کا کوئی عینی گواہ نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے۔" سر الیک نے جلدی سے کہا۔ "میں نے تمہیں اپنی نشست سے اٹھ کر یہاں آتے ہوئے دیکھا تھا اور اس سے پہلے کہ مجھے حالات کی سنگینی کا احساس ہوتا تم نے میری نظروں کے سامنے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر دونوں کو قتل کر دیا۔ اس لئے اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم کچھ قانونی نکتوں کا سہارا لے کر اس بھیانک جرم کی سزا سے بچ جاؤ گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں اس جرم کا عینی گواہ ہوں۔"

"اوہ چھوڑیئے جناب۔" مجرم نے خوشدلی سے کہا۔ "آپ نے ابھی کہا تھا آپ بھی وکیل ہیں۔ اگر آپ واقعی وکیل ہیں تو آپ بخوبی میری پوزیشن سے واقف ہوں گے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میرے جرم کے گواہ بھی یقینی طور پر دوسری قومیتوں کے حامل ہوں گے۔ مثلاً خود آپ۔ آپ غالباً برطانوی شہری ہیں۔ آپ کے علاوہ اگر کوئی گواہ ہے۔"

ایک چھوٹے سے قد کا موٹا سا آدمی اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا

"میرا نام کیاشی نکامارو ہے۔ میں جاپانی تاجر ہوں۔" دوسرے گواہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں بھی نہیں سویا تھا میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھا ہے! اور مجھے اس بات کا بیحد قلق ہے کہ

میں موقع پہ ۔"

" دوسرا گواہ ایک جاپانی ہے"۔ قاتل نے بات کاٹتے ہوئے کہا،

" حالات میری توقعات سے بھی زیادہ سازگار جا رہے ہیں۔ اب آپ بتلائیں کیا آپ ..... دنیا کے کونے کونے سے گواہ جمع کریں گے؟ اور آخر آپ ان تمام گواہوں کو کس جگہ جمع کریں گے؟ کیا اقوام متحدہ میں؟"

" کیپٹن"۔ مجرم نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ میری جانب سے ان سے دریافت کریں جو میری ہی طرح ایک وکیل ہیں کہ کیا میں نے کوئی بات غلط کہی ہے؟ مجھ پر کس ملک کے قانون کا اطلاق ہوگا؟ مجھے گرفتار کرنے کا آخر کس کو اختیار حاصل ہے؟ مجھ پہ کہاں مقدمہ چل سکتا ہے؟ مجھے آخر کس جگہ سزا دی جائے گی۔ اگر میرا جرم ثابت ہو گیا تو؟ اور آخر مجھے کس طرح کوئی حراست میں لے سکتا ہے؟"

" کینیڈا"۔ کیپٹن نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

" نہیں"۔ سر الیک نے مداخلت کی۔ "اس جرم کا ارتکاب کینیڈا کی سرحد کے اندر نہیں ہوا ہے اور قانونی طور پر ایک طیارے کی حیثیت کسی ملک کے سفارتخانے کی نہیں ہوتی۔ ایک غیر ملکی سفارتخانہ زمین کے جتنے بڑے ٹکڑے پر بنا ہوا ہوتا ہے۔ زمین کے اس ٹکڑے کو اسی ملک کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے اور زمین کے اس ٹکڑے پر اسی ملک کا قانون چلتا ہے اور اسی ملک کی حکمرانی ہوتی ہے جس ملک کا وہ سفارتخانہ ہوتا ہے لیکن ایک ہوائی جہاز کی قانون کی نظروں میں سفارتخانے کی سی حیثیت نہیں ہوتی"

اچانک اس دوہرے جسم کے آدمی نے غصے سے آگے بڑھ کر قاتل کا گریبان پکڑ لیا۔ جس نے کیپٹن کی درخواست پر مجرم کی نگہداشت کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس نے دانت پیس کر مجرم کی طرف گھونسا تانا لیکن کیپٹن نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

" نہیں جناب" کیپٹن نے نرم لہجے میں درخواست کی "میں اب مزید کسی قسم کا جھگڑا برداشت نہیں کر سکتا ہمیں پرسکون رہنا چاہیے اور بچوں کی طرح لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

" اور ایک سفاک قاتل کو اپنے جرم کی سزا سے بچنے دیا جائے میں ایک بے رحم اور ظالم مجرم کو اپنے سامنے اس طرح قانون سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا" دوہرے جسم کے بھاری بھرکم آدمی نے چلا کر کہا۔

" دیکھیے کیپٹن مجھے ان کے الفاظ پر سخت اعتراض ہے" مجرم نے تیز لہجے میں کہا۔ "انہوں نے مجھے ایک سفاک بے رحم اور ظالم قاتل کہا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ میں قانون شکن نہیں بلکہ ایک منصف ہوں۔ میں نے معاشرے کے دو گندے مجرموں کو ان کے جرم کی سزا دی ہے ان دونوں کی سزا صرف اور صرف موت ہی ہو سکتی تھی۔" مجرم نے کہا۔ جوش کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔ چند لمحوں کے اندر اندر اس کا پرسکون چہرہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ "یہ عورت اپنے اس نام کے تحت سفر کر رہی تھی جو مجھ سے شادی سے پہلے اس کا نام تھا لیکن یہ میری بیوی تھی اور یہ مرد میری بیوی کا عاشق تھا۔ یہ شخص خود کو اس عورت کے لئے اجنبی ظاہر کر رہا تھا۔ اس مرد نے میری عزت پر حملہ کیا۔ اس عورت نے مجھے اپنی نظروں میں ننگا کر دیا۔ ذلیل کر دیا۔ آپ اس کا سامان کھول کر دیکھیں اس عورت کے سامان میں آپ کو میری پوری تجوری نظر آئے گی۔ میری ساری زندگی کی جمع پونجی جو میں نے رات دن محنت کر کے جمع کی تھی۔ دولت، جواہرات شیئرز۔ سیکیورٹیز۔ ہر وہ چیز جس کی کوئی قیمت ہو سکتی تھی یہ عورت میرے گھر سے سمیٹ کر اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔ تاکہ وہ میری تمام زندگی کی کمائی سے اپنے عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں منا سکے۔

میں نے اپنی بیوی کی نگرانی کے لئے کئی ماہ پہلے ایک پرائیویٹ سراغ رساں کو مقرر کیا تھا۔ اس کام کے لئے میں نے ایسے سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں جو میری جذباتی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا کیونکہ پانچ سال پہلے میں نے اس کے وکیل کی حیثیت سے اس کا مقدمہ لڑا تھا جو اس کی بیوی نے اس سے طلاق لینے کے لئے قائم کیا تھا۔ اس کی بیوی بھی میری بیوی کی طرح ذلیل اور کمینی تھی۔ مقدمے کے دوران سراغ رساں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ کاش وہ مقدمے کی نوبت پہنچنے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو قتل کر دیتا۔ لیکن اس نے اپنی بیوی کو قتل نہیں کیا۔ عدالت نے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی اور اسکے بعد وہ معاشی طور پر دیوالیہ ہو گیا۔ طلاق کے نتیجے میں اسے ہر ماہ اپنی بیوی کو گذارہ الاؤنس دینا پڑتا ہے۔ اس نے جو رقم اور جائداد جمع کی تھی اسکا بھی بٹوارہ ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے لئے جان توڑ محنت کرے گا یہ درست ہے کہ مجھے اس کام کے لئے بھاری فیس ادا کرنی پڑی لیکن اس نے بھی حق محنت ادا کر دیا۔ وہ میری بیوی کی ایک ایک نقل و حرکت پر نظر رکھتا تھا اور میرے لئے ثبوت فراہم کر رہا تھا۔

میری بیوی کو بھی اس سراغ رساں کی نگرانی کا علم ہو گیا۔ اسے احساس ہو گیا کہ اگر نوبت طلاق تک پہنچی تو وہ عدالت کے ذریعہ مجھ سے ایک پیسہ بھی نہ لے سکے گی! ورنہ ہی گذارہ الاؤنس کیونکہ بددیانتی اور خیانت کی مجرم وہ خود تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں خاطر خواہ ثبوت مہیا کرنے کے بعد طلاق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں لیکن میری بیوی کو

سفید گھڑیال

ایک نادر جانور

وفاقی جمہوریہ جرمنی کے ایک ممتاز شہر عظیم اسٹوٹگارٹ کے "ولہما" نامی چڑیا گھر کو ہماری دُنیا کا وہ واحد چڑیا گھر ہونے کا فخر حاصل ہے جو ایک سفید گھڑیال کا مالک ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک دفعہ ایک سفید رنگ اجگر بھی کسی چڑیا گھر کی ملکیت رہ چکا ہے، مگر سفید مگرمچھ اس سے پہلے کبھی دیکھنے سُننے میں نہیں آیا۔ یہاں کے چڑیا گھر کو یہ نایاب جانور کسی ولندیزی تاجر حیوانات کے ذریعے دس ہزار جرمن مارک میں مِلا ہے۔ مگر ماہرین حیوانات اس کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ اس سے پانچ گنا زیادہ لگاتے ہیں۔ اپنی نایابی کے علاوہ ایسے سفید رنگی جانور اپنے چندے پن کی بنا پر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ پاتے۔ چنانچہ اِس بے نظیر مگرمچھ کو اسٹوٹگارٹ میں آنے سے پہلے اپنے اصلی وطن سیام میں چار پانچ سال تک کی عمر کو جو پہنچنے کا جو موقع مِلا ہے تو اُس کی وجہ غالباً اس سفید مگرمچھ کی غیر معمولی چستی، خونخواری اور تُندمزاجی بھی جاتی ہے

—— مُرسلہ : عزیز قریشی، کراچی ——

خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ محبت تو کر سکتی تھی لیکن محبت کی خاطر دولت اور آرام کی زندگی سے کنارہ کشی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس کا اطالوی عاشق ایک بھوکا قلاش آرٹسٹ تھا۔ جس کی زبان محبت بھرے شیریں کلمات تو ادا کر سکتی تھی لیکن جیب سے ایک دمڑی بھی نہیں نکال سکتی تھی خود اس کا گزارہ اس رقم سے ہوتا تھا۔ جو میری بیوی اسے میرے خون پسینے کی کمائی میں سے دیتی رہتی تھی۔

پھر ایک روز سراغرساں نے مجھے اطلاع دی کہ میری بیوی اپنے عاشق کے ساتھ نیویارک سے فرار ہو رہی ہے میں اپنے دفتر سے بے تحاشہ گاڑی دوڑاتا ہوا گھر آیا لیکن مجھے دیر ہو گئی تھی۔ میرے گھر سے ہر وہ چیز غائب تھی جو بازار میں فروخت ہو سکتی تھی نقد روپے اور سیکیورٹیز کے بارے میں کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ ان حالات میں اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟ بتایئے۔ کیا صبر کر کے بیٹھ جاتے اور ان دونوں کو اپنی گاڑھی کمائی کے پرخچے اڑاتے ہوئے دیکھتے رہتے؟"

"ان حالات میں ان دونوں کا تعاقب کرنا سمجھ میں آتا ہے" سر الیک نے جواب دیا۔ "لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر ایک ہی جہاز پر تم ان کی نظروں سے کس طرح پوشیدہ رہ کر سوار ہوتے رہے"

"اوہ — قسمت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ دونوں میری کار میں بیٹھ کر مانٹریل تک آئے۔ میری کار میں!" مجرم کی آواز غصے کی شدت سے کانپنے لگی۔ "اور میں اپنے سراغرساں کے ساتھ انہیں پکڑنے کے لئے ایک پرائیویٹ طیارے میں مانٹریل تک آیا اور ان سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ انہوں نے مانٹریل پہنچ کر ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدنے کے لئے میری گاڑی فروخت کر دی۔ میرے سراغرساں نے ان کے ساتھ ہی اسی طیارے پر میرے لئے ایک نشست محفوظ کرا دی"۔

"کیا وہ نشست تمہارے اصلی نام پر محفوظ کرائی گئی تھی؟"

"کیوں نہیں؟ مجھے معلوم تھا کہ میں مکمل طور پر محفوظ ہوں اور ان کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ میرے سامنے صرف ایک مسئلہ تھا کسی طرح طیارے میں ان کی نظروں سے بچ کر سوار ہونا اور بعد میں ان کی نظروں سے محفوظ رہنا۔ میں نے اس کے لئے اپنی گھنی مونچھیں صاف کرا دیں اور اپنی آنکھوں پر گہرے رنگ کا چشمہ لگا لیا۔ مجھے یہ خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے مجھے جہاز میں سوار ہونے سے پہلے دیکھ لیا تو فرار ہو جائیں گے۔ اس لئے میں اس طیارے میں سوار ہونے والا سب سے پہلا مسافر تھا۔ میں نے سب سے پہلے اس طیارے میں سوار ہو کر ایئر ہوسٹس سے پچھلی نشستوں پر بیٹھنے کی درخواست کی اور کہا کہ مجھے کچھ کام کرنا ہے جس کے لئے مکمل تنہائی کی ضرورت ہے اور یہ کہ مجھے سب سے پہلے سوار ہونے کی اجازت دینے پر شکریئے کا موقع دیا جائے۔ ظاہر ہے میری درخواست کچھ عجیب ضرور تھی لیکن ایئر ہوسٹس نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا! اس کے بعد میرا کام آسان تھا۔ میں اپنے منہ کے آگے اخبار پھیلا کر بیٹھ گیا! اور اس طرح جہاز میں سوار ہونے والے مسافروں کی نظروں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ مجھے صرف یہ ڈر تھا کہ یہ دونوں میرے قریب ہی بیٹھنے کا فیصلہ نہ کر لیں۔ لیکن یہاں بھی قسمت نے میرا ساتھ دیا اور ان دونوں نے اگلی نشستوں پر بیٹھنا پسند کیا۔ اس کے علاوہ یہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ اگر میں ان کے سامنے بھی ہوتا تو شاید وہ مجھے نہ دیکھتے۔ وہ اس طرح ظاہر کر رہے تھے جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انہوں نے ایک ساتھ بیٹھنے کی بھی کوشش نہیں کی بلکہ علیحدہ علیحدہ نشستوں پر بیٹھنا پسند کیا اس کے بعد میرا کام آسان تھا۔ مجھے صحیح وقت کا انتظار تھا جب سب سو گئے کم از کم

میرا یہی خیال تھا ویسے بھی کسی کے سونے یا جاگنے سے میرے منصوبے پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا جب جہاز بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے لگا۔ دنیا کے ہر ملک کی سرحد سے سینکڑوں میل دور تو میں خاموشی سے اپنی سیٹ سے اٹھا اور ان دونوں کو جہنم رسید کر دیا۔"

"ٹھیک ہے اب تم سب سے آخری نشست پر بیٹھ جاؤ اور یہ دونوں تمہاری نگرانی کریں گے۔" کیپٹن نے سرد لہجے میں کہا۔

"ضرور"۔ مجرم نے پورا پورا تعاون کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپکو یقین دلاتا ہوں کیپٹن کہ میں آپ کو ذرا بھی پریشان نہیں کروں گا۔ اب آپ ریڈیو کے ذریعہ پولیس کو میرا پیغام پہنچا دیں کہ اگر ایئر پورٹ پر مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو میں پولیس پر دعویٰ دائر کر دوں گا میں خود ایک وکیل ہوں اور اپنے حقوق اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر انہوں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگانے کی حماقت کی تو اس کی انہیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑیگی"

مجرم باوقار انداز میں قدم اٹھاتا ہوا آخری نشست پر بیٹھ گیا اور دونوں مسافر بڑی مستعدی سے اس کی نگرانی کرنے لگے۔

"خواتین و حضرات" کیپٹن نے جہاز کے مسافروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "اب سے کچھ دیر بعد ہمارا جہاز شانون کے ہوائی اڈے پر اترے گا۔ مجھے احساس ہے کہ اس ناگوار واقعے نے آپ کے ذہنوں پر گہرا تاثر چھوڑا ہے لیکن اس حادثے کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر بھی میں کمپنی کی جانب سے آپ لوگوں سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں آپ لوگوں کے بھرپور تعاون کا بھی شکر گزار ہوں۔ میری آپ سے ایک درخواست ہے۔ ایئر پورٹ پر جہاز کے اترتے ہی آپ سب حضرات اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔ اس وقت تک جب تک کہ دونوں لاشوں کو جہاز سے اتار نہیں لیا جاتا۔ اس کے بعد آپ لوگوں کو نقل و حرکت کی آزادی ہوگی۔ بے شک ہوائی اڈے پر اخباری رپورٹر آپ لوگوں کے منتظر ہوں گے۔ آپ جو چاہیں بیان دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

بیشتر مسافروں نے بلند آواز میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا

"بہت بہت شکریہ" کیپٹن نے کہا "آپ لوگ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ مجرم کی نگرانی پر دو مسافر مقرر ہیں اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ مجرم اب کسی غلط حرکت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ سر الیک۔ میں آپسے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ کاک پٹ میں تشریف لائیں تاکہ کچھ مشورہ کیا جا سکے"

"کیوں نہیں ضرور۔" مجرم نے بلند آواز میں کہا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ سر الیک میرے منصوبے میں کوئی قانونی سقم تلاش نہیں کر سکیں گے"

کیپٹن سر الیک کے ساتھ کاک پٹ میں داخل ہوا۔ اس نے فلائٹ انجینئر اور کو پائیلٹ کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں نے بیشتر گفتگو سن لی ہوگی"

کیپٹن نے کہا۔ "یہ ایک معزز برطانوی شہری ہیں۔ سر الیک۔ پیشے کے اعتبار سے یہ وکیل ہیں۔ میں انہیں صلاح مشورے کے لئے ساتھ لایا ہوں۔ ممکن ہے یہ مجرم کو قانون کے حوالے کرنے میں ہماری کوئی مدد کر سکیں۔ ہاں۔ ایڈ۔ شانون سے کوئی نئی اطلاع موصول ہوئی؟" کیپٹن نے کو پائیلٹ سے دریافت کیا۔

"پولیس ایئر پورٹ پر ہماری منتظر ہوگی لیکن ان کی گفتگو سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ مجرم کو گرفتار نہیں کر سکیں گے۔" کو پائیلٹ نے منہ لٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ کیپٹن" اچانک فلائٹ انجینئر اپنی جگہ سے اچھلا۔ "مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے اگر کوئی شخص ہوائی جہاز میں دو قتل کر کے سزا سے صرف اس لئے بچ سکتا ہے کہ اس نے وہ قتل سمندر کے اوپر کیا تھا اور اس وقت جہاز کسی ملک کی سرحد کے اندر نہیں تھا تو کیوں نہ ہم دروازہ کھول کر قاتل کو باہر دھکا دیدیں۔ آخر اس وقت بھی ہمارا جہاز سمندر پر پرواز کر رہا ہے اور ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں نہیں ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

نگرانی کرنے والے دونوں مسافر مجرم کو کھینچتے ہوئے کاک پٹ میں لے آئے۔ اسے فلائٹ انجینئر کی تجویز سے آگاہ کیا گیا تو اس کا چہرہ کفن کی طرح سفید پڑ گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو" کیپٹن چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا "خون کا بدلہ خون۔ اس نے دو قتل کئے ہیں جس کی سزا اسے ضرور ملنی چاہیئے۔ اگر ہم نے طیارے کا دروازہ کھول کر مجرم کو نیچے پھینک دیا تو یہ جرم نہیں ہوگا۔ کیونکہ بقول مجرم کے ہم اس وقت سمندر کے اوپر پرواز کر رہے ہیں اور کسی ملک کی سرحد میں نہیں ہیں"

کیپٹن کی بات سن کر مجرم دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"نہیں، نہیں، تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو" اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

مگر کسی نے اس کی التجا پر کان نہیں دھرا۔ چار ہٹے کٹے نوجوان آگے بڑھے اور مجرم کو سختی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ ایئر ہوسٹس نے کیپٹن کے اشارے پر طیارے کا دروازہ کھولا۔ تیز ہوا اندر داخل ہوئی اور کاغذات ادھر سے ادھر اڑنے لگے۔ سب مسافروں نے سیٹوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اور دوسرے ہی لمحے چیختے چلاتے ہوئے قاتل کو چاروں نوجوانوں نے باہر دھکیل دیا۔ کیپٹن کے اشارے پر ایئر ہوسٹس نے طیارہ کا دروازہ دوبارہ بند کر دیا اور پھر سب مسافر اور عملے کے لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھالنے لگے۔

پُراسرار آپ بیتی نمبر ا کی عظیم الشان کامیابی کے بعد

سسپنس ڈائجسٹ کا

پُراسرار آپ بیتی نمبر ۲

شائع ہو گیا ہے

• مقصدِ حیات

نو سالہ بابر ادھیڑ عمر زمیندار جمال دین سے کہہ رہا تھا "سنو ظالم آدمی! میں اس بدنصیب اور مظلوم عورت کا بیٹا ہوں، میں اُس وقت تمہارے سامنے نہیں تھا جب وہ آخری بار تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ دینے آئی تھی، لیکن اُس کے پیٹ میں مجھے اس کی دردبھری آواز سنائی دے رہی تھی۔"

• نشاط

میرا عزیز دوست پاگلوں کی طرح "آرہا ہوں آرہا ہوں" کہتا ہوا اِس پُراسرار دوشیزہ کی طرف بڑھ رہا تھا جو اپنے ہاتھ آگے کو پھیلائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی ۔

• بلاعنوان

سب سے اچھا عنوان بھیجنے والے کو ایک سال کے لیے سسپنس ڈائجسٹ مفت بھیجا جاتا ہے۔ تین اور اچھے عنوانات پر تین تین ماہ کے لیے سسپنس ڈائجسٹ مفت بھیجا جاتا ہے۔

• گناہ کے بعد

وہ کریہہ صورت بوڑھا افریقی میرے سامنے دم توڑتے ہوئے کہہ رہا تھا: "تو نے مجھے مار دیا ظالم، لیکن اسے یاد رکھ کہ میری موت کے بعد تجھے چین نصیب نہ ہو سکے گا۔ میں تم سے ضرور انتقام لوں گا۔"

• یہ ہے میری قبر

پروفیسر کی روح نے ایک قبر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "یہ ہے میری قبر اور مجھے مرے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں۔" پھر میں نے قبر کو درمیان سے پھٹتے دیکھا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے پروفیسر کی روح قبر کے اندر داخل ہو کر غائب ہو گئی ۔"

• صوف النساء

"گھبرائیے نہیں انور صاحب"۔ وہ اپنی سُریلی آواز میں بولی "انسانوں کی طرح ہم جنوں میں بھی اچھے اور بُرے بھی ہوتے ہیں۔ میں جنوں کے سردار کی بیٹی ہوں اور تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

• مُردے کی واپسی

اُس طوفانی رات میں رات کے گیارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ دادا نے ہمت کرکے پوچھا کہ کون ہے۔ باہر سے سعید کا جواب آیا جس کے انتقال کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ "دروازہ کھولو، میری قبر میں تو پانی بھر گیا ہے، اب میں کہاں جا کر سوؤں، مجھے اندر آنے دو۔"

سمادھی کا راز

ایک پُرانی سمادھی پر میری نظر پڑی جس پر دیوناگری رسم الخط میں ایک عجیب جملہ لکھا ہوا تھا۔ "کنور رانی، شکنتلا دیوی ہے بھگوان! اب اُسے سنسار میں دوبارہ نہ بھیجیو۔"

خیالات کا چور

"اپنے کمرے میں واپس جاؤ، اپنے کمرے میں واپس جاؤ، کوئی غیبی طاقت مجھے حکم دے رہی تھی۔ میں نے اپنے ذہن کی ساری مزاحمت جمع کر کے نذیر کا گلا دبا دیا، نائلہ مجھ سے لپٹی رو رہی تھی، وہ بے تحاشہ مجھے چوم رہی تھی۔ "ابّو، ابّو، یہ مرگیا ہے نا؟ اب تو مجھے اس کے پاس نہیں آنا پڑے گا نا؟"

پُراسرار آپ بیتی نمبر کے متعلق مُدیر جاسوسی ڈائجسٹ کی رائے :

میرے عزیز دوست اقبال پاریکھ کے خوبصورت اور دلچسپ ماہنامے سسپنس ڈائجسٹ کا پُراسرار آپ بیتی نمبر۲ شائع ہوگیا ہے۔ اِس سے پہلے اکتوبر میں پُراسرار آپ بیتی نمبر۱ شائع ہوا تھا جس نے مقبولیت کا ریکارڈ قائم کیا اور سسپنس ڈائجسٹ کی اشاعت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ اب تک مجھے جو رپورٹ مِلی ہے، اُس کے مطابق پُراسرار آپ بیتی نمبر۲ بے پناہ پسند کیا گیا ہے۔ اقبال پاریکھ جاسوسی ڈائجسٹ کے قلمی معاون رہے ہیں اور اب تک معاونت کر رہے ہیں۔ آج کل وہ میرے ساتھ سِلور جوبلی نمبر کی تیاریوں میں شب و روز مصروف ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ماہنامے سسپنس ڈائجسٹ کو دِن دُونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے

معراج رسولؔ

۱۳ مُنتخب پُراسرار آپ بیتیوں کیلئے آج ہی

اپنے قریبی بُک سٹال سے خریدیے

سسپنس ڈائجسٹ

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۵ ● کراچی۱

اثر نعمانی

تینوں جمعرات کے دن علی الصبح روانہ ہوئے۔ اُن کے پاس گہرے رنگ کی سیڈان کار تھی۔ ریمنڈ فلینڈر پچھلی سیٹ پر اکیلا تھا۔ اُس کے بڑے بھائی بریڈلے نے ڈرائیونگ وہیل سنبھال لیا تھا اور اُن کے باپ لوئیس نے اگلی نشست پر بڑے بیٹے کے ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ کار جیسے ہی سان مارٹیو والے مکان سے آگے بڑھی لوئیس نے ناگوار لہجے میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"مجھے اُمید ہے کہ تمھیں اس زحمت کا احساس ہوگا جو میں تمہاری خاطر برداشت کر رہا ہوں"۔ اُس نے ریمنڈ سے کہا "ایسے معمولی کام کے لیے نہ میرا اسٹور سے غیر حاضر ہونا مناسب تھا۔ نہ تمہارے بھائی کا۔ یہ لڑکی اُس کی اداؤں میں تم اُلجھ........"

"میں سمجھ رہا تھا کہ اُس وقت تک اس معاملے پر ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ جب تک ہم حویلی میں نہیں پہنچ جائیں گے"۔ ریمنڈ نے یاد دلایا۔ "اس تجویز کا محرک تو یہی خیال تھا کہ ہم تینوں وہاں جائیں۔ اور پورے اطمینان سے۔ کسی بیرونی مداخلت کے بغیر۔ ہر معاملے پر تفصیلی بات کرلیں۔ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا۔"

ریمنڈ اپنی سیٹ پر کچھ اور پھیل کر بیٹھ گیا۔ "مجھے یقین ہے کہ پریسٹیج ڈیپارٹمنٹ اسٹور اگر دو دن تمہاری رہنمائی سے محروم رہے گا تو تباہ نہیں ہو جائے گا۔"

"برخوردار! گستاخ ہونے کی کوشش مت کرو"۔ لوئیس نے گھوم کر خشمگیں نظروں سے ریمنڈ کو دیکھتے ہوئے کہا ــــ بریڈلے نے عقبی شیشے میں اپنے چھوٹے بھائی کو گھورا۔ "مہربانی کر کے اسٹور کے بارے میں تنقید و تبصرہ اپنی ذات تک رکھو"۔ وہ بولا ــــ

"کیوں رکھوں"۔ ریمنڈ نے جواب دیا۔ "ایک نہ ایک دن اس میں میرا حصہ بھی تمہارے برابر ہوگا۔"

"پہلے کالج کی تعلیم تو مکمل کرلو۔" بریڈلے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور مجھے اس زندگی میں تو ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ چوبیس سال کے ہونے کو آئے مگر ہنوز دلی دُور است"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ڈیڈی ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ ہمارے خاندان میں جتنی عقل تقسیم ہوئی تھی وہ سب تم نے لے لی ہے" ان کے باپ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "میں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج کے دن تمھاری ماں تمھاری یہ حالت دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہی"

"کیسی حالت" ریمنڈ نے تمکنت سے پوچھا۔ "آخر مجھ میں کیا خرابی ہے؟"

"تم ایک ناکام نوجوان ہو اور یہ سب سے بڑی بُرائی ہے۔" لوئیس نے جواب دیا۔ "تمھیں دو سال پہلے اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر اسٹور کے کاموں میں میرا اور اپنے بھائی کا ہاتھ بٹانا چاہیے تھا۔ اپنے بھائی کی طرح ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانا چاہیے تھا۔ اس کی بجائے تم نے یہ حرکت کی کہ ایک ایسی لڑکی سے عشق لڑانے لگے جو ہماری ملازم ہے اور اسٹور میں معمولی سیلز کلرک کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ اتنا ہی نہیں اب تم اس سے شادی کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔"

"پہلے تو میں عشق لڑانے کے الفاظ پر اعتراض کرتا ہوں" ریمنڈ نے احتجاج کیا۔ "میں اس سے سچی محبت کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آخر اس میں کیا بُرائی ہے۔ اور اگر وہ ہماری سیلز کلرک ہے تو کیا ہوا پھر تم ہی تو کہتے ہو کہ جو لوگ پریسٹیج اسٹور میں کام کرتے ہیں وہ بڑے اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں۔"

"ان الفاظ سے ڈیڈی کا مطلب وہ معیار نہیں ہوتا جو ہمارے خاندان میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے۔" بریڈلے نے کہا اور کارہائی وے پر موڑ لی جو سیدھی پہاڑی کے دامن تک جاتی تھی۔ جہاں ان کی حویلی واقع تھی۔

"تو کیا وہ معیار اتنا بلند ہے کہ کوئی لڑکی اس تک نہیں پہونچ سکتی" ریمنڈ نے کہا۔ "شاید اسی لئے تم تیس سال کے ہونے کے باوجود ابھی تک کنوارے ہو۔"

بریڈلے کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کے اندر کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر وہ تقدیر کی اس ستم ظریفی کو کیا کرتا کہ مرد ہونے کے باوجود اس کے چہرے سے زنانہ پن ٹپکتا تھا۔ اسی لئے وہ عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا نتیجہ اس کا یہ نکلا تھا کہ اس کی کوئی عورت دوست نہیں تھی۔ ابھی تک غیر شادی شدہ تھا۔ اور یہ بات اس کے باپ لوئیس کو اکثر افسردہ کر دیا کرتی تھی۔ "اپنے بھائی کی نجی زندگی کو اس جھگڑے سے الگ رکھو۔" لوئیس نے تیزی کے ساتھ کہا۔ "یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اس نے اپنی تمام صلاحیتیں اسٹور کے لئے وقف کر دی ہیں۔ خدا۔ بہتر جانتا ہے کہ جب سے تمھاری ماں مری ہیں میں اپنی پوری توجہ سے کام نہیں کر سکا"

اس کی وجہ ممی کی موت کا غم نہیں بلکہ مس لیوڈلو کی محبت ہے ڈیڈی۔ ریمنڈ نے اپنے دل میں کہا۔ پیر اور جمعرات کی رات کو جب ہم سب یہ سمجھتے ہیں کہ تم کلب گئے ہوئے ہو تو حقیقت میں تمھاری وہ راتیں مس لیوڈلو کے فلیٹ میں گزرتی ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے ریمنڈ نے بریڈلے کی طرف دیکھا۔ اسے خیال آیا کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ ڈیڈی ہفتہ میں کچھ راتیں ایک ایسی عورت کے ساتھ گزارتے ہیں جو ان سے عمر میں تیس سال چھوٹی ہے تو اس کا ردعمل کیا ہوگا۔

اور پھر اس نے خاموشی سے ایک گہری سانس لی اور سیٹ کے اوپری حصہ پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور فوراً ہی اس کے تصور نے اس کی نظروں کے سامنے جینٹ کو لا کھڑا کیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے اپنے باپ کو یہ یقین دلانا ہی پڑے گا کہ وہ جینٹ سے سچی محبت کرتا ہے اگر اسے اس کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیدی جائے تو پھر وہ اپنی تعلیم بھی مکمل کرے گا اور ہر طرح اپنے بڑے بھائی بریڈلے کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ پھر وہ اپنے باپ سے کسی مدد کا طالب بھی نہیں صرف اتنا چاہتا ہے کہ اسے اس وقت تک اسٹور کے حصے سے محروم نہ کیا جائے جب تک اسے اپنی اہلیت ثابت کرنے کا کم سے کم ایک موقع نہ مل جائے۔ ابھی تک لوئیس نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا تھا اس کے برعکس اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر ریمنڈ اپنی ضد پر اڑا رہا تو وہ اسے اسٹور سے ہی نہیں اپنی پوری وراثت سے محروم کر دے گا۔ اب وہ لوگ اپنی خاندانی حویلی میں دو دن گزارنے جا رہے تھے۔ تاکہ وہاں سکون سے مچھلیاں پکڑنے اور آرام کرنے کے ساتھ آخری بار اس مسئلہ پر دل کھول کر بحث کر لی جائے۔

ریمنڈ کو توقع تھی کہ وہ ضرور کسی نہ کسی فیصلے پر پہونچ جائیں گے

ایک طرف وہ اسٹور اور جائداد میں اپنے حصے سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا تھا اور دوسری جانب جینٹ سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ وہ اپنے باپ کو مس لیوڈلو کے سلسلے میں بلیک میل کرکے اپنی بات منوائے۔ لیکن..... بہرحال — اس نے سوچا — دیکھنا ہے گفتگو کیا صورت اختیار کرتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے اور معاملہ حسب دلخواہ طریقہ پر طے ہوجائے۔

٭ ٭ ٭

وہ ساڑھے دس بجے تک پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ اور پھر گھنے جنگل کے درمیان گھری ہوئی چکردار سڑک پر چلتے ہوئے حویلی تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر جہاں جنگل کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا ایک ہموار سطح پر واقع تھی جس کے قریب ہی ایک قدرتی جھیل بھی موجود تھی۔ یہاں پر کئی میل کا علاقہ شہر کے دولت مند لوگوں نے خرید لیا تھا اور لوئیس کی طرح ان سب نے بھی گرمیاں گزارنے کے لئے ایک ایک حویلی بنوا رکھی تھی۔ مگر یہ سب مکانات اتنی دُور دُور واقع تھے کہ قریب ترین حویلی کا فاصلہ بھی نصف میل سے کم نہیں تھا۔ گرمیوں کے زمانے میں تو خیر یہ فاصلہ بھی زیادہ نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ ہر مکان میں لوگ آباد ہوتے تھے اور اجتماعی تقریبوں میں یا راستے میں آتے جاتے ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے مگر ابھی چونکہ سیزن شروع نہیں ہوا تھا اس لئے تمام گھر غیر آباد اور علاقہ سنسان پڑا ہوا تھا۔

وہ لوگ ٹھیک گیارہ بجے حویلی پہنچ گئے۔ لوئیس کار سے نکل کر ہاتھ پیر سیدھے کرنے لگا اور اس کے دونوں بیٹوں نے کھانے پینے کی اشیاء اٹھائیں اور دروازے کی طرف بڑھے۔ لوئیس نے قفل کھولا۔ وہ تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بڑے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ہی تھے کہ لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ ایک پُرشور آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔ انھوں نے جلدی سے گھوم کر دیکھا۔ ایک نوجوان جس نے نیلے رنگ کی چُست پتلون پہن رکھی تھی ان کی جانب اعشاریہ ۲۲ بور کا ریوالور تانے کھڑا تھا۔ اس نے تینوں کی طرف باری باری دیکھا اور پھر اپنی توجہ رمنڈ اور برنڈلے پر مرکوز کرلی۔

"اے تم دونوں یہ کھانے پینے کی چیزیں وہاں میز پر رکھ دو ——" وہ بولا۔

"تم کون ہو اور میرے گھر میں کیا کر رہے ہو۔۔۔؟" لوئیس نے سخت لہجہ میں کہا۔

"بکواس بند کرو بڑے میاں ورنہ میں اس ریوالور کے دستے سے تمھاری کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔۔" نوجوان بولا۔

"اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکو گے" ریمنڈ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیزیں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم تین ہیں اور تم اکیلے ہو۔۔!"

نوجوان مسکرایا۔ اسی لمحہ عقبی دروازہ بند ہونے کی آواز سُنائی دی باپ بیٹوں نے پلٹ کر دیکھا۔ دو اور نوجوان آدمی کمرے میں داخل ہو رہے تھے انھوں نے بھی قیدیوں کی نیلی وردی پہن رکھی تھی ان میں سے ایک کی پیٹی میں چاقو اڑسا ہوا تھا۔ "بس یہی تین ہیں لیو۔" چاقو والے نے پہلے نوجوان کو مخاطب کیا۔ "کوئی اور دُور دُور دکھائی نہیں دیتا۔۔"

"ٹھیک ہے" لیو نے کہا اور میز کی طرف اشارہ کیا۔۔ "تم یہ چیزیں اُٹھا کر کچن میں رکھ آؤ۔ اور تم کرٹ۔۔" وہ چاقو والے کی طرف گھوما۔ "اس طرف جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر ان میں سے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرے تو بیشک چاقو مار دینا" کرٹ نے سر ہلایا اور کمرے کے ایک گوشے میں پوزیشن لے کر کھڑا ہو گیا۔ لیو ایک مرتبہ پھر باپ بیٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔

"اچھا تو حضرات! میرا خیال ہے تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ہم کولٹن کاؤنٹی جیل سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں" اس نے کہا۔ "ہم اس امید میں یہاں آئے تھے کہ ہمیں تبدیل کرنے کے لئے کچھ کپڑوں اور کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی جسے فروخت کر کے سفر خرچ کا انتظام کر سکیں جس کے بعد ہمارا ارادہ آج رات یہاں سے چلے جانے کا تھا۔ لیکن تمھاری آمد نے ہمارا پروگرام کچھ تبدیل کر دیا ہے اب میرا خیال ہے کہ ہم کیوں نہ تمھارے کپڑوں، تمھارے روپیہ اور تمھاری کار سے فائدہ اٹھائیں چنانچہ مہربانی کر کے اپنی اپنی جیبیں اس میز پر خالی کر دو"

لوئیس تعمیل حکم کے لئے تیار نہیں تھا مگر جب اس کے بیٹوں نے چپ چاپ اپنے بٹوے نکال کر میز پر ڈال دیئے تو وہ بھی مجبور ہو گیا۔ لیو نے ان سب کو بدستور ریوالور کی زد میں لئے ہوئے بٹوؤں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ریمنڈ اور بریڈلے کے بٹوؤں سے رقم اور شناختی کاغذات نکالنے کے بعد اس نے لوئیس کا بٹوہ کھولا تو اس میں سے چار سو بیس ڈالر نکلے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ تمام نقدی اپنی جیب میں رکھنے کے بعد وہ ان تینوں کی طرف متوجہ ہوا جو اب ایک صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ لیو ان کے قریب پہنچا اور سامنے رکھی ہوئی چھوٹی میز پر ایک پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ریوالور کی نال اب بھی ان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔۔ "شہر میں جو بڑا سا اسٹور ہے سُنا ہے اس کے مالک کا نام بھی فلینڈر ہے" وہ بولا۔ "وہ اسٹور تمھارا تو نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔۔" لوئیس نے جھوٹ بولا۔ "یہ اتفاق ہے کہ اس کے مالک کا نام بھی فلینڈر ہے"

لیو مسکرایا۔ اپنے ساتھی کرٹ کو ہدایت کی کہ وہ باہر جا کر سیڈان کار کا نمبر دیکھ آئے۔ کرٹ نے واپس آکر بتایا کہ نمبر ہی نہیں وہ اس کی رجسٹریشن بک بھی دیکھ آیا ہے اور اس کے مطابق کار پریسٹیج اسٹور کی ملکیت ہے۔ لوئیس اپنا جھوٹ اتنی جلدی کھل جانے پر بڑا سٹپٹایا۔ مگر کر بھی کیا سکتا تھا خاموش رہا۔

"تم نے ہمارے شناختی کاغذات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ رقم بھی اڑا لی ہے اور کار کی چابیاں بھی تمھارے پاس ہیں۔۔" ریمنڈ نے کہا۔۔ "اب تم ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر دفع کیوں نہیں ہو جاتے جب تک ہم شہر واپس جا کر پولیس کو اطلاع کریں گے تم کم سے کم دو ڈھائی سو میل دور جا چکے ہو گے۔"

"تجویز بُری نہیں" لیو نے کہا۔ "ممکن تھا کہ ہم ایسا ہی کرتے مگر ہم دن کے اجالے میں جانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے ہم رات تک انتظار کریں گے اور پھر سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔" وہ اپنے ساتھی کرٹ کی جانب چل دیا۔

"تم نے دیکھا کہ تمھاری عشق بازی نے ہمیں کس پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔" لوئیس نے ریمنڈ سے کہا۔ "اب تو تمھیں چین آ گیا ہو گا"

"مگر وہ ریوالور تمھارا ہے جو تمھاری لاپرواہی کی وجہ سے اس وقت لیو کے ہاتھ میں نظر آ رہا ہے۔ ڈیڈی نے تمھیں نہ جانے کتنی مرتبہ ہدایت کی تھی کہ اسے حویلی میں مت چھوڑا کرو۔" ریمنڈ نے کہا۔

"اب جبکہ وہ مجھے پہچان چکے ہیں تو پتہ نہیں کیا سلوک کریں گے"

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب زندہ گھر واپس نہیں جا سکتے" بریڈلے نے کہا۔

"بے شک فرمانبرداری کا تقاضہ تو یہی ہے۔۔" ریمنڈ جلدی سے بولا۔ "تم ان سے ایک بلیڈ کیوں نہیں مانگ لیتے تاکہ اپنی کلائیوں

کی رگیں کاٹ کر آرام سے مر جاؤ ۔"

"اپنے بڑے بھائی سے اس طرح بات کی جاتی ہے" لوئیس نے ڈانٹا۔ "ہم تمہاری حماقت کی وجہ سے اس مصیبت ...."

"دیکھو ڈیڈی میں خلوص سے اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہتا ہوں ۔ جینیٹ سے شادی کر کے میں اپنی تعلیم مکمل کر دوں گا اور پھر اسٹور میں تمہارا اور بریڈے کا ہاتھ بٹاؤں گا ۔"

"ہاتھ بٹاؤ گے ۔ ہاتھ بٹانا اسی کو کہتے ہیں کہ صرف اپنا ہی نہیں اس لڑکی کا بوجھ بھی مجھ پر ڈال دو"

"اس کا بار تم پر نہیں پڑے گا ۔ وہ بکسنز راسٹور میں ....."

"ہرگز نہیں" لوئیس نے بات کاٹ دی۔ "وہ اب میرے اسٹور میں کام نہیں کر سکتی ۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے واپس جاتے ہی اسے ملازمت سے برطرف کر دوں گا ۔ جہاں تک تمہارے کالج کی تعلیم کا تعلق ہے تو اس کا خرچ بھی تمہیں خود ہی اٹھانا ہوگا ۔ میں پانچ سال تک اپنا پیسہ ضائع کرتا رہا ہوں ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا"

"لیکن اسٹور میں میرے کام کرنے کا فائدہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں ڈگری حاصل کر لوں ۔"

"تمہارا بھائی اور میں اب تک اسٹور کا کام بڑی اچھی طرح چلاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہم تمہارے بغیر یہ کام کر سکتے ہیں ۔"

"خوب ۔ کوئی گھریلو جھگڑا طے ہو رہا ہے ۔" یہ لیو تھا جو نہ جانے کب چپ چاپ ان کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ "بہرحال میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے ۔ میرا فیصلہ ہے کہ تم میں سے دو آدمی یہاں ٹھہریں گے اور ایک شخص واپس جا کر میرے لئے کچھ اور رقم لائے گا ۔"

"بدمعاش تمہاری اتنی ہمت کہ ...." لوئیس نے غصّہ میں کچھ کہنا شروع کیا تھا کہ لیو نے اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر ایک جھٹکا دیا ۔ ریمنڈ نے اپنے باپ کی مدد کرنا چاہی مگر کرٹ نے جو اب ریوالور تھامے ہوئے تھا گولی چلانے کی دھمکی دے کر اسے وہیں روک دیا۔

"آئندہ کبھی مجھے بدمعاش مت کہنا ۔" لیو نے آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے جواب دیا ۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اس کمرے میں سب سے بڑے بدمعاش تم خود ہو ۔ تم نے اپنے اسٹور کے ذریعہ اتنے لوگوں کو دھوکا دیا ہوگا ۔ انہیں لوٹا ہوگا کہ ہم سب نے اپنی پوری زندگی میں بھی اتنے افراد کو فریب نہیں دیا ہوگا" اس نے زور سے لوئیس کو واپس صوفے پر دھکیل دیا

ور ریمنڈ کی طرف دیکھا ۔ "تم بہت جوشیلے معلوم ہوتے ہو ۔ لیکن یاد رکھو ایک انچ بھی حرکت کی اور جان سے گئے" اس وقت تیسرا ساتھی سیکی بھی کمرے میں آ گیا ۔

"تمہیں جو کچھ کہنا ہے بتا دو" ریمنڈ نے کہا۔ "ہم اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے ۔ لیکن اس طرح آئندہ میرے باپ پر ہاتھ مت اٹھانا ۔"

"مجھے نقد رقم کی ضرورت ہے جتنی بھی مل سکے مگر اس طرح کہ اس کا تعلق نہ بینک سے ہو اور نہ تمہارے اسٹور سے" لیو نے کہا۔ "اس لئے بتاؤ کہ گھر پر بھی کچھ نقدی رکھتے ہو یا نہیں"

"گھر پر میرے باپ کے پاس ایک سیف ہے"

"اس میں کتنی رقم ہوگی"

"ڈیڈی ۔۔!" ریمنڈ نے لوئیس کی طرف دیکھا ۔ "صورتحال ایسی ہے کہ ہم ان لوگوں کی بات ماننے پر مجبور ہیں ۔ سیف میں کتنی رقم ہے"

"میں اس سلسلہ میں کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا" لوئیس نے کہا۔

ریمنڈ ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا ۔ پھر لیو کے

مُفت منگوائیے

اس بیش قیمت زندگی کی رہنما کتاب میں زندگی کے اہم راز اور نکتے بیان کیے گئے ہیں جنہیں آپ جاننے کے بعد ازدواجی زندگی کی مسرتیں حاصل کر سکتے ہیں ۔ اس کتاب کی خوبیوں کا اندازہ آپ خود پڑھ کر لگا سکتے ہیں

ایک کارڈ لکھ کر مفت طلب فرمائیں

پوسٹ بکس ۱۱ کراچی

قریب پہنچا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میرا باپ کیسا آدمی ہے" وہ سرگوشی میں بولا۔ "مجھے اور میرے بھائی کو باہر لے چلو۔ ہم اس کی موجودگی میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے"

لیو نے ریوالور کرٹ کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ اپنے چاقو کی مدد سے بوڑھے لوئیس پر قابو رکھے۔ پھر ریمنڈ اور بریڈلے سے باہر چلنے کے لئے کہا۔ وہ کچن سے گزرتے ہوئے حویلی کے عقبی حصہ میں نکل آئے۔ لیو اپنے ساتھ سیکی کو بھی لیتا آیا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا کہتے ہو۔؟" اس نے ریمنڈ سے پوچھا۔

ریمنڈ نے اپنے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔

"بریڈ ہمیں مجبوراً وہ ہی کچھ کرنا پڑے گا جو یہ کہتا ہے" وہ بولا

"اگر ہم نے ایسا کیا تو ڈیڈی ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گے"

بریڈلے نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"انھیں کرنا پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر ہم انکی اور اپنی زندگی نہیں بچا سکتے۔"

"مگر ہم انہیں کبھی یہ باور نہیں کرا سکیں گے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"تم یہاں سے زندہ واپس جانا چاہتے ہو یا نہیں؟"

پاریکھ کی ۲۰ سنسنی خیز
اور جاسوسی کہانیوں کا انتخاب
میں قتل ہونا چاہتا ہوں
بے حد خوبصورت گٹ اپ
قیمت صرف ۳/۵۰ روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاریکھ پبلیکیشنز ۵ ... کراچی

"وہ تو ٹھیک ہے مگر......"

"مگر کچھ نہیں، یہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے۔" ریمنڈ نے کہا۔ "اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو میں تم دونوں کے بغیر لیو سے صرف اپنی ذات کی حد تک معاملہ طے کر لوں گا۔ سمجھے۔ پھر تم جانو اور تمھارا کام"

"اچھی بات ہے" بریڈلے کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"ڈیڈی اپنے سیف میں کتنی رقم رکھتے ہیں؟" ریمنڈ نے پوچھا

"تین ہزار ڈالر۔ یا ممکن ہے کچھ زیادہ ہوں"

"میرے بھائی کو پنسل اور کاغذ دو" ریمنڈ نے لیو کی طرف دیکھا۔ "وہ تمھیں سیف کے نمبر لکھ دے گا۔"

لیو نے سیکی کو اشارہ کیا۔ وہ مطلوبہ چیزیں لینے اندر چلا گیا۔

"تمھیں سیف کا نمبر کیوں نہیں معلوم ہے؟" لیو نے ریمنڈ سے پوچھا۔

"میں گھر پر سب کے ساتھ نہیں رہتا۔" ریمنڈ نے اپنے بھائی پر ایک تیز نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ "اسٹور کے قریب ایک فلیٹ میں علیحدہ رہتا ہوں۔ یہ اندازہ تو تم نے کر لیا ہو گا کہ میں اپنے خاندان کی کالی بھیڑ ہوں"

"پھر ہمارے ساتھ آملو۔" لیو نے کچھ نرمی سے کہا۔

سیکی کاغذ پنسل لے آیا۔ ریمنڈ نے دونوں چیزیں بریڈلے کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور اس نے کسی قدر تذبذب کے بعد آخر کار وہ نمبر لکھ دیے جن سے سیف کا قفل کھولا جا سکتا تھا۔ ریمنڈ نے کاغذ لے کر لیو کو پکڑا دیا۔

"اسے تم ہی اپنے پاس رکھو" لیو نے کہا۔ "کیونکہ تمھیں ہی اسے کھولنے کے لئے جانا ہے۔"

"تم ہمیں یہاں چھوڑ کر خود ہمارے گھر جا کر سیف سے رقم کیوں نہیں نکال لیتے۔ آخر اتنے چکر کی کیا ضرورت ہے" ریمنڈ نے کہا۔

"اس لئے کہ ممکن ہے یہ نمبر درست نہ ہو" لیو نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم نے ہم سے جان چھڑانے کے لئے کوئی چال چلی ہو۔ لیکن اگر میں تم میں سے دو کو یہاں اپنے قبضہ میں رکھ کر تیسرے آدمی کو بھیجتا ہوں تو وہ کوئی چالاکی کرنے سے پہلے دس مرتبہ سوچے گا۔ میرا مطلب سمجھے"

"سمجھ گیا۔" ریمنڈ نے نمبر لکھا ہوا کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کب جانا ہوگا"

"کل صبح۔" لیو نے بتایا۔ "تاکہ تم کل ہی شام سے پہلے واپس بھی آسکو۔"

اس رات تینوں باپ بیٹے اسٹور روم میں سلائے گئے جہاں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا اور صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ جس کے دروازے پر ان کے گرفتار کنندگان رات بھر باری باری پہرہ دیتے رہے۔ تومیس اپنے دونوں بیٹوں سے ناراض معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ بریڈلے نے کوشش بھی کی تو منہ دوسری طرف کرکے آنکھیں بند کرلیں۔

"ڈیڈی کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے کیا کیا ہے۔" بریڈلے نے ریمنڈ سے کہا۔

"جب یہ مصیبت ختم ہوگی تو وہ ہمارا شکریہ ادا کریں گے"

"ناممکن۔ وہ ہم دونوں کو اپنی جائداد سے محروم کردیں گے" بریڈلے نے کہا۔

"کرنے دو۔ کم سے کم ہم زندہ تو رہیں گے۔" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "اگر بات ڈیڈی پر چھوڑ دی ہوتی تو وہ غنڈے گولیوں سے ہمارا جسم چھلنی کردیتے"

"کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ تمھاری اپنی خواہش یہ ہی نہیں ہے۔" بریڈلے نے ناگواری کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب" ریمنڈ نے اپنے بھائی کو گھورا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا مطلب کیا ہے۔" بریڈلے نے جواب دیا۔ "وہ تمھیں رقم لینے بھیج رہے ہیں۔ تمھارے لئے اس سے زیادہ آسان اور اچھی بات کیا ہوگی کہ ایک مرتبہ یہاں سے نکلنے کے بعد تم واپس ہی نہ آؤ۔"

"تم پاگل ہوگئے ہو۔ میں اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ ایسا سلوک کرسکتا ہوں۔؟"

"کیا خبر۔؟" بریڈلے نے شانے اچکائے۔ "تمھیں صرف اتنا ہی تو کرنا ہوگا کہ واپس آنا بھول جاؤ۔ خاص طور سے اس لئے کہ اس کے بعد تم اسٹور اور ہر چیز کے تنہا مالک ہوگے۔"

"تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے۔"

"کچھ بھی کہو میں تم پر بھروسہ نہیں کرسکتا" بریڈلے نے جواب دیا۔ "گھر سے رقم لانے کے لئے میں جانا چاہتا ہوں"

"کیوں۔؟" ریمنڈ مسکرایا۔ "کیا اس لئے کہ پھر تم تمام جائداد کے واحد وارث بن جاؤ۔"

"میں تمھارے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد ہوں"

"ٹھیک ہے۔ جاکر لیو سے کہو۔ اس وقت فیصلے دہی کر رہا ہے" ریمنڈ نے کہا اور بریڈلے کی طرف سے پشت کرلی۔

بریڈلے اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی گھڑی سیکی نے چھین کر اپنی کلائی پر باندھ لی تھی اس لئے اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کتنی رات جاچکی ہے۔ آخر کار جب اسے یقین ہوگیا کہ اس کے باپ اور بھائی سوچکے ہوں گے تو وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت پہرے کی باری کرٹ کے سپرد تھی اس نے بریڈلے کو دیکھتے ہی جلدی سے سامنے میز پر رکھا ہوا ریوالور اٹھالیا۔

"میں تمھارے دوست لیو سے ملنا چاہتا ہوں" بریڈلے نے کہا۔ "اگر وہ سو رہا ہے تو اسے اٹھادو۔ میں اس سے بہت اہم اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں"

"وہ تم مجھ سے بھی کہہ سکتے ہو۔" کرٹ نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میرا بھائی تم کو ڈبل کراس کررہا ہے" بریڈلے نے آہستہ سے کہا۔

* * *

اگلی صبح لیو نے ریمنڈ کو وہ چیزیں واپس کردیں جو اس نے اس کے بٹوے سے نکالی تھیں۔ "یہ رہا تمھارا بٹوہ اور کار کی چابیاں" اس نے کہا۔ "تم پہلے اپنے باپ کے گھر جاکر سیف سے رقم نکالنا اور پھر اپنے فلیٹ جاکر وہاں سے اپنے کچھ کپڑے ہمارے لئے لیتے آنا۔"

"میرے بڑے بھائی کے کپڑوں سے کام نہیں چل سکتا۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔ وہ ہم میں سے کسی کے جسم پر فٹ نہیں آسکتے۔" لیو نے جواب دیا۔ "جہاں تک کرٹ کا تعلق ہے میں نے اس کے لئے دوسرا انتظام کرلیا ہے" اسی لمحہ کرٹ کمرے میں داخل ہوا وہ بریڈلے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

"بالکل فٹ تو نہیں ہیں" اس نے لیو سے کہا۔ "مگر کام چل جائے گا۔"

ریمنڈ نے چونک کر لیو کی طرف دیکھا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"میں کرٹ کو تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں" لیو نے بتایا۔ "کل رات مجھے خیال آیا کہ تمہیں تنہا جانے کا موقع دے کر میں خطرہ مول لے رہا ہوں۔ آخر تم پہلے ہی اپنے خاندان کی کالی بھیڑ مشہور ہو"

ریمنڈ نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ جو اس وقت کرٹ کا قیدیوں والا لباس پہنے ہوئے تھا اس کے تاثرات دفعتاً سخت پڑ گئے

"خوب تو کل رات آپ ہی آپ یہ خیال تمہارے دل میں پیدا ہو گیا۔ کیوں۔؟" اس نے کہا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔" لیو مسکرایا۔ اور کرٹ کی طرف گھوم گیا۔ "یہ لو یہ اس کے بھائی کا بٹوہ ہے۔ میں نے اس میں سے شناختی کاغذات نکال لئے ہیں۔ وہ تمہارے کام نہیں آسکتے تھے اول تو تمہیں کوئی روکے گا نہیں اور اگر ایسا ہو تو کہہ دینا کہ تم ریمنڈ کے چھوٹے بھائی ہو"

لیو نے کرٹ سے چاقو لے کر ریوالور اسے دیدیا۔ "یہ اپنے پاس رکھو۔" وہ بولا۔ "اگر یہ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کرے تو مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تمہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں اس بوڑھے کے سیف میں رکھی ہوئی رقم اور میرے اور سیکی کے لئے کچھ کپڑے مل جائیں۔ اس روپے کپڑوں اور کار کے ساتھ ہم بہ حفاظت کہیں بھی جا سکتے ہیں۔" اس نے کرٹ کی پشت تھپتھپائی۔ "اب ہماری کامیابی کا انحصار تم پر ہے"

کرٹ نے اثبات میں سر ہلایا اور ریمنڈ کو چلنے کا اشارہ کیا۔ اپنے بھائی پر دوسری نظر ڈالے یا اپنے باپ سے ملے بغیر ریمنڈ اس کے ساتھ چل دیا۔ دونوں کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ریمنڈ نے کار اسٹارٹ کی اور واپس موڑ کر اس پگڈنڈی پر ڈال دی جو شہر جانے والی مین ہائی وے سے جا ملتی تھی۔

وہ تقریباً ایک گھنٹہ کی محتاط ڈرائیونگ کے بعد ہائی وے پر پہونچ گئے۔ اس درمیان ریمنڈ بالکل خاموش بیٹھا کار چلاتا رہا تھا کرٹ نے بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر جب وہ ہائی وے کے پہلے چوراہے پر پہنچے تو کرٹ کو زبان کھولنا پڑی۔

"اب یہاں سے ہمیں گشتی پولیس کی کاریں بھی ملنے لگیں گی اور شہر میں جا کر ٹریفک پولیس بھی نظر آئے گی۔" وہ بولا۔ "اگر تم نے ذرا سی بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو خواہ میرا کچھ حشر ہو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"کیا سچ مچ وہ ہی کرو گے جو کہہ رہے ہو۔" ریمنڈ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کوئی شرارت کر کے دیکھ لو۔" کرٹ نے جواب دیا۔ "میں جیل میں اتنی اذیت برداشت کر چکا ہوں کہ اب کسی قیمت پر وہاں واپس جانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو۔ تو محتاط رہنا۔"

"میرا بھی یہ ہی ارادہ ہے" ریمنڈ نے یقین دلایا۔

کچھ فاصلہ خاموشی سے طے ہوا۔ پھر کرٹ نے کار میں لگا ہوا ریڈیو آن کر کے ایک ایسا اسٹیشن لگا دیا جہاں ویسٹرن موسیقی بج رہی تھی۔ پروگرام ختم ہوا تو اناؤنسر نے خبریں سنائیں مگر ان میں تین مفرور قیدیوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ ریمنڈ سوچ رہا تھا کہ آخر ان تینوں نے کونسا جرم کیا تھا جس کے نتیجہ میں جیل بھیجدیئے گئے تھے تینوں اپنی عمر سے زیادہ پختہ کار اور سخت مزاج نظر آتے تھے۔ ان کے مقابلے میں آنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا ایک مرتبہ بھی چوک ہوئی اور قصہ ختم۔

وہ یکساں رفتار کے ساتھ کار چلاتا رہا یہاں تک کہ وہ شہر پہونچ گئے۔ سڑکوں پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ ریمنڈ نے سان مارینو کی جانب کار موڑی تو اس نے محسوس کیا کہ کرٹ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا ہے۔

"تمہارا گھر یہاں سے کتنی دور ہے۔" اس نے پوچھا۔

"تقریباً پانچ منٹ کا راستہ اور ہے" ریمنڈ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ کرٹ نے جیکٹ کی جیب میں ریوالور پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ خبردار اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا۔ کوئی احمقانہ غلطی مت کر بیٹھنا۔

سان مارینو کی سڑک سے وہ ایک گلی میں مڑ گئے اور کچھ دور جانے کے بعد ریمنڈ نے اپنے باپ کے گھر کے سامنے کار روک دی اترنا چاہتا تھا لیکن کرٹ کی آواز سن کر رک گیا۔

"ذرا ٹھہرو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اتنا بڑا گھر ملازموں کے بغیر تو نہیں ہو سکتا۔ کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔"

"تین۔ مگر ڈیڈی نے انہیں تین دن کی چھٹی دیدی

تھی۔ "ریمنڈ نے جواب دیا۔ "کیونکہ ہم وہاں پہاڑی میں اپنی حویلی میں رہنے جا رہے تھے۔"

"تو گھر میں کوئی نہیں ہے"

"نہیں۔" ریمنڈ نے نفی میں سر ہلایا۔

کرٹ نے چند لمحہ غور کیا پھر اپنی طرف کا دروازہ کھولنے لگا۔ "اچھی بات ہے۔ نیچے اترجاؤ۔" وہ بولا۔ "گھر میں کوئی ہوا تو تمھاری خیریت نہیں"

ریمنڈ نے آگے بڑھ کر مکان کا صدر دروازہ کھولا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ مختلف کمروں سے گزارتے ہوئے وہ کرٹ کو ایک خاص کمرے تک لے آیا۔ "یہ لائبریری ہے" اس نے بتایا "سیف اسی کے اندر دیوار میں لگا ہے۔"

کرٹ کی نظریں ریمنڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک قدم پھونک کر رکھتے ہوئے اس کے پیچھے لائبریری میں داخل ہوا اس کا ہاتھ بدستور جیکٹ کی جیب میں ریوالور کے دستے پر رکھا تھا۔ لائبریری ایک لمبے مستطیل کمرے پر مشتمل تھی اور چاروں دیواریں تین چوتھائی بلندی تک کتابوں کی الماریوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ سیف کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ کرٹ نے تیز نگاہوں سے ریمنڈ کو گھورا۔

"وہ اس خانے کے پیچھے ہے جس میں نیشنل جغرافیہ کے موضوع پر کتابیں رکھی ہیں۔" ریمنڈ نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر خانے میں رکھی ہوئی کتابیں اٹھا اٹھا کر میز پر ڈھیر کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں جب ساری کتابیں، خانے سے نکالی جا چکیں تو ایک آہنی سیف کا دروازہ سامنے نظر آ رہا تھا۔

"اس میں کہیں اتفاق سے کوئی ریوالور تو رکھا ہوا نہیں ہے" کرٹ نے پوچھا۔

"نہیں۔ ڈیڈی اپنا ریوالور اس میز کی بائیں دراز میں رکھتے ہیں جو کھڑکی کے پاس پڑی ہے۔" ریمنڈ نے بتایا۔ "میرے ڈیڈی بائیں ہاتھ سے کام کرنے کے عادی ہیں"

سوچتے ہوئے انداز میں کرٹ میز کی طرف بڑھا اور بائیں دراز کھولی۔ اعشاریہ ۳۸ بور کا ریوالور سب سے اوپر رکھا ہوا تھا کرٹ نے ریوالور اٹھا کر اس کا میگزین چیک کیا۔ وہ پوری طرح بھرا ہوا تھا اس نے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ سیفٹی سوئچ آن ہے اس ریوالور کو بھی اپنے جیکٹ میں رکھ لیا۔

"اب تو تمھیں اطمینان ہو گیا کہ میں تمھیں دھوکا دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" ریمنڈ نے کہا۔

کرٹ نے اسے گھور کر دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ

اپنی نظروں سے اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ٹھیک ہے۔ تم سیف کھولو۔" اس نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ریمنڈ نے بریڈلے کا لکھا ہوا نمبر نکالا اور بڑی احتیاط سے ایک ایک ہندسہ ملانے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے آخری ہندسہ گھمایا اور پھر ہینڈل کو ایک طرف دباتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ دونوں ہاتھ اندر ڈالتے ہوئے اس نے سیف میں رکھی ہوئی چیزیں باہر اسی میز پر رکھنا شروع کر دیں جس پر کتابیں رکھی تھیں۔ رقم دس بیس اور پچاس ڈالر کے نوٹوں کی شکل میں تھی اور ایک بڑے سے لفافے میں رکھی تھی۔ باقی تمام کاغذات میں کچھ انشورنس کے تھے اور کچھ ذاتی نوعیت کی دستاویزات تھیں۔

" گھر میں کچھ اور روپیہ بھی کہیں رکھا ہے " کرٹ نے معلوم کرنا چاہا۔

" اگر ہے تو میرے علم میں نہیں ہے " ریمنڈ نے جواب دیا۔ " میرے بھائی کا کمرہ اوپر ہے۔ اگر تمھیں اپنے لئے مزید کپڑوں کی ضرورت ہو تو لے سکتے ہو "

" میرے لئے یہی کپڑے کافی ہیں" کرٹ نے کہا۔" چلو اب جلدی سے یہاں سے باہر نکلو۔ "

" جیسی تمھاری مرضی "۔ ریمنڈ نے سیف بند کر دیا۔ پھر دونوں گھر سے باہر نکلے۔ ریمنڈ نے صدر دروازہ بھی مقفل کر دیا۔ اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ کار میں اسی راستے پر واپس جا رہے تھے جس سے آئے تھے۔ ریمنڈ نے کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں رکھی تھی۔ " میں تم سے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔ " اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

" ضرور۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ "

" تمھارے خیال میں تمھارے ساتھی میرے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کریں گے " ریمنڈ نے سوال کیا۔" اگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی حویلی واپس نہ جائے تو "

کرٹ کا ہاتھ جیکٹ کے اندر ریوالور کے دستے پر مضبوطی سے جم گیا۔" لیکن ہم واپس کیوں نہیں جائیں گے " اس نے پوچھا۔

" اس لئے کہ میں جانا نہیں چاہتا۔ " ریمنڈ نے جواب دیا۔ " اور تم اس لئے کہ اگر تم تنہا رہ جاؤ تو تمھارے بچ نکلنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تمھارے پاس کار ہے تم نے کپڑے بھی تبدیل کر لئے ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ ساری رقم تمھاری جیب میں ہے۔ تم بڑی آسانی سے اس کے تنہا مالک بن سکتے ہو۔ " اس نے کرٹ کی طرف دیکھا۔" تو تمھارے خیال میں وہ لوگ کیا کریں گے "

" مجھے خیال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ " کرٹ نے سرسری لہجہ میں کہا۔" میں جانتا ہوں کہ وہ کیا کریں گے خاص طور پر لیو کے بارے میں مجھے یقین ہے۔ "

" کیا ۔۔ ؟ "

" وہ اس چاقو سے ان دونوں کے گلے کاٹ دیگا "

" اس کے لئے بڑی ہمت چاہیے۔ "

" لیو کے پاس ہمت کی کمی نہیں " کرٹ نے جواب دیا۔" وہ پہلے ہی ایک قتل کر چکا ہے اور اس وقت اس کی عمر صرف چودہ سال تھی"

" میں نے سنا ہے کہ ایسے سنگین جرم کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی ہے "

" ہاں۔ مگر اس وقت نہیں جب تمھاری عمر صرف چودہ سال ہو۔ " کرٹ مسکرایا۔" اگر کوئی کم عمر لڑکا ایسا جرم کرتا ہے تو وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس کے اس جرم کا قصوروار سوسائٹی کو ٹھہراتے ہیں۔ سیکی کی مثال لے لو۔ اس نے اور اس کے تین ساتھیوں نے ہائی اسکول کی ایک طالبہ کو اغوا کیا اور اسے ایک تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں انھوں نے پہلے خود اسے بے عزت کیا اور پھر بعد میں اسے دوسرے لڑکوں کے ہاتھ فی گھنٹہ کرائے پر چلاتے رہے نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہفتہ میں اس لڑکی کا دماغی توازن خراب ہو گیا۔ اگر سیکی اور اس کے ساتھی اٹھارہ سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہوتے تو اغوا کے جرم میں عمر قید کی سزا پاتے۔ مگر وہ صرف پندرہ سولہ سال

ملتان ومضافات ملتان

میں ہمارے سول ایجنٹ

محمد شفیع ملک

ملک نیوز ایجنسی ، حسن پروانہ روڈ ، مُلتان

پرچہ نہ ملنے کی شکایت درج بالا پتہ پر کریں یا ٹیلیفون ۲۷۸۱ پر رجوع کریں :

کے تھے چنانچہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا گیا۔"

"میں تمھارا مطلب سمجھ گیا،" ریمنڈ بولا۔ "تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے کوئی میرے باپ اور بھائی کو قتل کر سکتا ہے۔"

"شرطیہ بات ہے،" کرٹ نے کہا۔ "چنانچہ اگر تم ان دونوں کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسے خیالات ذہن سے نکال دو۔"

"اس وقت جو خیال میرے ذہن میں ہے وہ صرف اپنے بھوکے پیٹ کے بارے میں ہے۔" ریمنڈ مسکرایا۔ اور ڈیش بورڈ میں لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پونے بارہ بجے تھے۔ "کیا ہم کہیں رک کر کھانا نہیں کھا سکتے۔؟"

کرٹ نے اس تجویز پر غور کیا اور چند لمحے سوچنے کے بعد بولا "اوکے۔ کوئی ڈرائیو ان ریسٹورنٹ تلاش کرو۔ وہاں ہمیں اپنی کار سے نہیں اترنا پڑے گا۔"

اگلے بلاک میں ایک ایسا ہی ریسٹورنٹ مل گیا اور ریمنڈ نے کار اس کی طرف موڑ لی۔ انھوں نے کھانے کا آرڈر دیا اور اس وقت جبکہ وہ کھانا آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ریمنڈ نے دوبارہ گفتگو چھیڑ دی۔

"تم نے مجھے اپنے دونوں دوستوں کے بارے میں تو بتا دیا" وہ بولا "مگر خود اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ تم سزا کیوں کاٹ رہے تھے۔"

"آخر تم یہ سب باتیں کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو۔" کرٹ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں صرف اپنے تجسس کی تسکین کے لئے پوچھ رہا ہوں۔" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "تم ان دونوں سے کچھ مختلف نظر آتے ہو۔۔۔ آخر ایسی کیا بات تھی جس نے تمھیں جرم کی طرف مائل کر دیا؟"

"میری بدقسمتی کہہ سکتے ہو۔" کرٹ نے کسی خاص تاثر کے بغیر کہا "میری پرورش دیہاتی ماحول میں ہوئی ہے۔ مگر میں اس ماحول سے بہت اکتا گیا تھا اور کہیں بھاگ جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ قصبے میں ایک مالدار بوڑھی عورت رہتی تھی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے اپنی تمام دولت اپنے پلنگ کے نیچے ایک لوہے کے بکس میں دبا رکھی ہے۔ مجھے فرار ہونے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے اسے لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر عین اس وقت جبکہ میں بکس سے رقم نکال رہا تھا وہ بوڑھی عورت آ گئی اور کسی سائرن کی طرح چیخنا شروع کر دیا میرے لئے اس کا منہ بند کرنا ضروری تھا اور ایسا کرنے کا جو واحد طریقہ مجھے معلوم تھا وہ یہی تھا کہ میں اسے مار دوں اور میں نے ایسا ہی کیا یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ میری ضرب اس کی ریڑھ کی ہڈی پر کچھ اس طرح لگی تھی کہ وہ باقی تمام عمر کے لئے اپاہج ہو گئی،" کرٹ اپنی کہانی اتنے سرسری لہجہ میں بیان کر رہا تھا جیسے موسم کے بارے میں گفتگو کر رہا ہو۔ اس درمیان میں کھانا بھی آ گیا۔

"یہ تو واقعی بدقسمتی ہی تھی،" ریمنڈ نے تبصرہ کیا۔ "مجھے تمھارے حالات سن کر بہت افسوس ہو رہا ہے۔ تم جیسے خوش شکل اور ذہین نوجوان کو اگر تقدیر بہتر مواقع فراہم کرتی تو تم اپنی زندگی میں کہیں زیادہ کامیاب ہو سکتے تھے۔"

انھوں نے کھانا کھایا۔ بل کی رقم ادا کی اور سوا بارہ بجے ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئے۔

"تمھارا فلیٹ یہاں سے کتنی دور ہے۔" کرٹ نے پوچھا

"بس یہی کوئی دس منٹ لگیں گے،" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "میرے ڈیڈی کے اسٹور سے صرف ایک بلاک آگے ہے۔ ویسے کبھی تم نے پرسٹیج اسٹور بھی دیکھا ہے۔" کرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ اس علاقہ کا سب سے بڑا، سب سے زیادہ ماڈرن اور فیشن ایبل اسٹور سمجھا جاتا ہے۔" ریمنڈ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ شکاگو والے مارشل فیلڈ کے ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے بھی کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

"پھر تو اس میں ہزاروں لاکھوں کا مال بھرا ہو گا۔"

"میرے ڈیڈی نے گزشتہ سال آٹھ لاکھ ڈالر کا نفع کمایا ہے،" ریمنڈ رازدارانہ لہجہ میں بولا۔ کرٹ نے حیرت سے سیٹی بجائی۔

"یہی وجہ ہے کہ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اگر ہم واپس نہ جائیں تو تمھارے ساتھی میرے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا کریں گے" ریمنڈ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر انھیں کچھ ہو جاتا ہے تو اسٹور مجھے مل جائیگا۔ لیکن یہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ میں اسے تنہا نہیں سنبھال سکتا۔ مجھے لازمی طور پر کسی کو اپنا معاون بنانا پڑیگا کسی ایسے شخص کو جس پر میں پوری طرح اعتماد کر سکوں۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی معمولی تنخواہ میں نہیں مل سکتا۔۔۔۔۔۔"

ریمنڈ برابر باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اس کا فلیٹ آ گیا اس نے ایک قریب کے پارکنگ پلاٹ پر کار کھڑی کی۔ اور پھر دونوں لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچے۔

"میرے فلیٹ کو میرے باپ کے گھر پر قیاس مت کرنا"

ریمنڈ نے نقل کھولتے ہوئے کہا۔ "میں اتنی شان سے نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ تمھیں پتہ ہے میں اپنے خاندان کی کالی بھیڑ ہوں۔"

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ دروازے کے قریب دیوار سے لگی ہوئی میز پر فون رکھا تھا۔ دوسری طرف ایک بک شیلف پر کچھ کتابیں نظر آرہی تھیں۔ میز پر کچھ ایسے خطوط پڑے تھے جنھیں ابھی دیکھا نہیں گیا تھا۔ ریمنڈ میز کے پاس پہنچا اور کارکی — چابیاں ایک ایش ٹرے میں ڈال دیں۔ کرٹ اس کی نقل و حرکت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اچانک ان کے پیچھے کوئی زنانہ آواز ابھری۔

کرٹ بے اختیار چونکتے ہوئے گھوما اور اس کا ہاتھ تیزی سے جیکٹ کی جیب میں گیا۔ اسی ایک لمحہ میں جبکہ کرٹ کی نظریں ریمنڈ سے ہٹ چکی تھیں۔ ریمنڈ نے بلا کی پھرتی سے لوہے کا بھاری پیپر ویٹ اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ اور کرٹ بیہوش ہو کر فرش پر آرہا۔

* * *

وہ لڑکی جس کی آواز نے کرٹ کو چونکا دیا تھا جینٹ تھی۔ ریمنڈ کی سنگیتر۔ ریمنڈ نے اسے تسلی دیتے ہوئے اب تک کے تمام واقعات اس کے سامنے بیان کر دیئے۔

"دراصل اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ یہاں میرے ساتھ کوئی رہتا ہوگا۔" ریمنڈ نے بتایا۔ "دوسری طرف مجھے معلوم تھا کہ تم ہمیشہ دوپہر کا کھانا کھانے گھر آتی ہو۔ میں نے سوچا کہ اس امر کا اچھا خاصا امکان موجود ہے کہ تم اسے اپنی اچانک آمد سے چونکا دو اور میں اس کی لمحاتی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر قابو پالوں۔"

"اب تم کیا کرنا چاہتے ہو —؟" جینٹ نے پوچھا — "پولیس کو اطلاع دو گے؟"

ریمنڈ نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں — مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے پولیس میں رپورٹ کی تو وہ فوراً لیو اور سیکی کو گرفتار کرنے حویلی بھاگے گی۔ اور اس طرح ڈیڈی اور بریڈلے کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ میرے دماغ میں اس سے کہیں اچھی ترکیب موجود ہے۔ ایسی ترکیب جس کی مدد سے ان بدمعاشوں کو حویلی سے نکال دیا جائے اور وہ ڈیڈی یا بریڈلے کو کوئی نقصان بھی نہ پہنچا سکیں۔ کیا تم اس معاملے میں میری مدد کرو گی۔"

"تم جانتے ہو کہ میں تمھارے کام آنے سے انکار نہیں کر سکتی۔"

"شاباش۔ مجھے تقریباً یقین ہے کہ میرا منصوبہ ضرور کارگر ثابت ہوگا۔ اور اگر میں کامیاب ہو گیا تو ڈیڈی کو اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی مجھ پر پورا اعتماد کر سکتے ہیں اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خوش ہو کر ہمیں شادی کرنے کی اجازت دیدیں۔"

"میں یہ نہیں چاہتی کہ تم اپنے آپ کو کسی خطرے میں ڈالو۔"

"اس میں خطرے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔" ریمنڈ نے وہ دو ریوالور دکھاتے ہوئے کہا جو ... اس نے کرٹ کی جیبوں سے نکالے تھے۔ "حویلی میں جو دو بدمعاش موجود ہیں ان کے پاس ایک چاقو کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اگر میں کسی طرح حویلی کے اندر پہونچ جاؤں تو وہ پھر ان ریوالوروں کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"اندر کیسے پہونچو گے۔ کیا ان سے چھپ کر —؟"

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ میری آہٹ ضرور سن لینگے۔" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "پھر اس طرح انھیں یقین ہو جائے گا کہ میں ان کے ساتھ کوئی چالاکی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے صدر دروازے سے اندر جانا ہوگا۔"

"پھر اس کا کیا کرو گے۔" جینٹ نے کرٹ کی طرف دیکھا۔ "ساتھ لے جاؤ گے تو یہ ضرور کوئی نہ کوئی اشارہ کر دیگا۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن میں اس کے بغیر نظر آیا تو وہ پھر بھی چوکنا ہو جائیں گے۔" ریمنڈ نے کہا۔ "سوائے اس صورت کے کہ میں کسی طرح ان کی توجہ دوسری طرف مبذول کر دوں۔ اور میرا خیال ہے کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ جو اس وقت میرے ذہن میں آئی جب کرٹ اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا رہا تھا مگر مشکل اس میں یہ ہے کہ تمھیں ایک ایسا کام کرنا پڑے گا جسے تم پسند نہیں کرو گی اور پھر اس کے کرنے کے لئے کچھ ہمت کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"آخر کام کیا ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ریوالور کا دستہ مار کر زخمی کر دو۔" ریمنڈ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا —؟" جینٹ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم دو تین مرتبہ ریوالور کا دستہ میرے منہ پر مارو۔ خاص طور سے گال پر جہاں کی کھال آسانی سے زخمی ہو جاتی ہے اور خون بھی خوب نکلتا ہے۔"

"مگر کیوں ۔۔؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تنہا جاؤں اور حویلی کے سامنے کار کھڑی کر دوں۔ پھر ایک رومال اپنے منہ سے لگائے باہر نکلوں۔ زخموں سے خون بہہ رہا ہو۔ اور رومال اتنا سرخ ہو کہ دور ہی سے نظر آجائے اگر انھوں نے مجھے اس حال میں دیکھا تو ان کے ذہن میں اس کا خیال کم ہی آئیگا کہ میں انھیں کوئی دھوکا دے رہا ہوں۔ میں انھیں جا کر بتاؤں گا کہ ان کے ساتھی کرٹ نے ان سے غداری کی ہے اور مجھے زخمی کر کے خود تمام رقم لے کر فرار ہو گیا ہے۔"

"فرض کرو انھوں نے اس پر یقین نہیں کیا تب"

"میرا خیال ہے کہ وہ اعتبار کریں گے بشرطیکہ ہم اپنے ڈرامے کو حقیقت بنا کر پیش کریں۔ اور اگر وہ ایک دو منٹ کیلئے بھی میری باتوں میں آگئے تو یہ بھی بہت کافی ہوگا۔ میں صرف اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ جب تک میں ان کے قریب پہونچکر انھیں ریوالور سے بے بس نہ کر دوں۔ وہ کسی اشتعال میں آکر ڈیڈی اور بریڈلے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

"یہ بہت خطرناک اقدام ہے۔ میں اس کا مشورہ نہیں دے سکتی ۔۔"

"تم سمجھتی کیوں نہیں۔ یہ ہمارا آخری چانس ہے ایک طرف میں مصیبت کے وقت ڈیڈی کے کام آکر ان کی محبت جیت لوں گا دوسری طرف تم اس کام میں میری مدد کر کے ان کی خوشنودی حاصل کر لوگی۔"

جینٹ نے اندازہ کر لیا کہ ریمنڈ اس خیال سے باز آنے والا نہیں۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔۔ "اچھی بات ہے اگر تم اسی میں ہماری بہتری محسوس کرتے ہو۔ تو میں تمھاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں" وہ بولی

"تم بہت اچھی لڑکی ہو" ریمنڈ خوش ہو کر بولا "سب سے پہلے ہم کرٹ کو ہوش میں لائیں گے۔ سر دست ہم اسے نہ پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں اور نہ اسے یہاں چھوڑنا مناسب ہوگا۔ اس لئے اسے اپنے ساتھ لے جانا ہی پڑے گا ہم اسے ہاتھ پیر باندھ کر کار کی ڈکی میں بند کر دیں گے"

⁂

اور پھر اس کے ایک گھنٹے بعد وہ پہاڑی کی طرف جانے والی ہائی وے پر رواں دواں تھے۔ جینٹ نے اسٹور میں فون کر کے کہہ دیا تھا کہ اس کی طبیعت دفعتاً خراب ہو گئی ہے اور وہ آج واپس اسٹور نہیں آئے گی۔ اس کے بعد وہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیکر کرٹ کو ہوش میں لائے۔ ریمنڈ اسے ریوالور کی زد میں لئے ہوئے نیچے اتر کار میں وہ سب ساتھ ساتھ بیٹھے جینٹ نے ڈرائیونگ وہیل سنبھالا پھر جیسے ہی وہ شہر سے باہر نکلے جینٹ نے کار روک لی اور ریمنڈ نے کرٹ کے ہاتھ مضبوطی سے باندھے اسے ڈکی میں گھسنے کی ہدایت کی۔ پھر اس کے پیر جکڑ کر منہ میں رومال ٹھونس دیا۔ اور ڈکی بند کر دی۔

پلان کا دوسرا حصہ نسبتاً مشکل ثابت ہوا۔ جب ریمنڈ نے ریوالور جینٹ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس سے ضرب مارنے کے لئے کہا۔ تو جینٹ کا ہاتھ ہی نہیں اٹھ رہا تھا۔ مگر پھر ریمنڈ کے متواتر اصرار پر اسے مجبور ہو جانا پڑا۔ پہلے دو ہاتھ اتنے ہلکے پڑے کہ خون نکلنا تو درکنار سرخی تک نمودار نہیں ہوئی لیکن جب ریمنڈ نے چیخ کر حکم دیا تو تیسرے وار میں ایک انچ کے قریب کھال کٹ گئی۔ اور خون نکلنے لگا۔ مگر ریمنڈ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوا اس نے جینٹ کو چوتھی مرتبہ مارنے کے لئے کہا اور اس بار گال کی ابھری ہوئی ہڈی سے ٹھوڑی تک کوئی تین انچ لمبا زخم نمودار ہو گیا۔

وہ ایک مرتبہ پھر کار میں آبیٹھے اور کار اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ ابھی تک اسے جینٹ ہی چلا رہی تھی۔ مگر جب حویلی نصف میل دور رہ گئی تو ریمنڈ نے جینٹ کو کار سے اتار دیا۔

"اب یہاں سے میں اکیلا ہی جاؤں گا" وہ بولا "تم وہاں صنوبر کے درختوں کی آڑ میں کھڑی ہو جاؤ۔ اور انتظار کرو میں تھوڑی دیر میں واپس آکر تمھیں لے جاؤں گا۔"

"فرض کرو وہاں حویلی میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ۔۔" جینٹ نے کہا ۔۔!

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ مجھے صرف ایک منٹ کی مہلت درکار ہے" ریمنڈ نے جواب دیا۔ "تھوڑی پریشانی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اگر مجھے ریوالور استعمال کرنا پڑے۔ اگر تم فائرنگ کی آوازیں سنو تو ڈر مت جانا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ وہاں ان سب لوگوں میں صرف میرے ہی پاس ریوالور ہوگا۔" جینٹ کو تسلی دیکر ریمنڈ کار میں جا بیٹھا اور حویلی کی طرف چل دیا۔

⁂

حویلی کے دروازے پر پہونچکر اس نے کار روک لی۔

دروازہ کھول کر نیچے اُترا اور دانستہ لڑکھڑاتے ہوئے صدر دروازے کی طرف چلا۔ اس نے خون میں سُرخ رومال اپنے چہرے سے لگا رکھا تھا۔ دروازہ بند تھا۔

" مجھے اندر آنے دو۔" ریمنڈ زور زور سے لاتیں مارتے ہوئے بولا " میں زخمی ہوں "

اچانک دروازہ کھلا اور سیکی نے جھپٹ کر اسے ایک ہاتھ سے پکڑتے ہوئے اندر کھینچ لیا۔ ریمنڈ دیوار سے جا ٹکرایا۔ پیٹی میں پشت کی جانب لگے ہوئے ریوالور زور سے کمر میں چُبھے اور ریمنڈ کے منہ سے ایک کراہ نکل گئی۔

" اس کی تلاشی لو۔" لیو نے حکم دیا۔ وہ لوئیس کے حلق سے اپنا چاقو لگائے کھڑا تھا۔ اور بربڈٹے قریب ہی بیٹھا ہوا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ سیکی نے لاپرواہی کے انداز میں ریمنڈ کے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا۔

" اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

" کرٹ کہاں ہے؟ " لیو نے سخت لہجہ میں پوچھا" جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا ورنہ میرے ہاتھ کی ایک جنبش تمھارے باپ کا کام تمام کر دے گی۔"

" وہ بھاگ گیا ہے " ریمنڈ نے جواب دیا۔" اس نے مجھ سے رقم چھین لی اور فرار ہو گیا۔"

" تم جھوٹ بول رہے ہو " لیو تیزی سے بولا" کرٹ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔"

ریمنڈ نے رومال ہٹا کر انھیں اپنا زخمی اور لہولہان چہرہ دکھایا" اور شاید اب تم یہ کہو گے کہ وہ یہ حرکت بھی نہیں کر سکتا۔" اس نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔" اور میں نے خود اپنے ہاتھ سے ریوالور کا دستہ مار کر خود کو زخمی کر لیا ہے "

لیو نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

" اگر وہ فرار ہو گیا ہے تو پھر تمھاری کار کیوں چھوڑ گیا۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

" مجھے کیا معلوم " ریمنڈ نے جواب دیا" میں اس وقت بے ہوش ہو چکا تھا۔"

" ادھر میرے پاس آؤ۔" لیو نے اپنا ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔" میں قریب سے تمھارا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں "

ریمنڈ سیکی کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھا اس وقت بھی وہ دانستہ لڑکھڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔ لیو کے قریب پہونچ کر وہ رُک گیا۔ لیو نے بڑے غور سے اس کے زخموں کو دیکھا۔ اور آخر کار اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔" تمھیں واقعی ریوالور کے دستے سے مارا گیا ہے۔" وہ لوئیس کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولا۔

ریمنڈ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کا باپ چاقو کی زد سے الگ ہٹ گیا ہے ایک ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا اور کچھ لڑکھڑاتے ہوئے کمزور آواز میں بولا۔" کیا..... کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟ "

" بیٹھ جاؤ " لیو نے سر سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ریمنڈ اس کرسی کی طرف بڑھا جو سیکی اور لیو دونوں کے درمیان رکھی ہوئی تھی جیسے ہی وہ کرسی تک پہنچا۔ اس نے تیزی سے کمر کے پیچھے ہاتھ لیجاتے ہوئے اعشاریہ ۳۸ بور کا ریوالور نکالا۔ اور دونوں کی طرف پلٹا" چاقو فرش پر پھینک دو " اس نے سپاٹ لہجہ میں لیو سے کہا۔

لیو کی آنکھیں غصّہ میں پھیل گئیں" میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ کوئی چال ہے " اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور چاقو سنبھال کر آگے بڑھا۔

" خبردار حرکت مت کرنا۔" ریمنڈ نے تیزی سے کہا۔

" تم گولی نہیں چلا سکتے۔ تمھارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے " لیو نے کہا اور سیکی کی طرف دیکھا" ہم دونوں ایک ہی وقت میں اسے دبوچ لیں گے۔"

" بہتر ہے کہ ایسی کوشش مت ..... " سیکی نے کہنا شروع کیا تھا کہ لیو چیخ کر بولا" ہاں حملہ کر دو "

لیو چاقو تان کر ریمنڈ کی طرف جھپٹا۔ ریمنڈ نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی لیو کے سینے میں لگی۔ اور اسے پیچھے گرا دیا۔ ریمنڈ فوراً سیکی کی طرف گھوم گیا۔ سیکی دونوں مٹھیاں بھینچ کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریمنڈ نے یکے بعد دیگرے دو فائر کئے۔ ایک گولی سیکی کے شانے میں لگی اور دوسری اس کے پیٹ میں۔ وہ بھی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ کمرے میں ایکدم گہری خاموشی چھا گئی۔ دونوں مفرور قیدی دم توڑ چکے تھے۔

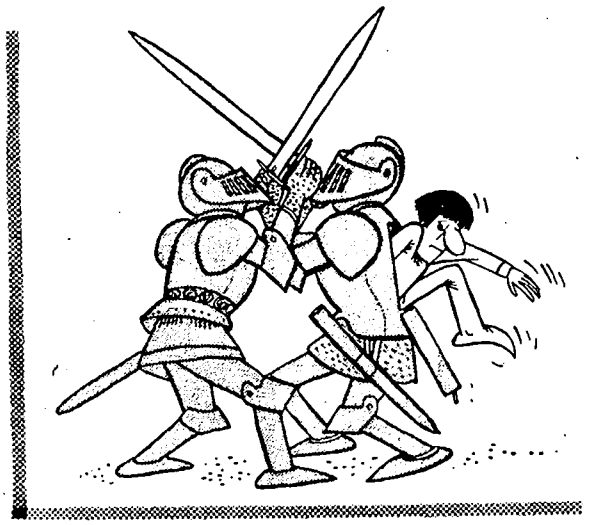

حویلی کے باہر ایک دم سے بارش ہونے لگی مگر ریمنڈ کو جیسے اس کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے ریوالور صوفے پر اچھال دیا۔ اور خود تھکے تھکے انداز میں دیوار کے سہارے کھڑا ہوگیا۔

"تم انتہائی احمق اور کوتاہ اندیش نوجوان ہو۔" لوئیس نے ترش لہجہ میں کہا۔ "مجھے پہلے اس بارے میں کچھ شبہ تھا۔ مگر اب یقین ہوچکا ہے۔"

ریمنڈ نے چونک کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے تاثرات تھے۔ "میں..... میں کچھ سمجھا نہیں ڈیڈی۔" وہ ہکلایا۔

"اس طرح ریوالور لے کر یہاں آنا حد درجہ کی حماقت نہیں تو اور کیا تھی۔"

"مجھے ڈر تھا کہ وہ کہیں تمہیں قتل نہ کر دیں۔" ریمنڈ نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ "اگر میں ان کے کہنے کے مطابق رقم لے بھی آتا تب بھی مجھے یقین تھا۔ کہ وہ اپنا مطالبہ پورا ہونے کے باوجود ہمیں زندہ نہیں چھوڑتے۔"

"بکواس ہے۔ وہ کسی کو قتل کرنے کی ہمت کر ہی نہیں سکتے تھے"

"لیکن ڈیڈی....."

"بیچ میں مت بولو۔ میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں" لوئیس نے غصے سے ڈانٹا۔ "ہوسکتا تھا کہ تمہاری اس بیوقوفی کے نتیجے میں وہ تمہارے بھائی کو اور مجھے جان سے مار دیتے۔ جہاں تک رقم کا تعلق ہے اس کا حساب میں تم سے بعد میں پوچھوں گا۔ بریڈلے مجھے سب بتا چکا ہے کہ تم نے کس طرح زبردستی اس سے سیف کا نمبر معلوم کیا تھا۔"

ریمنڈ کے ہونٹ بھنچ گئے۔ "کیا اس نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ کس طرح اس نے لیو کے کان بھرے اور اسے اتنا مشکوک کر دیا کہ وہ مجھے تنہا جانے کی اجازت نہ دے۔" اس نے بڑے سرد لہجہ میں پوچھا۔ "اور کیا اس نے یہ بھی بتایا کہ میری بجائے یہ خود جانا چاہتا تھا"

"یہ جھوٹ ہے ڈیڈی۔" بریڈلے نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں نے یہاں تمہارے پاس ٹھہرنے کے لئے کتنا اصرار کیا تھا۔"

"جھوٹے، بزدل۔" ریمنڈ پیچ و تاب کھاتے ہوئے بریڈلے کی طرف بڑھا۔

"رک جاؤ۔" لوئیس نے غصے سے کہا۔ "جو حالات پہلے ہی تمہارے خلاف ہیں انہیں اور زیادہ خراب مت کرو۔"

وہ اپنے بڑے بیٹے کی طرف گھوما۔ "آؤ بریڈلے ہم شہر واپس جارہے ہیں" اس نے کہا۔ "اب ہمارا اس ناخلف سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دو خون کر چکا ہے۔ اور کیا معلوم وہ تیسرا جو اس کے ساتھ گیا تھا۔ اسے بھی اس نے زندہ چھوڑا ہے یا نہیں۔ بہرحال ایک امن پسند شہری کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم پولیس کو اطلاع دیں۔ اس کے بعد وہ خود اس سے نمٹ لے گی۔"

بھائی کی خود غرضی نے ریمنڈ کو اتنا دکھ نہیں پہنچایا تھا جتنا غم اسے باپ کی سنگدلی دیکھ کر ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ بریڈلے نے اس کے باپ کے دل کو اس کی طرف سے اتنا سخت کر دیا ہے۔ یہ انکشاف اس کے لئے اتنا تکلیف دہ اور روح فرسا تھا کہ وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت وجامد آنکھیں پھاڑے اپنے باپ اور بڑے بھائی کو دیکھتا رہا۔ بریڈلے نے آگے بڑھ کر صوفے پر پڑا ہوا اعشاریہ ۳۸ بور کا ریوالور اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ لوئیس نے بھی قدم بڑھایا مگر پھر ایکدم ہی اسے ان کھانے پینے کی چیزوں کا خیال آگیا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہیں یہاں سڑنے کیلئے چھوڑ دینا سراسر محنت سے کمائی ہوئی دولت کا نقصان تھا۔ وہ کچن کی طرف چل دیا!

بریڈلے باہر نکلا تو خاصی تیز بارش ہورہی تھی۔ ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے وہ بھاگ کر کار کے قریب پہنچا بیٹھنا چاہتا تھا کہ اسے کار کی ڈکی میں کسی حرکت کا احساس ہوا۔ یوں معلوم ہوا جیسے اندر کوئی چیز کھٹ کھٹ کر رہی ہو۔ اس نے ڈکی کھول کر

دیکھی اور کرٹ کو بندھے دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑا۔ کرٹ ہوش میں آچکا تھا اور آزاد ہونے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ کسی نامعلوم خیال سے بریڈلے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کرٹ کی بندشیں کاٹ دیں۔

" ریمنڈ نے تمہارے دونوں ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔" وہ دبی آواز میں بولا اور جیب سے ریوالور نکال کر کرٹ کے ہاتھ میں دیدیا۔" یہ لو۔ وہ اندر موجود ہے "

کرٹ کے چہرے پر ایک کرخت قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ مگر دوسرے لمحہ اس نے بائیں ہاتھ سے بریڈلے کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔" تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔" کرٹ نے دانت پیستے ہوئے کہا اور بلاتامل ٹرائگر دبا دیا۔

تھپڑ کھا کر بریڈلے ابھی کرٹ کی اس اچانک تبدیلی کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ گولی اس کے سینے میں اتر گئی۔ ایک ثانیہ کے لئے اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرے اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

کرٹ پلٹا ہی تھا کہ اسے بوڑھا لوئیس ہاتھوں میں کچھ چیزیں اٹھائے دروازے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ ریوالور سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ لوئیس قریب آیا۔ جیسے ہی اس کی نظریں کرٹ پر پڑیں دونوں ٹوکریاں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئیں۔ اور اسی لمحہ اس نے اپنے پیارے بیٹے بریڈلے کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھا اس کے آس پاس بارش کا پانی رنگین ہو رہا تھا۔ حیرت و دہشت سے لوئیس کا منہ بے اختیار کھل گیا۔

" ریمنڈ ......" اس نے شاید اپنے ناخلف بیٹے کو مدد کے لئے پکارنا چاہا تھا کہ ریوالور کی دو گولیوں نے باقی الفاظ اس کے حلق میں ہی گھونٹ دیئے اس کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اور پھر وہ منہ کے بل زمین پر آرہا۔

اپنی گم صم کیفیت اور بارش کے شور میں ریمنڈ نے پہلے فائر کی آواز تو نہیں سنی مگر دوسرے دھماکے نے اسے چونکا دیا۔ پہلے اس کی نظریں صوفے کی طرف گئیں مگر ریوالور وہاں موجود نہیں تھا وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکا۔ ساتھ ہی اس نے پیٹی میں لگا ہوا اعشاریہ ۲۲ بور کا ریوالور بھی نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ وہ دروازے سے چند قدم دور ہی تھا کہ دونوں پٹ ایک دھماکے کے ساتھ کھلے اور کرٹ اندر داخل ہوا۔

اس کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ ایک پل کے لئے ریمنڈ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ سب کس طرح ممکن ہو سکا اور کرٹ نے اسی ایک لمحہ کی بےخبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ریوالور چلا دیا۔ ٹرائگر دبا۔ مگر صرف ایک ہلکی سی کھٹ ہو کر رہ گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کی گولیاں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ آواز سن کر جہاں کرٹ چونک اٹھا وہیں ریمنڈ کو بھی جیسے ہوش آگیا۔ اس سے پہلے کہ کرٹ پلٹ کر بھاگتا اس کی انگلی ٹرائگر پر دب گئی یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلیں۔ کرٹ فضا میں اچھلا اور پھر زمین پر آرہا۔

وہ گرنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔

* * *

صنوبر کے درختوں کے قریب پہونچ کر ریمنڈ نے کار روک لی۔ اور آہستہ سے دو مرتبہ ہارن بجایا۔ بارش رک چکی تھی۔ مگر ہوا کے جھونکوں میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ ہارن کی آواز سن کر سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور جینٹ ایک درخت کی آڑ سے نکلی اور بھاگتی ہوئی کار کی طرف آئی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی ریمنڈ نے جلدی سے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور جینٹ کسی بھیگی ہوئی شاخ کی طرح اس کے گلے میں جھول گئی۔ وہ دبی ہوئی آواز میں سسکیاں بھی لیتی جا رہی تھی۔

" تم نے اتنی دیر لگا دی۔" وہ بولی۔" یہاں مجھ پر ایک ایک لمحہ قیامت کا گزر رہا ہے "

" میں جانتا ہوں۔" ریمنڈ نے بڑے پیار سے اس کی بھیگی ہوئی لٹوں کو چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔" تم بہت بھیگ گئی ہو۔ یہ فراک اتار کر میرا کوٹ پہن لو۔"

" وہاں ...... وہاں کیا ہوا؟" جینٹ نے کپکپاتے ہوئے پوچھا۔" تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہونچا۔"

" میں بالکل ٹھیک ہوں" ریمنڈ نے اسے یقین دلایا

" کیا سب کچھ اسی طرح ہوا جس طرح تم نے سوچا تھا"

" اس سے بہت بہتر۔" ریمنڈ نے کار کو گیئر میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔" کہیں زیادہ بہتر۔"

اور اس کے ساتھ ہی کار ایک جھٹکے سے پہاڑ کی بل کھاتی ہوئی سڑک پر آگے بڑھ گئی۔

آواز کا جال

انجم نوید

فوج سے باعزت ڈسچارج ہونے کے بعد میں نے پارک ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کی درخواست دی تھی۔ لیکن وہاں انٹرویو میں بُلائے جانے میں ابھی دیر تھی چنانچہ میں نے سوچا کہ اتنی مُدّت کیلئے کیوں نہ کسی سُراغ رساں ایجنسی میں کام کر لیا جائے۔ وقت بھی گزر جائے گا اور تھوڑی بہت آمدنی بھی ہو جائے گی۔

اس فیصلہ کے مطابق میں سب سے پہلے ڈیرل ڈیٹکٹو ایجنسی کے دفتر گیا اور اسے اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ اُس کے مالک ڈیرل نے مجھے فوراً کام دینے کی حامی بھر لی۔ وہ ایک چھوٹے سے قد کا موٹا آدمی تھا اور اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے حلق سے مختلف قسم کی آوازیں بڑی مہارت کے ساتھ نکالنے پر قادر تھا۔ مثال کے طور پر وہ ایک کتّے کی طرح بھونک سکتا تھا۔ گھوڑے کی طرح ہنہنا سکتا تھا۔ وی۔۸ جٹ طیارے کی آواز بھی نکال سکتا تھا اور کسی برتن میں بند سکّوں کی کھنکھناہٹ بھی اپنے حلق سے پیدا کر لیا کرتا تھا۔ مگر اس کی سب سے کامیاب نقل اس مشین کی آواز تھی جسے کیش رجسٹر کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح آواز کے پیچ و خم اور اُتار چڑھاؤ سے رقم کے ہندسوں کو دبانے اور پھر ہینڈل گھمانے کا تاثر دینا پھر

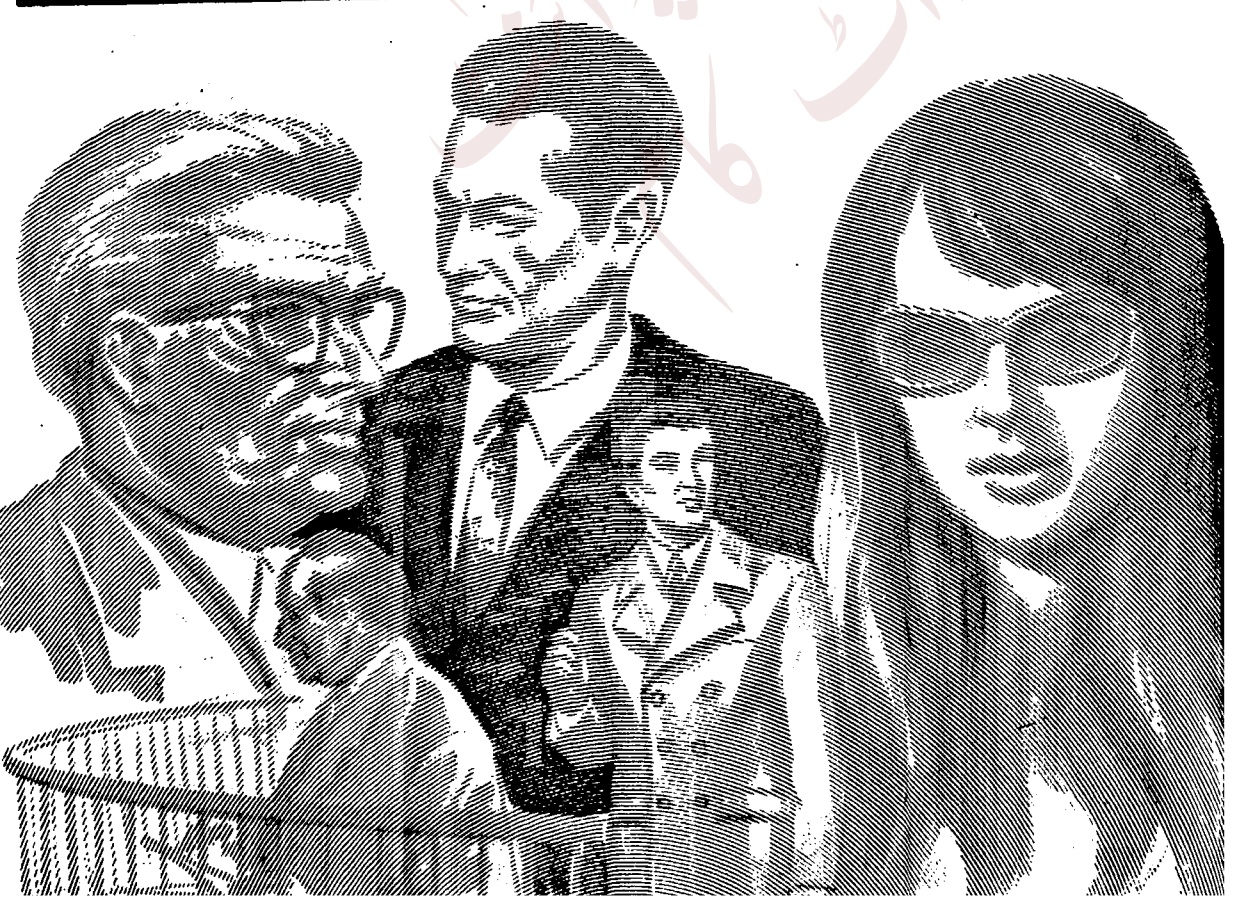

رقم کا اندراج ہونے کی گھنٹی بجنا اور آخر میں ضروری ریزگاری رکھنے یا دینے کے لئے دراز کا کھلنا یہ سب کچھ وہ اس کامیابی سے کرتا تھا کہ آنکھیں بند کر لی جائیں تو یہ بتانا مشکل تھا کہ سچ مچ کسی کیش رجسٹر سے کام لیا جا رہا ہے یا ڈیرل اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

دوسری خصوصیت اُس کی یہ تھی کہ وہ نوٹوں کی سرسراہٹ کو اپنے عزیز سے عزیز دوست کی آواز پر ترجیح دیتا تھا۔ اور دوست ہی کیا وہ دولت کے لئے ہر چیز قربان کرنے پر تیار تھا۔ مگر یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ میرا پہلا تاثر اس کے بارے میں وہ ہی تھا جو اُس کے آفس کے بارے میں تھا۔ صاف ستھرا مگر ضرورت سے زیادہ چربی چڑھا ہوا۔ آپ اندر داخل ہوں تو سب سے پہلے ایک چھوٹا سا سجا سجایا کمرہ ملے گا جس میں دوسری چیزوں کے علاوہ ایک استقبالیہ کاؤنٹر بھی بنا ہوا تھا۔ لیکن کسی استقبالیہ کلرک کی تلاش کرنا بیکار ہوگا کیونکہ ایسی کوئی شے وہاں نہیں پائی جاتی تھی۔ اس کے بعد آپ کی نظریں کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ایک تختی پر پڑیں گی جس پر لکھا تھا "آج سیکریٹری غیر حاضر ہے براہ کرم خود گھنٹی بجائیں۔"

اور یہ گھنٹی بھی بائیسکل کی گھنٹی تھی جسے انگوٹھے سے اوپر نیچے کر کے بجایا جاتا ہے۔ جہاں تک سکریٹری کا تعلق تھا تو وہ ہمیشہ غیر حاضر رہتا تھا جس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ اُسے کبھی رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ سب باتیں ڈیرل نے مجھے اس وقت بتائیں جب اُس نے مجھے کام دینے کا فیصلہ کر لیا اور ساتھ ہی یہ وجہ بھی بیان کی کہ وہ مجھے اتنی کم تنخواہ کیوں دے رہا ہے "میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ تم بونس سسٹم پر کام کرو۔" اُس نے کہا "جتنا اچھا کام کرو گے مالی اعتبار سے اُتنا ہی زیادہ فائدے میں رہو گے۔"

"بونس سسٹم سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" میں نے پوچھا

"یہ کہ کیس حل کرو اور انعام پاؤ۔"

"تمہارے یہاں کس قسم کے کیس آتے ہیں؟"

"مسٹر کیسل .... یا بہتر ہے کہ میں تمہیں رچے کہہ کر مخاطب کروں۔ تو میرے بھائی اس کا جواب میں اس وقت تک کیسے دے سکتا ہوں جب تک کوئی موکل میرے دفتر میں داخل نہ ہو اور مجھے اپنے کیس کے بارے میں بتائے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا اگلا موکل کوئی ....."

اسی وقت بیرونی آفس میں کسی نے گھنٹی بجائی اور ڈیرل اپنی بات نامکمل چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ میری طرف دیکھا۔

"موٹی مرغی۔ دولت۔ میں اس کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ ذرا جا کر دیکھو تو سہی کون ہے؟"

میں باہر گیا تو ایک بھاری بھرکم عورت جس کے چہرے کی سختی اس کے خود سر اور ضدی ہونے کی نمایاں علامت تھی۔ کاؤنٹر کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ناگ پھنی کے ایسے پودے کا تصوّر اُبھرا جس کا قد چھ فٹ ہو اور جس کے کانٹوں میں کسی شریر بچّے نے آلو لگا دیئے ہوں۔ یقیناً میری پلکیں جھپک گئی ہونگی کہ وہ کچھ کہتے کہتے ایکدم رُک گئی اور مجھے غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا میں کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں۔" میں نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر جب بولی تو اُس کی آواز اتنی میٹھی۔ خوشگوار اور خوش کن تھی کہ میں اس جسم اور اس شکل و صورت کے ساتھ اس آواز کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"تم مسٹر ڈیرل ہو؟" اُس نے کہا

"نہیں وہ اندر آفس میں ایک کیس کی فائنل رپورٹ تیار کر رہے ہیں۔ دراصل ایک موکّل کے کچھ ہیرے چوری ہو گئے تھے، وہ برآمد کئے ہیں۔"

"مہربانی کر کے ان سے پوچھو کہ وہ کچھ وقت مجھے بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟"

"ضرور۔" میں نے جواب دیا "بس وہ ذرا اپنی رپورٹ ختم کر لیں۔"

"میں انتظار نہیں کر سکتی۔"

"بہتر ہے، میں مسٹر ڈیرل سے بات کر کے دیکھتا ہوں" میں نے کہا۔ میں اندر پہنچا تو ڈیرل چھوٹی چڑیوں جیسی آوازیں نکال رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

"میں اُس کی آواز سُن کر ہی بتا سکتا ہوں کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔" اُس نے کہا "اُس نے بتایا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"

"ابھی تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور یہ اُس کی دونوں باتوں کا جواب تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر عورت کو اندر آنے کا اشارہ کیا وہ میرے قریب سے گزرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے کنکھیوں سے ڈیرل کی طرف دیکھا۔ اُس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا

جیسے بس وہ ابھی بیہوش ہو کر گرنے ہی والا ہے۔ میں جلدی سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

کان لگا کر سننے سے اُن کی باہمی گفتگو کا بیشتر حصہ سمجھ میں آرہا تھا۔ اپنی اسی موسیقی سے بھرپور آواز میں اُس نے بتایا کہ اُس کا نام مسز سیڈی اینسلم ہے اور وہ اپنے عاشق مزاج فریبی ہرجائی شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ اُسے پتہ چلا ہے کہ وہ ایک اوباش عورت سے جس کا نام فرانسلین ہارنون ہے عشق لڑا رہا ہے اور اب وہ چاہتی ہے کہ ہم اِس تعلق کا کوئی ثبوت حاصل کریں تاکہ اس کی بنیاد پر وہ طلاق حاصل کر سکے اور اس کارروائی کے دوران اگر کوئی شخص اس چڑیل کے منہ پر تیزاب پھینک سکے تو وہ اس شخص کو پہنچنے والے متوقع نقصان کا حرجانہ بھی ادا کر سکتی ہے مگر یہ کہ وہ کسی بھی طرح کسی غیر قانونی کارروائی میں خود ملوث ہونا نہیں چاہتی بلکہ ہر کام قانون کے اندر رہتے ہوئے کرنا چاہتی ہے۔

"مسٹر ڈیرل" اس نے اس لہجہ میں کہا جیسے وہ سو جان سے فدا ہونے کا ارادہ کر رہی ہو "کیا تم میرے لئے اتنا کام کر سکتے ہو"

"ضرور، کیوں نہیں" ڈیرل نے بڑی آمادگی سے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ معاملے کے مالیاتی پہلو پر بات کرنے لگے۔

ڈیرل نے پانچسو ڈالر بطور پیشگی طلب کئے اور سب اخراجات علیحدہ۔ مسز سیڈی اینسلم نے کہا کہ اگر ڈیرل اس کے شوہر اور اس حرافہ فرانسلین کو کوئی سبق دے سکے تو وہ پانچسو ڈالر میں اس سودے کو بہت سستا خیال کرے گی۔ اور یوں بھی یہ رقم اسے اپنے شوہر سے وصول کرنا ہے اسلئے پانچسو ڈالر ہوں یا پانچ ہزار اُسے کوئی پرواہ نہیں۔

جب وہ دونوں آفس سے باہر نکلے تو ڈیرل کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ میں پانچسو ڈالر کے نوٹ تھے اور دوسرا انھیں تھپے پیار سے سہلانے میں مصروف تھا۔ وہ باہر تک مسز سیڈی اینسلم کو چھوڑنے گیا اور پھر واپس آکر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"یہ اس عورت کا پتہ ہے یا تو اس کا تعاقب کرو یا یونہی اس پتے پر پہنچ جاؤ اور تصدیق کرو کہ وہ واقعی وہاں رہتی ہے یا نہیں اور کیا وہ سچ مچ مسٹر اینسلم کی بیوی ہے۔"

"ضرور" میں نے جواب دیا "مجھے اس کیس پر کچھ بونس ملیگا یا نہیں؟"

"تم نے اسے حل کر لیا ہے؟" ڈیرل آنکھیں نکال کر بولا۔

میں بس کے ذریعے اس پتہ پر پہنچا۔ اور اس وقت

پاکستانی خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

ہر گھر کیلئے

دسمبر ۱۹۷۲ء کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

- سات افسانے،
- سچی کہانیاں،
- نظمیں، غزلیں،
- کشیدہ کاری،
- بیوٹی بکس اور فیشن
- نفسیاتی الجھنیں اور مشورے
- ابن انشا کا کالم،
- "آپ سے کیا پردہ"،
- اور نادر خاتون کا مسلسل،

ناول "شعاع"

اپنے اخبار والے سے کہہ دیں کہ کل کے اخبار کیساتھ
خواتین ڈائجسٹ بھی ڈال جائے

قیمت: -/۲ روپے

- خواتین ڈائجسٹ نے اکتوبر میں 'افسانہ نمبر' شائع کیا تھا۔ جن بہنوں کو یہ افسانہ نمبر نہیں ملا، وہ خط لکھ کر وی پی سے منگوا لیں۔
- خواتین ڈائجسٹ ملک کی مشہور و معروف ادیبہ رضیہ بٹ پر ایک خاص نمبر پیش کر رہا ہے۔
- خواتین ڈائجسٹ کا ہر پرچہ رجسٹری سے بھیجا جاتا ہے تاکہ ڈاک میں گم نہ ہو سکے۔

سالانہ چندہ: ۲۵ روپے

خواتین ڈائجسٹ

اردو بازار • کراچی

تک وہیں ٹہلتا رہا جب تک مسز اینسلم نہیں پہنچ گئی اور پھر مکان کے چوکیدار سے اُس کی شخصیت کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں مسٹر اینسلم کی بیوی ہے مگر چوکیدار کی رائے اُس کے بارے میں کچھ اچھی نہیں تھی۔ ویسے وہ مسٹر اینسلم سے بھی خوش نہیں معلوم ہوتا تھا۔

واپس دفتر پہونچا تو ڈیرل ابھی تک پانچسو ڈالروں کو پیار کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اتنی رقم یکمشت اُس نے بڑی مدت کے بعد دیکھی تھی۔ اُس نے مجھے دیکھ کر نوٹ جیب میں رکھ لئے اور کیس کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

"زیادہ تیزی سے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے" اُس نے کہا "اگر تم نے ایسا کیا تو موکل یہ سمجھے گا کہ کام بہت آسان تھا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے موکل کی فیس کا پورا نعم البدل ادا کریں۔ کل سے کام شروع کرنا مسٹر اینسلم کا پیچھا کرو۔ اُس کے عادات و اطوار کے بارے میں معلوم کرو۔ پتہ کرو کہ یہ فرانسلین کون ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کہاں اور کب ملتے ہیں۔ ان کے عشرت کدے تک پہونچو اور جب وہ دونوں اندر چلے جائیں تو اس نمبر پر فون کر دو۔"

اُس نے ایک چھوٹا سا کارڈ میرے ہاتھ میں دیا جس پر ایک فون نمبر کے سوا اور کچھ تحریر نہیں تھا۔

"فون کر کے مجھے کیا کہنا ہوگا" میں نے پوچھا

"اپنے شکار کا نام بتانا جس گھر یا فلیٹ میں وہ گئے ہوں اس کا پتہ اور حدود اربعہ ذرا تفصیل سے سمجھا دینا۔ اس کے جواب میں وہ لوگ یا تو تمہیں وہیں انتظار کرنے کے لئے کہیں گے کہ تم سے کچھ مدد لے سکیں یا پھر کہیں گے کہ تم گھر چلے جاؤ۔"

"اور وہ لوگ کون ہیں؟"

"فوٹوگرافروں کی ایک فرم ہے جو اس قسم کے ثبوت حاصل کرنے میں ماہر ہے۔ ہم کبھی کبھی ان سے کام لیا کرتے ہیں۔"

"ایک بات اور" میں نے چلنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تیزاب پھینکنے کی جو بات کہہ رہی تھی میں اُس میں فریق بننا نہیں چاہتا۔"

ڈیرل نے اس طرح کی آواز نکالی جیسے کوئی ڈیزل انجن چوراہے سے گزر رہا ہو۔

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔ ہم اس قسم کے کام نہیں کرتے۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مسٹر اینسلم کو دُور ہی سے پہچان لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ لمبے قد تندرست و توانا جسم کا مالک تھا گھنگھریالے بال جن میں کہیں کہیں سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ لباس بھی قیمتی اور جدید وضع کا تھا اُس کے ہر انداز سے ایک کامیاب انسان کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کی شاندار اس انداز کی مزید تصدیق کرتی تھی۔ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے اسے پسند کرنا چاہیئے یا نہیں۔ ایک طرف مجھے اس سے ہمدردی تھی کہ وہ ایک ایسی عورت کا شوہر تھا جس میں آواز کے علاوہ اور کوئی خوبی نہیں تھی۔ اور غالباً اسی آواز کی مدد سے اُس نے مسٹر اینسلم کو پھانسا تھا۔ دوسری طرف مسٹر اینسلم کی ہر ہر حرکت سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے ساری دنیا کا مالک ہے اور اپنے سوا ہر ایک کو حقیر سمجھتا ہے۔ بہرحال میری پسند و ناپسند سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا اس لئے میں نے اس مسئلے پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

میرا خیال تھا کہ اگر اینسلم واقعی کسی عورت سے رومان لڑا رہا ہے تو ہفتہ کی رات ایسی ملاقاتوں کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ پتہ نہیں یہ فرانسلین کیسی عورت ہے جسے مسز سیڈی نے اوباش کے لقب سے نوازا تھا۔ مگر یہ بات کہ وہ اُسے اوباش سمجھتی تھی ایک طرح سے فرانسلین کے حق میں جاتی تھی۔

ہفتہ کی صبح کو اینسلم نے گولف کھیلا۔ سہ پہر کو گھر آیا۔ پھر پانچ بجے دوبارہ باہر نکلا۔ اپنی شاندار کار میں بیٹھا اور شہر کے دوسرے حصہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اتنی معتدل رفتار سے کار چلا رہا تھا کہ اس کا تعاقب کرنا ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوا۔ پھر ۴۲ ویں بلاک پر گھومتے ہوئے یہ رفتار اور بھی کم ہو گئی۔ اتنی کہ مجھے شُبہ ہونے لگا کہ وہ میرے تعاقب سے آگاہ ہے اور مجھ سے پیچھا چھڑانے کی کوئی ترکیب سوچ رہا ہے مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ ایک گھر کے سامنے رُکا۔ ہارن بجایا۔ دو تین منٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ایک عورت برآمد ہوئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ فرانسلین ہوگی۔

اتنے فاصلے سے میں اُس کی آنکھوں کا رنگ تو نہیں بتا سکتا تھا لیکن دو تین چیزیں خاص طور پر نمایاں تھیں، اوّل تو اُس کے سُرخی مائل بال دوسرے لٹکے ہوئے ہونٹ اور تیسرے اس کی اٹھلاتی ہوئی چال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیڈی نے اُس کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ وہ اٹھلاتی ہوئی کار میں بیٹھی اور اپنی بانہیں اینسلم کی گردن میں ڈالتے ہوئے چہرہ آگے بڑھا دیا۔ پیار کی مدّت نصف منٹ سے زیادہ نہیں بڑھی لیکن مابعد اثرات سے اینسلم کو سنبھلنے میں تین منٹ

صرف ہوئے اس کے بعد اُس نے کار اسٹارٹ کی اور آگے چل دیا۔ اب بھی اس کا تعاقب پہلے ہی کی طرح آسان تھا۔ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ ڈیرل نے یہ کام خود انجام کیوں نہیں دیا۔ ایسے معمولی کام کے لئے کسی دوسرے کو معاوضہ دیکر بھیجنا کم سے کم اس کی فطرت سے ہٹی ہوئی بات معلوم ہوتی تھی۔

اینسلم نے واٹرو ہیل نامی ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک لی مجھے حیرت تھی کہ وہ دونوں ایک قریبی ہوٹل میں کیوں نہیں گئے جہاں کھانے کے ساتھ رات بسر کرنے کا انتظام بھی ہو سکتا تھا۔ بہرحال معلوم ہوا کہ اس ریسٹورنٹ میں ان کے لئے میز پہلے سے محفوظ تھی اور ہیڈ ویٹر بڑے ادب آمیز طریقہ سے انہیں اُن کی میز تک لے گیا۔ میں نے بار کاؤنٹر پر رُکتے ہوئے ایک گلاس برین کا آرڈر دیا۔ مجھے یہ گلاس اس وقت تک چلانا تھا جب تک اینسلم کھانے سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ ڈیرل نے کہدیا تھا کہ خرچ کے حساب میں ایک سے زیادہ گلاس کی گنجائش نہیں ہے۔

اینسلم نے کاک ٹیل منگوائی۔ دو تین گھونٹ بھرے۔ اس درمیان میں فرانسلین اٹھلاتی ہوئی اپنا میک اپ درست کرنے ٹوائلٹ چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد اینسلم اُٹھ کر بار کاؤنٹر کی طرف آیا اور میرے قریب ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم میرا نام جانتے ہوگے" اُس نے کہا "مگر میں تمہارا نام نہیں جانتا۔ کیا بتانے کی زحمت کروگے"۔

"اور میں تمہارا نام کیوں جانتا ہوں گا" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"کیونکہ تم میرا تعاقب کر رہے ہو اور میں اس کی وجہ بھی جانتا ہوں" اُس نے جواب دیا "تم ڈیرل کے ساتھ کام کر رہے ہو۔ میں نے اُس سے فون پر بات کی تھی۔ اُس نے تسلیم کیا کہ میری بیوی نے اس کی خدمات حاصل کی ہیں تاکہ میری عیاشی کا ثبوت فراہم کر سکے۔ میں بڑی خوشی سے یہ ثبوت فراہم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اسے حاصل کرنے کے لئے میری طرف سے مکمل تعاون کیا جائے گا۔ تم نے میری بیوی کو دیکھا ہے اس لئے مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کیوں ہر قسم کا ثبوت اس کے ہاتھوں تک پہونچانے اور پھر اسے استعمال کرنے کی آزادی دینے کے لئے تیار ہوں"۔

"کیا تم مذاق کر رہے ہو؟"

"بالکل نہیں میرے دوست۔ میں برسوں سے اپنی بیوی کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر وہ مجھے کوئی ایسا موقع نہیں دیتی کہ میں اُس کے خلاف طلاق کا مقدمہ دائر کر سکوں"۔

"اور فرانسلین؟" میں نے پوچھا "وہ اس قصہ میں کہاں فٹ ہوتی ہے"۔

"وہ ایک کال گرل ہے۔ تنگ آکر میں نے اُس کے ساتھ گھومنا پھرنا شروع کر دیا کہ شاید سیڈی اس بات سے چڑ کر خود مجھے طلاق دینے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ترکیب کارگر ثابت ہو رہی ہے"۔

میں نے اب بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اینسلم نے ہاتھ بڑھا کر میرا بازو پکڑ لیا۔

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ مجھے زور کی ہنسی آگئی۔

"اچھی بات ہے۔ میں مانے لیتا ہوں" میں نے جواب دیا۔ "میرا نام راجر کاسل ہے۔ اور میں تمہارا مطلب بخوبی سمجھ چکا ہوں"۔

"بہت خوب" اینسلم نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "بس یہ بتا دو کہ مجھے کیا کرنا ہوگا"۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں اس وقت تک یہاں ٹھہرنے پر مجبور ہوں جب تک تم دونوں یہاں ہو" میں نے کہا "لیکن میری جیب میں صرف ایک گلاس کی گنجائش ہے"۔

"دوسرا گلاس میری طرف سے رہے گا" اُس نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور فوراً ہی کچھ سوچ کر بولا "اب شاید تم کھانے کیلئے بھی کہو گے"۔

"ظاہر بات ہے میں پوری شام کھانا کھائے بغیر تو نہیں گزار سکتا"۔

"میرا بھی یہی خیال تھا" اینسلم نے قریب پڑا ہوا مینو اُٹھا لیا اور کھانے کی فہرست دیکھنے لگا۔ پھر ایک سب سے سستے کھانے پر نشان لگا کر میری طرف بڑھا دیا۔

"تم یہ کھا سکتے ہو؟" اُس نے کہا۔ میں نے اُس کا بُرا نہیں منایا۔ میں اُس کے نام سے کسی بھی کھانے کا آرڈر دے سکتا تھا۔ پھر اگر وہ کسی کم قیمت کھانے پر نشان لگا کر خوش ہونا چاہتا ہے تو میرا کیا نقصان ہے۔ "کھانے کے بعد تمہارا پروگرام کیا ہوگا" میں نے اس سے پوچھا

"فرانسلین کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا ہے" اینسلم نے آہستہ آواز میں جواب دیا "ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اس کے گھر جائیں گے تم نے تو اُس کا گھر دیکھا ہی ہوگا۔ ۱۸۷ ایلم سرکل پر واقع ہے"۔

"میں حسب معمول تمہارے تعاقب میں ہوں گا" میں نے

جواب دیا" اب اپنی میز پر واپس چلے جاؤ۔ وہ ٹوائلٹ سے واپس آتی ہو گی میں کھانے کا بل کیشیر کے پاس چھوڑ جاؤں گا۔ تم اُسے رقم ادا کر دینا"

"ضرور۔ مگر ٹپ تمہیں اپنے پاس سے دینا پڑے گی" اُس نے اسٹول سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں" میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ اینسلم نے کندھے اُچکائے اور اپنی میز کی طرف چل دیا۔ برین کا دوسرا گلاس پیتے ہوئے میں نے اینسلم کی باتوں پر غور کیا۔ مجموعی طور پر میرا تاثر یہ ہی تھا کہ اُس کی باتیں سمجھ میں آنے والی تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں صرف اُس کے کہنے پر یقین بھی کر لیتا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک اُس کی تردید میں کوئی چیز نہ مل جائے میں اُس سے تعاون کرتا رہوں۔

وہ دونوں ساڑھے آٹھ بجے ریسٹورنٹ سے چلے گئے میں اُنکے پیچھے تھا۔ جیسا کہ اینسلم نے کہا وہ فرانسلین کے گھر ہی جا رہے تھے۔ مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی تھی۔ فرانسلین جیسی عورتیں مردوں کو اپنے گھر نہیں لیجاتی ہیں اور وہ بھی اتنی جلدی۔ وہ اوّل تو کافی رات گئے ڈانس کلبوں کے چکر لگاتی ہیں۔ شرابیں پیتی ہیں۔ ہر طرح کوشش کرتی ہیں کہ اپنے شکار سے زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کرائیں اور اُس کے بعد کسی مہنگے سے ہوٹل میں کمرہ لینے پر اصرار کرتی ہیں۔ کوئی کال گرل کسی حال میں بھی اپنے مرد دوست کو (جبکہ وہ ادھیڑ عمر بھی ہو) اپنے گھر لے جانا پسند نہیں کرتی، خواہ اُس کا شوہر باہر کنیا سات سمندر پار ہی کیوں نہ گیا ہو۔

لیکن فرانسلین ایسا ہی کر رہی تھی۔ اُس کا گھر باہر سے تقریباً ویسا ہی تھا جیسے اس سڑک پر بیس پچیس اور مکانات نظر آ رہے تھے۔ معلوم نہیں ہفتے کے باقی دنوں میں یہاں کیا حال ہوتا ہو گا مگر آج تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پورے محلے کے ہر گھر میں کوئی نہ کوئی تقریب منائی جا رہی ہے۔ ہر طرف سے موسیقی اور قہقہوں کا ملا جلا شور بلند ہو رہا تھا۔ حد یہ ہے کہ ایک مکان سے ڈھول بجنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے انھیں اندر داخل ہوتے دیکھا اور خود ایک ..... پبلک فون بوتھ میں گھس کر ڈیرل کے دیئے ہوئے نمبر کو ڈائل کیا اور رابطہ قائم ہونے پر ضروری معلومات بتا دیں۔

"اچھی بات ہے۔ اب تم اپنے گھر جا سکتے ہو" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون خاموش ہو گیا۔

مگر میں گھر نہیں گیا۔ اس کے بجائے میں فرانسلین کے مکان کے بالمقابل فٹ پاتھ پر لگے ہوئے ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا بدقسمتی سے تھوڑی ہی دیر بعد بوندا باندی شروع ہو گئی اور مجھے بھیگنے سے بچنے کے لئے پناہ کی تلاش کرنا پڑی۔ میں اس کے مکان کے عقبی حصّے میں پہونچا۔ خیال تھا کہ اگر پچھلا دروازہ کھلا ہو گا تو اندر چلا جاؤں گا۔ اور وہ کھلا ہوا تھا۔ اگرچہ بعد میں پتہ چلا کہ بیرونی دروازہ بھی بند نہیں تھا۔ دروازہ کچن میں کھلتا تھا۔ چنانچہ میں اندر جا کر وہیں بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس پورے قصّے میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ہے جو بظاہر کچھ اور نظر آ رہی ہے مگر اندرونی طور پر کچھ اور ہے۔ جہاں تک اس داستان کے کرداروں مثلاً اینسلم۔ اُس کی بیوی سیڈی۔ فرانسلین اور ڈیرل کا تعلق تھا تو ایمانداری کی بات یہ ہے کہ مجھے ان میں سے کسی سے کوئی خاص ہمدردی نہیں تھی۔ مجھے کچھ یقین سا ہوتا جا رہا تھا کہ اُن میں سے ہر ایک موقع ملنے پر مجھے احمق بنانے سے گریز نہیں کرے گا۔ یا ممکن ہے اب بھی اسی کوشش میں لگا ہوا ہو۔ چنانچہ نہ صرف ذاتی تحفظ کے خیال سے بلکہ اپنے تجسّس سے مجبور ہو کر بھی میں کچن میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ کان اور آنکھیں دونوں چوکنا اور ہوشیار تھے آنکھوں کو تو اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع نہیں ملا البتہ کانوں نے جلد ہی بہت کچھ سُننا شروع کر دیا۔

پہلی آواز جو میں نے سُنی وہ بیرونی دروازہ بڑے زور سے بند کرنے کی تھی۔ میں نے سمجھا کہ وہ فوٹوگرافر تصویریں اُتارنے آ پہونچا ہے حیران تھا کہ آخر اُسے اتنی زور سے دروازہ بند کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ مصلحت اس کے برعکس عمل کی متقاضی تھی۔ پھر آنے والا کھانسا اور بلند آواز میں پتہ نہیں کسے گالی دے کر گانا شروع کر دیا۔ آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ بُری طرح شراب کے نشے میں مدہوش ہے۔ گاتے گاتے اچانک وہ رُکا اور حلق کی پوری طاقت سے آواز دی۔

"فرانسلین۔ میں ہوں۔ جو۔ گھر واپس آ گیا ہوں"

اور یہ کہہ کر اُس نے بھاری قدموں سے زینے کی سیڑھیاں طے کرنا شروع کر دیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ فوٹوگرافر نہیں ہو سکتا۔

"فرانسلین" اُس نے پھر پکارا "کیا تم اوپر ہو"

میں نے جوتے اتار کر ہاتھ میں لئے اور پنجوں کے بل چلتا ہوا کچن سے باہر نکلا۔ مگر مجھے اس احتیاط کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ جو اتنا شور مچا رہا تھا کہ اُس میں کسی دوسری آواز کا سُنائی دینا بہت مشکل تھا۔ میں اوپر کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز بھی بہ مشکل ہی سن سکا میں نے دیکھا کہ فرانسلین زینے کی اوپری سیڑھی پر نمودار ہوئی۔

"جو" اُس نے کچھ ناگواری سے کہا "تمہارے شور نے میری نیند خراب کر دی۔ مگر تم اتنی جلدی کیسے واپس آ گئے؟"

"گھر میں تمہاری تنہائی کے خیال سے مجھے جلدی آنا پڑا" جو نے جواب دیا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہمارے گھر کے سامنے وہ کار کس کی کھڑی ہوئی ہے؟"

"کار کیسی کار" فرانسلین نے بدستور انجان بنتے ہوئے حیرت سے پوچھا "ہمارے گھر کے سامنے کھڑی ہے؟"

"تم سُن چکی ہو کہ میں نے ابھی کیا کہا" جو غصّہ میں بولا "میرے راستے سے ہٹو۔"

"جو۔ تم نے شراب پی ہے"

"ہاں۔ مگر اتنی نہیں کہ تمہاری چالاکی نہ سمجھ سکوں۔ بتاؤ تم نے کمرے میں کسے چھپا رکھا ہے؟"

"تمہیں مجھ سے ایسی گندی بات کہتے ہوئے شرم آنا چاہیئے۔" فرانسلین بولی۔ جو نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اس مرتبہ کون خوش نصیب ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ میں نے تمہیں ابھی بتایا کہ میں ....."

"اچھا میرے سامنے سے ہٹ جاؤ" جو نے غالباً اسے ایک طرف دھکا دیتے ہوئے کہا "جس کسی کو بھی تم نے اپنے بیڈ روم میں چھپا رکھا ہے میں اُس کے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں ان بے غیرت شوہروں میں سے نہیں ہوں جو اپنی بیویوں کو دوسروں کی بغل گرمانے کی آزادی دیدیتے ہیں۔ میں اس حرامزادے کا خون پی جاؤں گا۔ خواہ بعد میں مجھے پھانسی کے تختے پر ہی کیوں نہ چڑھنا پڑے۔ ہٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں ہٹ جاؤ۔"

"جو ــ" فرانسلین نے کچھ کہنا چاہا۔ میں نے ایک گھونسے کی آواز سُنی۔ ساتھ ہی فرانسلین کے منہ سے چیخ نکلی۔

"رُک جاؤ" وہ پھر چیخی

میں نے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی ایک کرسی کو کسی چیز پر مارے جانے کی آواز سُنی۔

"انیسلم" فرانسلین تیزی سے بولی "یہ تمہیں جان سے مار دے گا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو ہے .... یہ لو.... اسے سنبھالو... او میرے خدا....."

اور پھر یکے بعد دیگرے دو فائروں کی آواز گونجی۔ اور اُس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ میں دوسرے مکانات سے آنے والی موسیقی اور قہقہوں کی آوازیں اب بھی سُن رہا تھا۔ اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس ہنگامے میں کسی نے بھی گولیاں چلنے کی آوازیں نہیں سُنی ہونگی کسی کو معلوم نہیں ہوا ہوگا کہ اس گھر میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔

میں نیچے کھڑا حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا تھا یہ سب کچھ میں نے اپنے کانوں سے سُنا تھا آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اور مجھے صحیح طور پر صورتِ حال سمجھنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی۔ پہلے کوئی اندر آیا پھر وہ اوپر گیا۔ دو فائروں کی آواز سنائی دی اور اُس کے بعد خاموشی۔ چنانچہ جب میں نے کسی کو زینے سے نیچے اُترتے سُنا تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہے۔ میں جلدی سے کچن کے دروازے کی آڑ میں ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔

کسی نامعلوم وجہ سے مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ انیسلم ہوگا۔ اگرچہ منطقی اعتبار سے اسے انیسلم ہی ہونا چاہیئے تھا۔ فرانسلین نے لازمی طور پر اس سے کہا ہوگا کہ وہ نیچے جا کر انتظار کرے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سیڑھیاں اُترتے ہوئے نیچے آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک ایک ہیجانی کیفیت میں ہے۔ وہ اپنا جیکٹ اُٹھائے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے کمرہ نشست کی طرف بڑھ گیا۔ اوپر سے فرانسلین کے فون کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"جلدی سے کسی ڈاکٹر کو یہاں بھیجو" وہ بار بار بلند آواز میں کہہ رہی تھی "میرے شوہر شدید زخمی ....."

میں بھاگ کر کمرۂ نشست میں پہنچا۔ وہ بلاشبہ انیسلم تھا اور کوچ پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے بیٹھا تھا۔ میری نظریں اُس کے قریب ہی میز پر رکھے ہوئے ایکسٹنشن فون پر پڑیں۔ اوپر فرانسلین ابھی تک فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی اور ڈاکٹر کو بھیجنے کی تاکید کر رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اس کی آواز مسلسل میرے کان میں آتی رہی۔ مگر میں دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں سُن رہا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ لائن ڈیڈ پڑی ہے۔ گویا فون کے دوسرے سرے پر کوئی تھا ہی نہیں۔ میں نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا اور انیسلم کی طرف بڑھا۔ اُس کا بازو پکڑ کر زور سے ہلایا۔ اُس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ مگر اُس کی خالی خالی نظروں میں شناخت کی کوئی چمک نہیں تھی۔

"اُٹھو" میں نے کہا "تم میرے ساتھ اپنے گھر چل رہے ہو؟"

"میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو گولی ماردی ہے" اُس نے کھوکھلی آواز میں کہا

"ضرور" میں نے اثبات میں سر ہلایا "ایک بھی نہیں دو گولیاں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس لئے جلدی جلدی قدم اٹھاؤ"

میں اس کا بازو پکڑ کر گھر سے باہر نکال لایا۔ پھر اُسے کار میں داہنی طرف بٹھاتے ہوئے خود اسٹیرنگ وہیل سنبھال لیا۔ اینسلم راستے بھر مجھ سے طرح طرح کے سوالات پوچھتا رہا مگر میں نے بالکل چُپ سادھ رکھی تھی۔ جو کچھ بھی میں نے سُنا تھا اُس سے صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا تھا۔ ایک بہت پُرانی اور بارہا کی آزمائی ہوئی چالاکی قدرے جدّت کے ساتھ فرضی شوہر عین موقع پر نمودار ہوتا ہے اور احمق عاشق کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہے۔ لیکن اسے اسکینڈل کی دھمکی دیکر بلیک میل کرنے کے بجائے۔ جو کم سے کم اینسلم کے کیس میں بیکار ہی ثابت ہوتی۔ انھوں نے اسے قتل کے کیس میں پھانسنے کی چالاکی کی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ فرضی شوہر اتنا شور مچاتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تھا وہ فرانسلین کو موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ اس کے غصّہ ور اور خطرناک ہونے کی داستان سنا کر اینسلم کو خوفزدہ کرسکے اور سمجھا سکے کہ اس جیسے شخص سے نمٹنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔

پھر بیڈ روم میں فرانسلین نے اینسلم کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھما دیا اور گولی مارنے پر اکسایا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ فرانسلین کے فرضی شوہر کو شوٹ کردیا۔ مگر نقلی گولیوں سے۔ اگرچہ یہ بات اسے معلوم نہیں تھی۔ میں بھی اسے یہ بتانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ نہ مجھے اس سے کوئی ہمدردی تھی نہ اس کی بیوی سے۔ اور دیکھا جائے تو نہ ڈیرل سے۔ ڈیرل۔ جو کہ میرے نزدیک اس ڈرامہ کا ہدایت کار تھا اور فرانسلین کی مدد سے اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہا تھا۔ میں مسلسل غور کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ میں اس پوری سازش کی تہہ تک پہنچ سکتا ہوں یا نہیں۔ اگر ہاں۔ تو پھر مجھے پارک ڈپارٹمنٹ سے انٹرویو کا بلاوا آنے تک کسی ملازمت کی ضرورت نہیں پڑے گی

اینسلم کو اُس کے گھر پہنچانے سے پہلے میں نے کار ایک کیفے کے سامنے روکی اور اسے اندر لے جاکر کافی پلائی۔ اب وہ بڑی حد تک اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا چکا تھا

"کیسل۔ تم مجھے اس مصیبت سے تو نکال لائے ہو مگر اس کا فائدہ بھی کیا ہے"۔ اُس نے سنجیدگی سے کہا "فرانسلین مجھے جانتی ہے اسے صرف اتنا ہی کرنا ہوگا کہ پولیس کو میرے بارے میں بتادے اور پھر مجھے گرفتاری اور جیل سے کوئی نہیں بچا سکتا"

"مجھے یقین نہیں کہ وہ پولیس میں رپورٹ کرنے کی ہمّت کرے گی" میں نے جواب دیا

"لیکن اس کا شوہر مارا گیا ہے، وہ اسے کیسے چھپا سکتی ہے۔ اُسے پولیس کو اطلاع دینا ہی پڑے گی"

"ممکن ہے وہ نہ مرا ہو"

"لیکن میں نے اسے بڑے قریب سے گولی ماری ہے، اسے زخم کھا کر گرتے دیکھا ہے"

"بہتر ہوگا کہ ان تمام باتوں کو مجھ پر چھوڑ دو"

"لیکن تم بھی کیا کرسکتے ہو"

"تمہیں یہاں تک تو لے ہی آیا ہوں" میں نے جواب دیا "باقی معاملہ بھی سنبھال لوں گا"

"اب تک تو تمہاری کارکردگی قابل اطمینان ہے" اینسلم پہلی مرتبہ مسکرایا۔ "اور میں اس کے صلہ میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں جس سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ میں تمہارا کتنا ممنون ہوں"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے بٹوہ نکالا۔ کچھ دیر تک اُس کے اندر دیکھتا رہا اور آخر کار ایک دس ڈالر کا نوٹ نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔

"یہ لو" اُس نے نوٹ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے کچھ حیرت سے نوٹ کی طرف دیکھا۔ دس ڈالر کی بخشش۔ مجھے اس وقت تک اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا جب تک یہ بات یاد نہیں آئی کہ اُس نے ریسٹورنٹ میں مجھے سب سے سستا کھانا کھانے کی اجازت دی تھی۔ یہ آدمی تو ڈیرل سے بھی زیادہ کنجوس معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنی ذات پر جتنا چاہے خرچ کرسکتا ہے مگر دوسروں کے لئے اس کا دل بہت تنگ تھا۔

"کیا یہ نوٹ کافی کا بل ادا کرنے کے لئے دے رہے ہو"

میں نے سادگی سے پوچھا۔

"اسے نہیں۔ وہ میں علیحدہ سے ادا کردوں گا"

"شکریہ۔ یہ نوٹ اپنے پرس میں رکھ لو۔ وہاں زیادہ اچھا معلوم ہوگا" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا "چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں"

ابھی تک ممکن ہے میرے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کا

کوئی شائبہ موجود رہا ہو مگر اس عظیم الشان بخشش کے بعد میں اس سے بالکل متنفر ہو گیا۔ وہ اسی قابل تھا کہ سیڈی جیسی بیوی سے ملے یا کوئی چالاک شخص اسے قتل کے فرضی جرم میں پھانس کر بعد میں بلیک میل کرتا رہے۔ سیڈی اور اینسلم دونوں ایک دوسرے کے لئے قطعی مناسب تھے۔ اور میں نے ارادہ کر لیا کہ ان کی سزا یہی ہے کہ یہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے رہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

دوسرے دن اتوار تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈیرل صبح میں کسی وقت اینسلم کو فون کر کے رقم کا مطالبہ کرے گا۔ چنانچہ میں نے کچھ پہلے سے اپنی مہم کا آغاز کر دیا۔ اینسلم کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ ایک ملازمہ نے جواب دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں مسز اینسلم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مگر فون پر نہیں گھر پر۔ اسے اطلاع کر دو کہ میں ابھی آ رہا ہوں۔

میں نے کال بیل بجائی تو سیڈی خود دروازہ کھولنے آئی۔

اُس نے مجھے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

"مسٹر کیسل۔ مہربانی کر کے اندر قدم رکھنے سے پہلے اپنے جوتے اچھی طرح جھاڑ لو۔" وہ بولی "میں اپنے صاف ستھرے فرش کو گندہ دیکھنا نہیں چاہتی"

"ضرور" میں نے بڑی سعادت مندی سے کہا "لیکن میرے اندر آنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے شوہر سو کر اُٹھ گئے ہیں"

"ابھی نہیں" اس نے جواب دیا "وہ بڑی رات گئے گھر واپس آیا تھا اور بہت تھکا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔"

"بڑی اچھی بات ہے۔" میں نے کہا "کیونکہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ صرف تمہارے لئے ہے۔"

وہ مجھے کمرۂ نشست میں لے گئی۔ ہر کرسی پر ایک پلاسٹک کور چڑھا ہوا تھا۔

"لوگ بیٹھ بیٹھ کر کرسیوں کو خراب کر دیتے ہیں۔ یہ احتیاط اُن کے لئے ہے" سیڈی نے وضاحت کی

"مسز اینسلم" میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، "میں نے کل رات تمہارے شوہر کا تعاقب کیا تھا اور اسی سلسلے میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا"

"یہ کہ حقیقت میں وہ تم سے بے وفائی نہیں کر رہا ہے۔ کل رات فرانسلین اس کے ساتھ تھی مگر اس نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سے طلاق حاصل کرنے کے بجائے ہمیشہ اُس کے دم کے ساتھ لگی رہو۔ اُسے کبھی اپنی نظروں سے اوجھل ہونے کا موقع نہ دو۔ اگر وہ کسی دوسری لڑکی سے محبت کرتا نظر آئے تو دوبارہ کسی جاسوس کی خدمات حاصل کرنے کا خیال تک مت کرنا خود اُس کا تعاقب کرنے لگنا۔ جہاں بھی وہ جائے تم بھی جانا۔ خواہ وہ کوئی ریسٹورنٹ ہو یا ہوٹل۔ اس کا پیچھا مت چھوڑنا۔ جہاں وہ بیٹھے تم اُس کے قریب بیٹھ جانا زبان سے کچھ مت کہنا بس ان دونوں کو گھورتی رہنا۔ یہ تمہارے لئے بہترین نسخہ ہے۔"

"بہترین مشورہ ہے" سیڈی اچھل کر بولی "میں حقیقت میں اُس سے طلاق نہیں لینا چاہتی تھی۔ لیکن اس کی حرکتوں نے مجھے اس فیصلے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"اور وہ یہی چاہتا تھا" میں نے کہا "کچھ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بڑے پُرپیچ طریقے اختیار کرتے ہیں۔"

"میں اسے اس شرارت کا مزہ چکھا دوں گی" سیڈی نے کہا۔ اُس کی آواز اب بھی نرم اور خوشگوار تھی مگر چہرہ کہیں زیادہ مکروہ نظر آنے لگا تھا۔ میں کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

لابی میں مجھے پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا تب کہیں جا کر ڈیرل نمودار ہوا۔ مجھے دیکھ کر اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

ایک بے حد دلچسپ اور کارآمد کتاب

ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی

قیمت: ۶ روپے معہ محصول ڈاک

فردوس پبلیکیشنز، 7-E ناظم آباد کراچی

"میں اس سوال کے جواب کی ابتدا اس انکشاف سے کرتا ہوں کہ کل رات تمہارا فوٹوگرافر موقع پر نہیں پہونچا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں گھر واپس جانے کے بجائے وہیں موجود رہا تھا۔ اور وہ سب باتیں اپنے کانوں سے سُنی ہیں جو وہاں تمہاری آمد کے بعد وقوع پذیر ہوئیں۔"

"میری آمد کے بعد" ڈیرل نے تعجّب ظاہر کیا "تو تمہارے خیال میں، میں وہاں گیا تھا؟"

"تم نے بڑی اچھی کردار نگاری کا مظاہرہ کیا، سُن کر لطف آگیا" میں نے جواب دیا "ایک نقلی آواز تو تم نے اس وقت استعمال کی جب میں نے تمہارے دیئے ہوئے نمبر پر فون کیا اور اپنے آپکو فوٹوگرافر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اور دوسری آواز اس وقت بنائی جب تم خود کو فرانسلین کا شوہر بنا کر اُس کے گھر پہنچے۔ کوئی شُبہ نہیں اس معاملے میں تمہاری صلاحیّت بے مثل ہے۔ مگر اپنے دوسرے کردار میں تم کچھ اوور ایکٹنگ کر گئے۔"

"آخر تم یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"جیسا کہ میں نے بتایا میں کل رات فرانسلین کے گھر میں موجود تھا۔ اور سب کچھ اپنے کانوں سے سُن چکا ہوں" میں نے اطمینان سے کہا "اتنا ہی نہیں میں نے ابھی مسز سیڈی اینسلم سے اس بارے میں گفتگو بھی کی ہے۔"

"تم نے اسے کیا بتایا ہے؟"

میں نے سیڈی کو اس سازش کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا مگر یہ بات ڈیرل پر ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"میں نے اسے وضاحت سے بتایا ہے کہ اس کا شوہر خیال کرتا ہے کہ اس نے کسی کو گولی ماردی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُس نے جس ریوالور سے فائر کیا تھا اس میں نقلی گولیاں بھری ہوئی تھیں اس لئے وہ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکا۔ اس کے بعد ہم دونوں اس مسئلہ پر کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے جن کے نتیجہ میں اُس نے اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے چنانچہ اب تمہیں اس سے ملنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اگر تم نے اس سے ملنے کی کوشش کی تو اُلٹے خود کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اینسلم ہرگز کوئی رقم ادا نہیں کرے گا۔ وہ کرنا بھی چاہے تو سیڈی اسے اس بات کی اجازت نہیں دے گی۔"

ڈیرل بڑی دماغ سوزی کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ اُس کا عقیدہ تھا کہ ہر شخص اپنے کسی نہ کسی فائدے کے لئے کام کرتا ہے مگر اس جملہ کارروائی میں مجھے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ بات اس کی عقل میں نہیں آرہی تھی

"میں تمہیں برطرف کرتا ہوں" آخر اُس نے غصّہ سے کہا "مگر دفع ہونے سے پہلے یہ بتلاتے جاؤ کہ آخر تمہارا مقصد کیا تھا؟"

"میرا بونس" میں نے جواب دیا "یاد ہے تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہر کیس حل کرنے پر مجھے بونس دیا جائے گا۔ میں یہ کیس حل کر چکا ہوں اور میرا خیال ہے کہ تم نے مسز سیڈی اینسلم سے جو فیس وصول کی ہے اُس کا نصف مجھے ملنا چاہیئے ہر چند یہ میری محنت کے مقابلے میں کم ہے مگر خیر میں لے لوں گا۔"

"تم نے کوئی کیس حل نہیں کیا ہے" ڈیرل نے تیزی سے کہا "اُس نے طلاق کے واسطے ثبوت حاصل کرنے کے لئے تمہاری خدمات حاصل کی تھیں۔ کیا تم نے وہ ثبوت فراہم کر لئے؟"

"وہ حقیقت میں طلاق نہیں چاہتی" میں نے جواب دیا "اور اینسلم فرانسلین کے شوہر کو گولی مارنے کے سلسلے میں بلیک میل ہونا پسند نہیں کرتا اور تم بھی غالباً ایک پرائیویٹ جاسوس کی حیثیت سے اپنا لائسنس ختم کرانا نہیں چاہو گے۔ اب میرا مطلب سمجھے۔ یا کچھ اور تفصیل سے بتاؤں؟"

مجھے معلوم نہیں کہ میں کس طرح اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکا۔ شاید میں دوبارہ کبھی اس کوشش کا اعادہ نہیں کر سکوں گا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح میں نے اپنے حلق سے کیش رجسٹر کے جملہ آپریشن کی آوازیں نکال کر ڈیرل کو سُنا ہی دیں۔ اور وہ فوراً میرا مقصد سمجھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے پاس اس کے خلاف مکمل ثبوت موجود ہے اور اگر یہ معاملہ پولیس تک پہونچا تو اسے اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا۔ اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈی نکالی تو اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے اس کی جان دل میں نہیں جیب میں تھی جو گڈی کے ساتھ باہر نکل آئی ہے۔ ایک ایک کر کے اُس نے پچاس ڈالر کے پانچ نوٹ اس انداز میں گنے جیسے ہر نوٹ کے ساتھ اس کی زندگی کے اتنے ہی سال کم ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ سوائے ہونٹ کاٹنے اور دانت چبانے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

★

کالی سیاہی

اقبال پاریکھ کا انتخاب

ہنری سلاسر

پرسن نے پہلی نظر ہی میں اس موٹے سُور کو پہچان لیا۔ شدید نفرت کی ایک لہر اُس کے جسم میں دوڑ گئی۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں آپ ہی آپ بھنچ گئیں۔ وہ جیرالڈ ہی تھا، اکیسویں ڈویژن کا سارجنٹ، سُرخ و سفید۔ موٹا اور بھدّا چہرہ، معمولی خدوخال چھوٹی چھوٹی کینہ پرور آنکھیں، ٹھگنا قد۔ بلاشبہ وہ سارجنٹ جیرالڈ ہی تھا پرسن اپنے اس بدترین دشمن کو بھلا کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ تخم سگ بار کے ایک گوشے کی میز پر بیٹھا بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔

پرسن کا جی چاہ رہا تھا کہ بار کے کاؤنٹر سے بیئر کی بوتل اُٹھا کر اس کے سر پر دے مارے اور طنزیہ لہجے میں کہے۔ ”ہیلو موٹے سؤر! کہو کیسی رہی۔؟“ مگر پھر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس ناخوشگوار حرکت کیلئے یہ جگہ قطعی موزوں نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر خوف، پریشانی، بیچارگی اور بے بسی کے تاثرات دیکھنے کے لئے یہ وقت بھی مناسب نہیں تھا۔ اس نے برسوں کی تلاش کے بعد بالآخر جیرالڈ کو پا ہی لیا تھا۔ اب وہ اپنی مرضی کے مطابق اس کی زیادتیوں اور بیہودگیوں کا بدلہ چکا سکتا تھا۔

بارٹینڈر نے ایک کپڑے سے جیرالڈ کی میز صاف کی طشتری میں رکھا ہوا پانچ ڈالر کا نوٹ اٹھایا۔ اور واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جیرالڈ اپنا گرے رنگ کا سوٹ درست کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پرسن نے جلدی سے پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا اور اپنے جانی دشمن کے پیچھے پیچھے بار سے باہر نکل آیا۔ اپنے اور جیرالڈ کے درمیان پچاس قدم کا فاصلہ چھوڑ کر وہ اس کا تعاقب کرنے لگا۔ دفعتاً پرسن کے دل میں اس

خواہش نے سر اٹھایا کہ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا جیرالڈ کے قریب پہونچ جائے اور دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کو پوری قوت سے دبانا شروع کر دے اور اس وقت تک دباتا رہے جب تک اس کی رمق جسم کا ساتھ نہ چھوڑ دے لیکن پرسن نے بدقت تمام اپنے اوپر قابو پایا اور خاموشی سے اس کا پیچھا کرنے لگا۔

بیالیسویں شاہراہ پر ایک بکسٹال سے سارجنٹ نے ایک رسالہ خریدا اور کچھ دور بس اسٹاپ پر لگی ہوئی قطار کے آخر میں کھڑا ہو کر پڑھنے لگا۔ پرسن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس کا مکان شہر کے مشرقی حصے میں واقع تھا۔ اسے وہاں پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے اپنی لیزا سے صبح ناشتے کی میز پر کہا تھا کہ وہ شام کو جلدی گھر واپس آجائے گا۔ سارجنٹ جس بس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کے گھر کی مخالف سمت کو جاتی تھی۔ اس کا تعاقب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آج وہ ۱۰ بجے سے پہلے گھر نہیں پہونچ پائے گا۔

لیکن جب بس آکر رکی تو پرسن بے اختیار قطار میں شامل ہو کر بس میں سوار ہو گیا۔ وہ بس کے عقبی حصے کے ایک گوشے کی نشست پر بیٹھ گیا اور موٹے سور جیرالڈ کی گردن کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا اس کو کوریا میں گزارے ہوئے کربناک دن یاد آرہے تھے ۱۹۵۱ء اور اس کے بعد کا سال، اس کی زندگی کا بدترین زمانہ تھا۔ سارجنٹ جیرالڈ کی جھڑکیاں، گالیاں، گھونسے، لاتیں اور ٹھڈے، دنیا سے نرالے نادر شاہی احکام، ان سب باتوں کی یاد نے اس کے دل و دماغ میں نفرت کی آگ بھڑکا دی اور وہ اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

اپنے دشمن کو سامنے دیکھ کر اس کو غصہ ضبط کرنے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔ وہ جلد از جلد اسے جہنم رسید کر دینا چاہتا تھا اس نفرت نے پرسن کیلئے وٹامنز سے بھرپور ٹانک کا کام کیا تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے خود کو کبھی اس قدر طاقتور محسوس نہیں کیا تھا۔

نویں شاہراہ پر جیرالڈ اٹھ کھڑا ہوا اور عقبی دروازے کی طرف بڑھا، پرسن بھی اس کے پیچھے پیچھے بس کا خودکار دروازہ بند ہونے سے پیشتر اتر گیا۔ جیرالڈ تین بلاک تک بغیر رکے چلتا رہا۔ پھر پانچ منزلہ سن رائز نگ بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔ تو گویا اس عمارت میں اس کا فلیٹ تھا۔ پرسن نے پانچ منٹ باہر فٹ پاتھ پر انتظار کیا اور پھر صدر دروازے سے بلڈنگ میں داخل ہو گیا سیڑھیوں کے دائیں طرف کو ریڈر میں بہت سے ڈاک کے بکس لگے ہوئے تھے۔ ذرا سی کوشش سے اسے مطلوبہ بکس مل گیا جس پر جلی حروف میں "جیرالڈ بی ۴" تحریر تھا۔

پرسن نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف چل دیا۔

جب وہ اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تو لیزا اس سے لپٹ گئی۔ اس کے رخسار کو بوسہ دیا اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے پرسن کا سرخ تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی تھی۔

ضبط کے باوجود وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔ "کیا بات ہے ڈارلنگ؟ تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو رہا ہے۔؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے" پرسن نے کہا۔ "فوج کے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہو گئی تھی۔ بالکل اچانک ہی وہ ایک بار میں پیر پٹیا ہوا مل گیا۔ ہم دونوں بہت گہرے دوست تھے مجھے اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

اس رات پرسن نے بستر پر لیٹے ہوئے اذیت ناک دنوں کے بارے میں پے در پے کئی خواب دیکھے۔ اس نے اپنے آپ کو وردی میں ملبوس سخت مشقت کرتے دیکھا۔ اس کے قریب ہی سارجنٹ جیرالڈ ہاتھ میں چھڑی لئے خشونت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کمینہ خصلت سارجنٹ جیرالڈ کی ماتحتی میں تھا۔ سات گھنٹے مسلسل وہ بٹالین کے باورچی خانے میں مختلف کام کرتے ہوئے گزارتا پھر بٹالین کے لئے تین کنستر کے قریب کافی تیار کرتا۔ اس کے بعد مشق کے دوران گولیوں کی کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی آوازوں میں وہ سپاہیوں کی رائفلیں لوڈ کر کے دیتا اور پھر اگلے دن کی مشق کے لئے سینکڑوں رائفلیں صاف کرنا شروع کر دیتا۔

اس نے خواب میں صاف طور پر سارجنٹ کو دیکھا اس کے موٹے اور بھدے لبوں پر مخصوص زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی وہ اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ دفعتاً ایک غلطی سرزد ہونے پر سارجنٹ نے پوری قوت سے چھڑی گھما کر اس کے سر پر دے ماری اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔

"لیکن اب ایسا نہیں ہوگا" اس نے سوچا۔ "اب ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ موٹے سور! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا" صبح ناشتے میں اس کا جی بالکل نہیں لگا مگر اس نے لیزا کی ناراضگی کے پیش نظر ایک ٹوسٹ اٹھا لیا اور اس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔ "تم اپنی

امّی سے ملنے آج جا رہی ہو یا اتوار کو جاؤ گی؟

" ابھی کل ہی تو میں نے اس سلسلے میں تم سے بات کی تھی کافی بحث و مباحثے کے بعد ہم نے طے کیا تھا کہ میں ان سے ملنے نہیں جاؤں گی "۔ لیزا نے تعجب خیز لہجے میں کہا۔

پرسن نے کافی کا گھونٹ بھرا اور پیالی میز پر رکھ کر بولا۔

" اگر تم آج جانا چاہو تو بڑے شوق سے جا سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ویسے بھی تمھیں اپنی امی سے ملے بہت دن ہو گئے ہیں۔"

لیزا نے اس کی تجویز پر چند لمحے غور کیا پھر اس کے دائیں رخسار کا بوسہ لے کر بولی۔" اچھی بات ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو یہی ہی"

ایک گھنٹے بعد وہ اپنے دفتر میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

اس کی خالی خالی نظریں ٹیلی فون پر جمی ہوئی تھیں کچھ فیصلہ کر کے اس نے ریسیور اٹھایا اور جیرالڈ کا نمبر ڈائل کیا جو اس نے دفتر میں آتے ہی ڈائرکٹری سے دیکھ کر نوٹ کیا تھا۔ اس وقت اسے حیرت ہوئی تھی کہ موٹے سوّر کا پتہ معلوم کرنے کے لئے اس نے پہلے اس آسان ترکیب پر عمل کیوں نہیں کیا لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ وہ اسی شہر میں رہ رہا ہے۔

نمبر ڈائل کر کے وہ بڑے سکون کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔

مگر سات مرتبہ گھنٹی بجنے پر بھی کسی نے فون نہیں اُٹھایا۔

" گویا جیرالڈ نے کہیں ملازمت اختیار کر لی ہے "۔ پرسن نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر سوچا۔ یقیناً کوئی انتہائی بیہودہ اور گندہ کام کر رہا ہوگا ــــ

جب وہ آفس سے لوٹا تو بڑا صاف ستھرا فلیٹ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ لیزا نے جانے سے پہلے ہر چیز شیشے کی طرح چمکا دی تھی اس کی اُجلی اُجلی دھلی ہوئی اور استری کی ہوئی قمیضیں ہینگروں میں لٹک رہی تھیں بستر پر نئی چادریں بچھی ہوئی تھیں تکیوں پر صاف ستھرے کڑھے ہوئے غلاف سلیقے سے چڑھے ہوئے تھے۔ ریفریجریٹر میں اشیائے خورد و نوش وافر مقدار میں موجود تھیں۔ لیزا جاتے ہوئے میز پر ایک طویل ہدایت نامہ لکھ کر چھوڑ گئی تھی جس میں اس نے بتلایا تھا کہ کون سی چیزیں کس وقت کھائے اور کون سے کپڑے کس وقت زیب تن کرے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی ہدایات اس میں درج تھیں۔

پرسن نے ہدایت نامہ دونوں ہاتھوں سے مسل کر فرش پر پھینک دیا۔ اور بیڈ روم میں آ کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔ کچھ دیر تک وہ متذبذب کھڑا رہا پھر اس نے بڑی احتیاط سے سارجنٹ کا نمبر ڈائل کیا۔ اس بار پہلی ہی گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔

" ہیلو؟ کیا تم جیرالڈ ہو؟ " پرسن نے پوچھا۔

" ہاں میں ولسن جیرالڈ بول رہا ہوں، تم کون ہو؟ " ــــ سارجنٹ کی مخصوص کرخت آواز سنائی دی۔

" ممکن ہے، تم مجھے بھول گئے ہو سارجنٹ، میں سپاہی پرسن ہوں ۱۹۵۱ء کا زمانہ یاد کرو جب کوریا کی جنگ میں قلعہ مونٹ کے محاذ پر ہلکی ہلکی جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ کچھ یاد آیا ــ؟ "

" کون پرسن؟ میں کسی پرسن ورسن کو نہیں جانتا "

" سپاہی پرسن، اکیسواں ڈویژن، پانچویں بٹالین۔ اب تو تمھیں یاد آ گیا ہوگا ــ "

دوسری طرف ایک منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ پرسن کو یقین ہو گیا کہ سارجنٹ اسے بھول گیا ہے۔ اس کی ہلکی سی شبیہ بھی سارجنٹ کے ذہن میں نہیں ہے۔ یہ حقیقت پرسن کے لئے بہت تلخ ثابت ہوئی جیرالڈ کے روکھے پھیکے انداز سے اسے شاید ذہنی اذیت پہنچی تھی۔ پرسن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت جا کر

گھر بیٹھے فلمیں دیکھئے

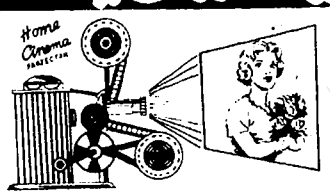

وہ لوگ جو ٹیلی ویژن نہیں خرید سکتے انکے شوق کی تکمیل کیلئے ہم نے جاپانی ماڈل ہوم سینما پروجیکٹ (فلم مشین) انتہائی کم قیمت پر سپلائی کرنیکا انتظام کیا ہے آپ اپنی پسند کی ہر فلم اس مشین سے اپنے عزیزوں اور دوستوں کیساتھ اپنے گھر پر ۵×۴ فٹ کے پردے یا سفید دیوار پر دیکھ سکتے ہیں اور اپنی پسند کے فلم اسٹاروں کی چلتی پھرتی ناچتی تصویروں اور مار دھاڑ سے بھرپور فلموں سے لطف اٹھا سکتے ہیں یہ مشین بجلی یا بیٹری سے بآسانی چلائی جا سکتی ہے مشین چلانیکی ترکیب اور ۵۰ فٹ فلم ہر مشین کیساتھ دیجاتی ہے زائد فلم ۱۲ پیسہ فی فٹ کے حساب سے حسب خواہش طلب کر سکتے ہیں قیمت فلم مشین میڈیم کوالٹی ۲۰ روپے اسپیشل کوالٹی پاورفل لینس ۲۵ روپے

محصولڈاک ۳ روپے علاوہ

اسٹاک کم ہے خط لکھکر جلد منگالیں، منگانیکا پتہ

گلوب ٹریڈرز

پوسٹ بکس ۲۷۳ کراچی ۱

حیرت انگیز تحفہ تھری ڈی چشمہ مفت

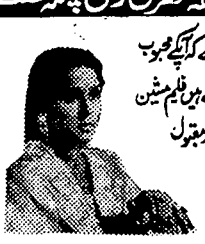

جسے لگا کر آپ دیکھیں گے کہ آپکے محبوب فلمی ستارے کیسے زندہ ہوتے ہیں فلم مشین کے ہر خریدار کو چشمہ کیساتھ مقبول فلمی ستاروں کی تصاویر بھی مفت دیجاتی ہیں

سارجنٹ کو جہنم رسید کردے۔

" مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔ بہرحال، کہو کیا بات ہے؟ "

پرسن نے بمشکل اپنی آواز پر قابو پاکر کہا۔ "کوئی اور ہوتا تو کبھی تمھیں فون کرنے کی زحمت گوارا نہ کرتا مگر شرافت اور انسانیت بھی تو کوئی چیز ہے۔ تم نے آڑے وقت میں میری مدد کی اور مجھے ایک سو ڈالر بطور قرض دیئے۔ اب میرا اخلاقی فرض ہے کہ وہ سو ڈالر شکریہ کے ساتھ تمھیں واپس کردوں۔"

" یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیسے سو ڈالر؟ "

" وطن واپسی سے ایک ہفتہ پہلے تم نے مجھے ایک سو ڈالر بطور قرض دیئے تھے۔ میں تمھارے وہ سو ڈالر واپس کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے تمھارا پتہ معلوم نہیں تھا۔ اب تو تمھیں سب کچھ یاد آگیا ہوگا سارجنٹ؟"

" ارے ہاں، مجھے یاد آگیا۔" جیرالڈ جلدی سے بولا۔

" تو تم سپاہی پرسن ہو۔ بہت خوب، کیسے ہو تم؟ "

" میں ٹھیک ہوں۔" پرسن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

" میں بالکل ٹھیک ہوں سارجنٹ۔ تمھارے سو ڈالر مجھ پر ایک بوجھ بن کر رہ گئے ہیں جتنی جلد ممکن ہو سکے میں اس بوجھ سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

" یہ تو بہت اچھی بات ہے دوست، ویسے تم رقم مجھے بذریعہ منی آرڈر کیوں نہیں بھیج دیتے۔ میں نویں شاہراہ پر رہتا ہوں۔ میں تمھیں مکمل پتہ لکھوائے دیتا ہوں۔ تمھارے پاس پنسل تو ہوگی؟ "

" نہیں، میں رقم تمھیں اپنے ہاتھ سے دینا چاہتا ہوں، سارجنٹ! آج رات تم میرے گھر آجاؤ۔ ہم بیتے دنوں کی کچھ باتیں کریں گے۔ چند پیگ وہسکی کے پئیں گے اور میں سو ڈالر تمھارے حوالے کردونگا۔"

" مگر آج کل میں بہت مصروف ہوں۔"

" میں نے تم سے کہا نا سارجنٹ کہ رقم میں تمھیں اپنے ہاتھ سے دینا چاہتا ہوں۔ نویں شاہراہ سے میرا مکان زیادہ دور نہیں ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ سکتے ہو۔"

" ٹھیک ہے" سارجنٹ نے کہا۔ "اگر تم یہی چاہتے ہو، تو یونہی سہی، تم نے اپنا نام کیا بتلایا تھا؟ "

پرسن نے اپنا نام دوہرایا، پتہ بتایا۔ پھر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اسے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ ریفریجریٹر سے اس نے بھنا ہوا مرغ، ڈبل روٹی اور سلاد نکال کر کھایا۔ کھانے کے بعد سنی ہوئی پلیٹیں اور ہڈیاں میز پر ہی چھوڑ کر وہ اٹھ گیا۔ آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اس نے سگریٹ سلگایا اور ٹانگیں پھیلا کر ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔ سگریٹ ختم کرکے اس نے ٹکڑا بجائے ایش ٹرے میں ڈالنے کے فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ پھر اس نے اپنی ایم آئی رائفل کی تلاش شروع کردی جو اس نے ٹکڑوں کی شکل میں فوج کے اسلحہ خانے سے پار کی تھی۔ فوج سے نکلنے کے ایک سال بعد سے اب تک اس نے رائفل کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ فوج کے اسلحہ خانے سے اس نے رائفل اس لیے اُڑائی تھی کہ کبھی شکار پر جانا ہوا تو کام آئے گی مگر آج تک کبھی شکار پر جانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس لئے رائفل غیر استعمال شدہ ہی کہیں پڑی ہوئی تھی۔ اب اس رائفل کے استعمال کا وقت آگیا تھا۔ وہ پورے زور شور سے رائفل تلاش کرنے لگا۔ دس منٹ کے اندر اس نے اچھے خاصے صاف ستھرے گھر کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا۔

آدھے گھنٹے بعد اسے یاد آیا کہ غیر ضروری چیزیں تو اسٹور میں رکھ چھوڑی ہیں۔ بمشکل تمام اس نے کاٹھ کباڑ میں دبی ہوئی رائفل نکالی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ اتنے عرصہ رائفل استعمال نہ کرنے کے سبب اس کا نشانہ بہت کمزور ہو گیا ہوگا۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اسٹور میں تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے کلپ مل گیا۔ اس میں اب بھی آٹھ گولیاں موجود تھیں۔ پرسن نے رائفل لوڈ کرکے خوابگاہ کے بستر پر رکھی اور ڈرائنگ روم میں آگیا۔

ایک گھنٹے بعد اطلاعی گھنٹی بجی۔ پرسن آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس گیا اور اسے ایک جھٹکے سے کھول دیا۔

کوتاہ قامت جیرالڈ دہلیز پر سنجیدہ صورت بنائے کھڑا تھا اس نے ایک بوسیدہ سا اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور اور سفید لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم سے کسی نے آدھا خون نچوڑ لیا ہو۔

" ہیلو پرسن" جیرالڈ نے قدرے مسکرا کر کہا۔ یقیناً اس کے چہرے پر مسکراہٹ سو ڈالر کی وجہ سے تھی ورنہ اتنی طویل رفاقت میں پرسن نے کبھی اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔

" ہیلو میرے عزیز دوست" پرسن طنزیہ لہجے میں بولا
" بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر"

پرسن دروازہ پوری طرح کھول کر ایک طرف کو ہٹ گیا

اِنسان

اِنسان ذہن اور انسانی دِل ہی انسانی جذبات کا منبع ہیں۔ یہیں علم و عرفان کے سوتے پھوٹتے ہیں اور یہیں خیر و شر جنم لیتے ہیں۔ کبھی انسان قعرِ مذلت میں ڈوب جاتا ہے اور کبھی انسان انسانیت کی انتہائی بلندیوں پر پرواز شروع کر دیتا ہے۔ انسان بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہے۔ اِس اشرف المخلوقات کا خمیر مٹی جیسی حقیر شے سے اُٹھایا گیا ہے۔ اُس کی فطرت خاکی بھی ہے اور نُوری بھی۔ یہ آبی بھی ہے اور بادی بھی۔ انسان پانی کا بلبلہ ہے۔ مگر سمجھتا یہ ہے کہ ہمیشہ اس دُنیا میں ہی رہنا ہے۔

اِنسان فانی ہے، مگر اُس کے کارنامے، اُس کی یادیں اور اُس کی ادائیں اُس کو لافانی بھی بنا دیتی ہیں۔

مرسلہ: عُرفان احمد آزاد۔ کوئٹہ

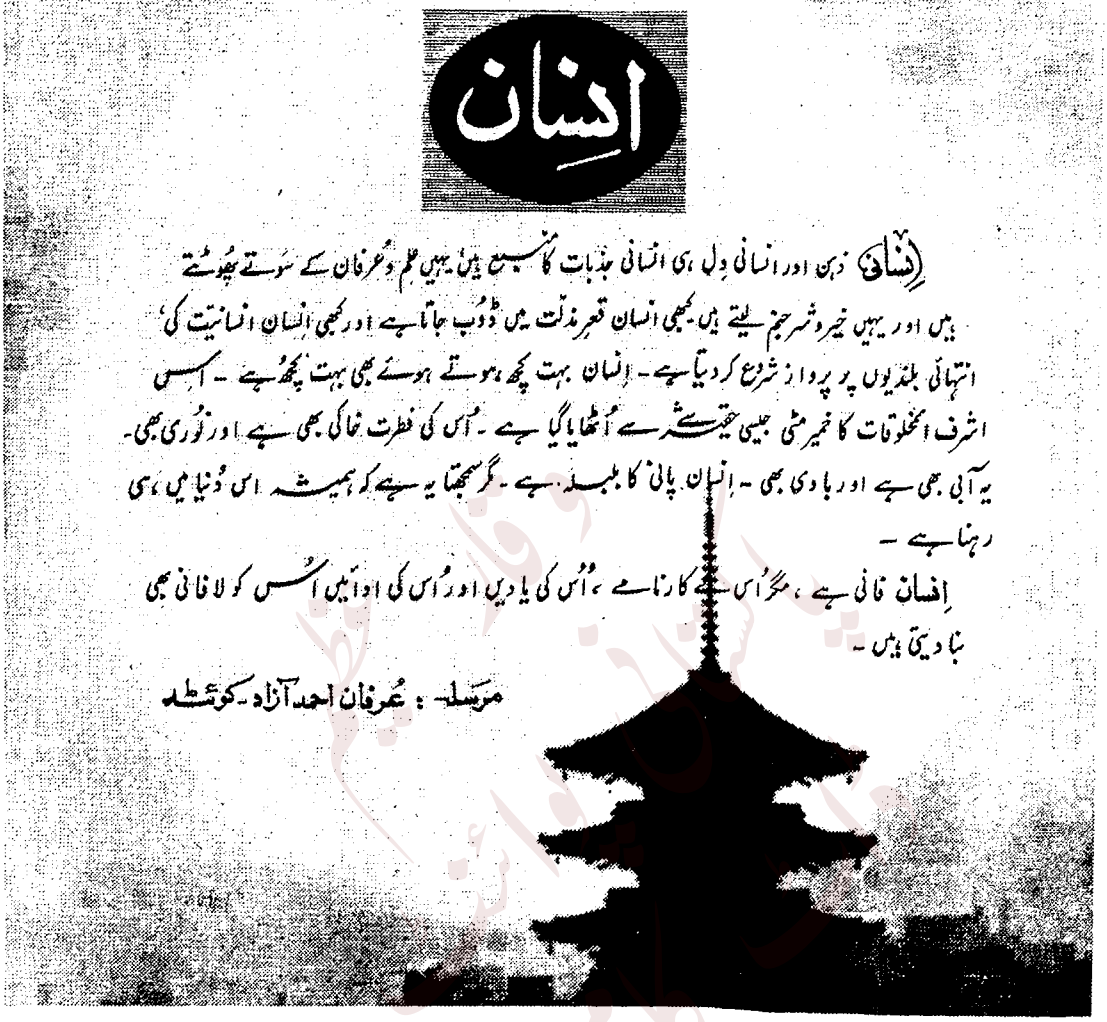

جیرالڈ بنظرِ غائر گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ پرسن نے اس سے کوٹ اور ہیٹ لیا اور اسے آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہسکی کی پیش کش کی۔ جیرالڈ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ میں تمھیں یاد ہوں"، پرسن نے وہسکی کے گلاس میں برف ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہمیں جُدا ہوئے طویل عرصہ ہو گیا سارجنٹ، ممکن ہے تم نے مجھے فراموش کر دیا ہو"

"کیسی باتیں کرتے ہو پرسن، میں اس شخص کو کیسے بھول سکتا ہوں جسے میں نے کبھی سو ڈالر ادھار دیئے ہوں۔؟" جیرالڈ نے قہقہہ لگا کر کہا اور اس کے ساتھ ہی پرسن نے بھی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"ہاں، میرا خیال ہے تم ایسے شخص کو کبھی نہیں بھول سکتے جسے تم نے سو ڈالر اُدھار دیئے ہوں"، پرسن نے وہسکی کا ایک گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک وہ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنا گلاس بلند کر کے بولا۔ "ان بیہودہ اور ظالمانہ احکامات کے نام پر جو دورانِ جنگ تم نے مجھے دیئے"

جیرالڈ اسے تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات دفعتاً بدل گئے اور پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ پرسن کو گمان ہوا کہ وہ اسے پہچان گیا ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو پرسن۔؟" سارجنٹ نے تعجب خیز لہجے میں کہا۔

"تمھیں اب تک کچھ یاد نہیں آیا؟ جب تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تو مجھے بڑی تکلیف پہنچی تھی سارجنٹ"

جیرالڈ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں سے وحشت اور گھبراہٹ کے آثار ختم ہو گئے اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پرسن" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "سپاہی پرسن اچھا تو تم بے ہودہ اور بدتمیز کاہل سپاہی پرسن ہو۔ میں تمھارا نام بھول گیا تھا۔"

"مگر تم اپنے پیسے نہیں بھولے سارجنٹ"

"ہاں ....."

"ایک سو ڈالر تمھیں خوب یاد ہے سارجنٹ ۔ وہ سو ڈالر جو تم نے مجھے کبھی نہیں دیئے۔"

"کیا کہا تم نے ــــ؟"

"تم نے مجھے کبھی ایک ڈالر بھی قرض نہیں دیا۔ پیسوں کی بات تو دُور رہی۔ تم کبھی مجھے صحیح وقت بھی نہیں بتلایا۔ میں تمھارے قرض کے سو ڈالر اتارنا نہیں چاہتا۔ یہ تو کوئی اور ہی قرض ہے جو میں اتارنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔؟"

"مجھے معلوم ہے سارجنٹ کہ اب تمھاری حیثیت پہلے جیسی نہیں ہے۔ پہلے تم مجھ پر حکم چلاتے تھے، گالیاں دیتے تھے اور تشدد کرتے تھے۔ آج کل تمھاری گزر اوقات کا ذریعہ کیا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ تم کوئی انتہائی بیہودہ اور گندا کام کرتے ہو گے"

"گویا تم نے مجھے یہاں سو ڈالر دینے کے لئے نہیں بلایا؟"

"نہیں سارجنٹ"

"تو پھر ــــ؟"

"میرے دل میں نفرت کی جو آگ بھڑک رہی ہے اسے سرد کرنے کے لئے میں نے تمھیں یہاں بلایا ہے۔"

"بدمعاش، کتے، لفنگے! تمھاری بدمعاشی اب تک نہیں گئی۔ اب بھی تم بہت بدمعاش اور کمینے ہو۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟" سارجنٹ نے اپنی نشست پر سے کھڑے ہو کر کہا۔

"دھیرج سارجنٹ، دھیرج۔ ذرا اپنے اوپر قابو پاؤ اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرو"

"تم جیسے بدمعاش آدمی کے ساتھ بات کر کے میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اور بھی بہتیرے کام کرنے ہیں۔ ہٹ جاؤ میرے راستے سے"

پرسن نے شانے اُچکا کر کہا۔ "اچھی بات ہے اگر تم جانا چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ٹھہرو، میں تمھیں تمھارا اوورکوٹ اور ہیٹ لا دوں" جلدی سے وہ خوابگاہ میں چلا گیا اور جب ایک منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایم آئی رائفل دبی ہوئی تھی۔ جس کی نال کا رخ جیرالڈ کی طرف تھا۔

"یہ رائفل تم کس لئے لائے ہو۔؟"

"بیٹھ جاؤ سارجنٹ، ابھی تو اس معاملے کی ابتدا بھی نہیں ہوئی ہے"

"تمھارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟ کیا یہ رائفل لوڈڈ ہے"

"بالکل لوڈڈ ہے۔ تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ اپنی رائفل ہمیشہ لوڈڈ رکھا کرو۔ صرف اس ایک بات پر تم نے مجھے کتنی مرتبہ سزا دی تھی اس قسم کی چیزوں کے تم بہترین ٹیچر تھے سارجنٹ" پرسن نے مسکراتے ہوئے رائفل کا رُخ اس کے سینے کی طرف کر دیا۔ "میں کہتا ہوں بیٹھ جاؤ۔ ورنہ ابھی رائفل کی گولی تمھارے سینے کے پار ہو جائے گی۔"

جیرالڈ ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ "میرا خیال ہے ضرور تم ذہنی مریض ہو۔"

"میں تم سے بیتے دنوں کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں سارجنٹ بیتے دنوں کی باتیں تو تمھیں یاد ہی ہوں گی۔ ان دنوں کی باتیں جب ہم سپاہی لوگ تمھیں موٹے اور گندے سور کے نام سے یاد کرتے تھے۔ تم نے مجھ پر جو ظلم و ستم کیا ہے وہ تو تمھیں یاد ہی ہو گا۔؟ جب تم مجھ سے باورچی خانے میں سات سات گھنٹے کام لیتے تھے"

"دیکھو ....."

"سولہ گھنٹے تم مجھ سے کام کرواتے تھے" پرسن نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "گالیاں دینا گھونسے، لاتیں اور ٹھڈے مارنا یہی تو تمھاری خصوصیت تھی۔ بھاری بھاری سامان تم مجھ سے اٹھواتے تھے اور میں کورٹ مارشل کے ڈر سے تمھیں کچھ کہہ نہیں پاتا تھا۔ تمھیں یہ ساری باتیں یاد تو ہوں گی سارجنٹ؟"

"تو پھر کیا ہوا؟" جیرالڈ نے کہا۔ "اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم مجھے قتل کر دو۔ سانپ گزر چکا ہے۔ اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ان باتوں کا انتقام لینا حماقت ہے"

"لیکن میرے دل میں جو آگ بھڑک رہی ہے، وہ کیسے سرد ہو گی؟" پرسن نے رائفل کو قدرے جنبش دیکر کہا۔ "شروع ہو

جاؤ سارجنٹ، مجھے کوئی معقول وجہ بتاؤ کہ میں رائفل کی گولی تمھاری کھوپڑی کے پار کیوں نہ کردوں؟ صرف ایک معقول وجہ"

"تم پاگل ہو! تم اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہو"

"شروع ہو جاؤ سارجنٹ" پرسن نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔ "یا پھر اپنے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔ میں تمھیں صرف پانچ منٹ دیتا ہوں۔ اس کے بعد رائفل کی گولی تمھارا بھیجہ چھلنی کر دیگی"

"میری بات سنو پرسن!" جیرالڈ نے اپنے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔ "تم ہمیار ہو میرے دوست! آٹھ نو سال پہلے کی زیادتیوں کا انتقام لینا محض حماقت ہے۔ اب حالات پہلے سے بہت مختلف ہیں"

"ان آٹھ نو سالوں میں تو آگ کچھ اور بھڑک گئی ہے۔"

پرسن نے کہا۔ "مجھے اب تم سے پہلے سے کہیں زیادہ نفرت ہے۔ میں تمھیں روتے، گڑگڑاتے، گھگھیاتے اور التجائیں کرتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمھیں اپنی زندگی کی بھیک مانگتے دیکھنا چاہتا ہوں"

جیرالڈ کا منہ لٹک گیا۔ مایوسی سے اس نے اپنے ہاتھ نیچے کر لیئے۔ پرسن نے سوچا کہ بس اب یہ بیہوش ہونے ہی والا ہے۔ لیکن جیرالڈ کا چہرہ پھر سخت ہو گیا اور اس کی آواز میں چٹان جیسی مضبوطی آ گئی ــــ "گالیاں، گھونسے اور لاتیں تمھیں خواہ مخواہ نہیں پڑتی۔ تھیں۔ تم اس زمانے میں بہت سُست، کاہل اور کام چور تھے۔"

"میں تمھیں متنبہ کرتا ہوں، جیرالڈ، اپنی زبان کو قابو میں رکھو"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے پرسن کہ میں تم سے اپنی زندگی کی بھیک مانگوں گا۔ تم مجھے شوٹ کرنا چاہتے ہو، ٹھیک ہے۔ آگے بڑھو اور گولی چلا دو۔ ممکن ہے اس طرح تمھیں کچھ عقل آجائے اور تم سدھر سکو۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو آگے بڑھ کر گولی کیوں نہیں چلاتے"

"جیرالڈ ــــ!"

"تمھارے خیال میں میرا رویہ تمھارے ساتھ معاندانہ تھا میں تم پر بلاوجہ حکم چلاتا رہتا تھا۔ تمھیں بغیر کسی غلطی اور کوتاہی کے گالیوں گھونسوں اور لاتوں سے نوازتا تھا، ایسا نہیں تھا۔ میں نے وہی کچھ کیا جو مجھے کرنا چاہیئے تھا۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ تم بہت کام چور اور بدتمیز سپاہی تھے۔ تمھیں ٹھیک کرنے کے لئے مجھے کچھ زیادتی کرنا ہی پڑتی تھی"

"زبان سنبھال کر بات کرو سارجنٹ، تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو ــــ"

"تم بہت سُست اور کاہل واقع ہوئے تھے۔" جیرالڈ نے کہا "تمھیں کچھ بھی تو نہیں آتا تھا۔ تمھیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کب دایاں پیر اٹھانا چاہیئے اور کب بایاں۔ تم میری پلاٹون کے سب سے کاہل اور بیوقوف سپاہی تھے۔ تم نے کبھی اپنی وردی صحیح طور پر نہیں پہنی۔ تمھارے مارچ کرنے کے انداز میں خامیاں ہی خامیاں ہوتی تھیں۔ تمھارا نشانہ سب سے کمزور تھا۔ حتیٰ کہ تمھارا جسم اکثر غلیظ رہتا تھا۔ اس میں سے کراہت آمیز بو آتی رہتی تھی" پرسن گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیرالڈ کی زہریلی باتوں نے اسے بری طرح گڑبڑا دیا۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں آرزوئیں دل میں گھٹ کر رہ گئیں اسے پوری توقع تھی کہ جیرالڈ اس کے آگے روئے گا گڑگڑائے گا۔ وہ اس سے اپنی زندگی کی بھیک مانگے گا۔ مگر اس کے بجائے جیرالڈ نے الٹا اسے ہی بری طرح جھاڑ دیا تھا

"تم اوّل نمبر کے بدمعاش، کام چور اور کاہل آدمی ہو ــــ" جیرالڈ نے چیخ کر کہا۔ پرسن کے جسم میں شدید نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی ــــ آنکھیں غیظ و غضب کے شعلے برسانے لگیں۔ اس نے اپنی ایم آئی رائفل قدرے اوپر کی اور ٹریگر دبا دیا۔

گرے رنگ کے اوورکوٹ میں ملبوس بلند قامت شخص نے گھٹنوں کے بل جھک کر قالین پر پڑی ہوئی لاش کا کچھ دیر تک معائنہ کیا۔ پھر اس نے کھڑے ہو کر سرخ و سفید اور بھدے چہرے والے کوتاہ قامت شخص کی طرف دیکھا جو سکون کے ساتھ لاش کے برابر کھڑا تھا۔ "اس کی موت کس طرح واقع ہوئی سارجنٹ"، بلند قامت شخص نے اس سے پوچھا۔

"ایم آئی رائفل سے جو لاش کے برابر پڑی ہے ــــ یہ سپاہی جنگ کوریا میں قلعہ مونٹ کے محاذوں پر میری ماتحتی میں تھا"

پولیس کے بلند قامت جاسوس نے افسوس سے سر ہلایا "بیچارہ سپاہی، اس قسم کی رائفلوں نے پھٹ کر نہیں معلوم کتنے آدمیوں کی جان لی ہے۔ بہت خطرناک چیز ہے یہ"

اس نے لاش کے آس پاس پڑے ہوئے رائفل کے ٹکڑوں پر نظریں ڈالیں۔

"یہ کبھی بھی اچھا سپاہی نہ بن سکا" سارجنٹ جیرالڈ نے کہا۔ "اس نے کسی بات کو سیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ محاذ پر بھی اس نے کبھی رائفل صاف نہیں رکھی۔ میں نے اسے ہزار بار سمجھایا کہ گندی اور گرد آلود رائفل بم کی مانند ہوتی ہے جو کسی بھی لمحے پھٹ کر انسان کی جان لے لیتی ہے۔ مگر اس کام چور اور کاہل سپاہی نے کبھی اپنی رائفل صاف نہیں کی ــــ"

سلطان محمد خان کی پُراسرار آپ بیتی

ناگ بھون محض میری اس لرزہ خیز داستان کا عنوان ہی نہیں ہماری دنیا کی پُرہول حقیقتوں کا ایک ایسا ثبوت ہے جو میں آخری سانس تک نہ بھول سکوں گا۔ یہ کہانی تاریکیوں اور دُھندلائی ہوئی روشنیوں میں ڈوبی ان خوف آور زمینوں کے گرد گھومتی ہے، جہاں ہر لمحہ اجل کے بے رحم ہاتھ مجھے اپنے چنگل میں دبوچ لینے کے لئے بے تاب رہے اور میں جنت سے دھتکاری ہوئی حقیر، شیطانی مخلوق کے اشاروں کا غلام ہو کر رہ گیا۔ وہ مخلوق پُراسرار اور ناپید قوتوں پر حاوی تھی۔ اُن کی آگ اُگلتی اور شعلے برساتی گول گول آنکھیں جسم سے حرکت اور ذہن سے فکر سلب کر لیتی تھیں۔ غم واندوہ، رُوحانی کرب، جسمانی عذاب، ذہنی بے چارگی، وقتی آسودگیوں، ہولناک حقیقتوں اور زندگی کی حرارت آگیں لذتوں کے عبرتناک امتزاج میں ڈوبی میری یہ چند برسوں پر محیط کہانی اب مجھے صدیوں طویل ایک ڈراؤنا خواب معلوم ہوتی ہے۔ محض ایک خواب جسے نیکی اور بدی، مسرت اور اذیت پر قادر قوتوں نے مل کر ترتیب دیا اور پھر اُس میں حقیقت کے رنگ بھرنے کے لئے قسمت کے بے رحم ہاتھوں نے مجھے مرکزی کردار کی صورت میں اس میں دھکیل دیا۔

میں کٹنی کے ایک بڑھئی گھرانے کا چشم وچراغ تھا۔ مفلسی کے باعث کمسنی ہی میں میرے والد نے مجھے کام پر لگا دیا لیکن سات برس کی عمر میں ایک لاولد گورے نے معقول رقم کے عوض مجھے میرے والدین سے گود لے لیا اور میری تعلیم وتربیت پر پوری توجہ صرف کرنے لگا۔

یونیورسٹی کی آزاد فضاؤں میں ایک شبک اندام اور خوبرو مشرقی دوشیزہ، ستارہ سے میری محبت پروان چڑھی۔ تعلیم کے خاتمے پر ہم دونوں ازدواجی

گیارھویں قسط ● گزشتہ قسطوں کے مکمل خلاصے کے ساتھ

بندھن میں بندھ گئے اور شملہ کے ایک پُرسکون گوشے میں آبسے جہاں میں حشرات الارض پر اپنے تجربات جاری رکھنا چاہتا تھا میرا منہ بولا باپ اپنے وطن لوٹتے ہوئے میرے لئے اتنی خطیر رقم چھوڑ گیا تھا جو مجھے ساری عمر کے لئے کافی تھی۔

سانپوں پر تجربات کے دوران میں ایک موذی اور کینہ پرور سیاہ ناگ نے ستارہ کو ڈس لیا۔ یہ المناک حادثہ میرے ذہن اور اعصاب پر بجلی بن کر گرا اور میں نے عہد کر لیا کہ سانپوں اور ناگوں کی پوری نسل سے اپنی ستارہ کی موت کا ہولناک انتقام لوں گا۔ پھر میں نے ستارہ کو اپنے بنگلے کے لان ہی میں دفن کر دیا۔ جب میں نے اپنے عہد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انتقام کا پہلا وحشیانہ جشن منعقد کیا تو کہیں سے ایک پُرجلال، سفید ناگن نمودار ہوئی اور اپنے ہم نسلوں کو میرے پنجۂ انتقام سے صاف بچالے گئی۔ میں دل کا بوجھ ہلکا کرنے ستارہ کی قبر پر پہونچا تو قبر کھُدی پڑی تھی اور ستارہ کی لاش کا کہیں پتہ نہیں تھا!

میری خلش اور نیم دیوانگی کے ان دنوں میں ستارہ کی ایک ہمشکل، اندراوتی میری خلوتوں میں در آئی۔ میں اپنا غم بھُلانے کے لئے اُس کے حسین نسوانی پیکر سے زندگی کی رعنائیاں سمیٹنے لگا۔

ایک دن حیدر شاہ نامی ایک درویش صفت بزرگ نے اپنی روحانی قوت سے اندراوتی کی اصلیت کا بھرم کھول دیا۔ وہ دراصل وہی پُراسرار، سفید ناگن تھی جس نے میرے انتقام سے اپنے ہم نسلوں کو بچایا تھا۔ وہ ناگوں کی پُراسرار سرزمین کی عیّاش فطرت ناگ رانی تھی اور انسانی روپ بدل لینے پر پوری طرح قادر تھی۔ وہ مجھ کو پسند کر چکی تھی اور محض رقابت کی خاطر ستارہ کو قبر سے نکال لے گئی تھی جو درحقیقت مری نہیں تھی بلکہ زہر کے اثر سے طویل سکتے کا شکار ہو گئی تھی۔ حیدر شاہ نے ناگ رانی سے چھینا ہوا منکا میرے حوالے کر دیا اور ستارہ کی بازیابی کے لئے طویل ہدایات دیکر اپنی کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ستارہ کی زندگی کی نوید پاکر مجھ میں نیا عزم پیدا ہو گیا اور میں نے ہر قیمت پر اُسے ناگ بھون کی ہولناک سرزمین سے نکالنے کا عہد کر لیا۔

اِس کے بعد ناگ رانی نے کئی بار مختلف عورتوں کے رُوپ میں میرے قریب آنا چاہا لیکن میں ان دنوں ستارہ کے فراق میں کرب و اذیت کے جہنّم میں سُلگ رہا تھا میں اُس کے حسین جال میں نہ آسکا۔ جن دنوں مجھ پر مایوسی کا حملہ ہوا، وہ ایک الھّڑ بنجارن، چمپا کے رُوپ میں میری خوابگاہ تک آپہونچی۔

میں اُس کی اصلیت سے بے خبر کافی عرصے تک اُس کی دلربایانہ اداؤں کا شکار رہا، اِسی دوران میں چمپا کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش میں میرا ایک لاوارث مُلازم ہری چند میرے ہاتھوں مارا گیا۔ ایک روز ڈرامائی طور پر میں نے چمپا کو ناگ رانی کے اصلی رُوپ میں دیکھ لیا۔ میں نے اُس پر اِس امر کا انکشاف نہیں کیا لیکن وہ اپنا چھنا ہوا منکا واپس لینے کے لئے اس قدر مضطرب تھی کہ میرے مقابلے پر آگئی۔ میں نے اپنی تمام صلاحیتوں اور درویش صفت حیدر شاہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے ناگ رانی کو ہمیشہ کے لئے تسخیر کر لیا۔ اب وہ میری مرضی کی غلام ہو چکی تھی۔

پھر مجھ پر ہری چند کے قتل کے الزام میں شبہ کیا گیا۔ پولیس کی جماعت تفتیش کے لئے آئی اور میرے اِشارے پر ناگ رانی نے انھیں اس قدر ہراساں کیا کہ وہ بھاگ نکلے۔ اسی تفتیش کی پشت پر ناگ رانی کی چھوٹی بہن سامنے آئی جو کوشیلا دیوی کا انسانی رُوپ دھارے شملہ کے اعلیٰ حلقوں میں معزز درجے پر فائز تھی۔ میری خاطر ان دونوں بہنوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی اور ناگ رانی اپنی بہن کو زندہ نگل گئی۔

ناگ رانی نے اب کوشیلا کا رُوپ دھار لیا اور میں شب و روز اُس کے ہمراہ دادِ عیش دیتا رہا۔ ایک روز میں نے دوٹوک الفاظ میں اس سے ناگ بھوَن سے ستارہ کو چھڑا لانے کی خواہش کا ذکر کیا۔ یہ سُن کر وہ کانپ اٹھی۔ ستارہ کو ناگ بھوَن پہونچانے کے بعد وہ اس معاملے میں بےبس ہو کر رہ گئی تھی۔ ستارہ اب ناگ راجہ کی قیدی تھی اور وہ اس معصوم دوشیزہ کی عصمت دری کے درپے تھا ناگ رانی نے بتایا کہ ناگ بھوَن بہت ہی خوفناک اور ڈراؤنی سرزمین ہے جہاں کی ہر شئے پر ایک پرانے شیش ناگ کی حکمرانی ہے جو ناگ راجہ کہلاتا ہے۔ اس پُرہیبت اور کینہ پرور ہستی سے جیتنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

اسی گفتگو کے دوران ناگ راجہ کا ایک معتمد گرگا شیوناگ ہم دونوں کو پکڑ کر ناگ بھوَن لے جانے کے لئے آپہنچا۔ وہ بہت ہی ڈراؤنا انسان تھا۔ اس کے چہرے کی کھال جابجا پھولی ہوئی تھی۔ مقناطیسی آنکھوں میں موت کی بےرونق زردی چھائی ہوئی تھی جسے دیکھ کر ہڈیوں تک میں سنسناہٹ ہونے لگتی تھی۔ اس کے بالوں کی جگہ بےشمار باریک اور سیاہ ناگ اُگے ہوئے تھے جو پوری طرح زندہ تھے۔ ایک مقابلے میں اُس کی آنکھیں گل کر پانی کی طرح بہہ گئیں اور وہ فرار ہو گیا۔

میں دفتی تحفظ کے پیشِ نظر شملہ سے روانہ ہو گیا۔ ناگ رانی کی ایک سہیلی چترا ہر دم میرے ساتھ تھی۔ شیوناگ نے چترا کو آلہ کار بنا کر مجھے سون ہاٹ کے مشرق میں۔ ایک بھیانک اور خوف آور مقام کے سفر کی ترغیب دلائی اور میں اس اُجاڑ ویرانے میں ایک بار پھر شیوناگ کے بےرحم چنگل میں پھنس گیا۔ پھر ناگ رانی میری مدد کو آئی ایک طویل اور سنسنی خیز مقابلے کے بعد شیوناگ منہ کی کھا کر سون مندر میں جا گھسا جہاں سے ایک راستہ ناگ بھوَن کو جاتا تھا۔ اس کشمکش میں چترا ماری گئی اور ناگ رانی نے اس کے بعد ایک نئی خوبصورت داسی جے سیکا میرے حوالے کر دی۔

شیوناگ کی شکستوں پر چراغپا ہو کر آخر کار ناگ راجہ خود ہماری سرکوبی کے لئے آپہونچا اور ناگ رانی اس سے پناہ حاصل کرنے کے لئے مجھے اور جے سیکا کو ہمراہ لے کر کالی بھُومی نامی سمندری جزیرے سے جل منڈل نامی عجیب و غریب زیرِ سمندر دُنیا میں جا چھپی۔ جل منڈل سمندر میں ڈیڑھ ہزار فیدم نیچے ایک عجیب و غریب گپھا میں واقع تھا جل ناگوں کی اس خوف آور سرزمین پر جل کماری کی حکمرانی تھی جو ہمیشہ ایک خوبرو عورت کے رُوپ میں میرے سامنے آئی۔

جل منڈل میں کبھی مجھ پر جل کماری کی عنایات رہیں اور کبھی میں شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جب جل کماری نے یہ دیکھا کہ میں کسی طرح ناگ رانی کے مقابلے میں اُس کی جانب مائل نہیں ہوتا تو اُس نے ایک سازش کے ذریعے ناگ رانی کو جل منڈل سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور مجھے اگن پُوجا کے جشن پر ناگ کی بھینٹ چڑھانے کی قسم کھالی۔ جل منڈل میں یہ لرزہ خیز جشن ہر ہزار برس بعد ہوتا تھا؛ تہوار کے موقع پر اگن دیوتا آگ کے بھیانک شعلوں میں رینگتا اگن ناگ کے پُرشکوہ رُوپ میں نمودار ہوا اور میرے بدن کو سونگھ کر چلا گیا۔ ناگ رانی نے اردشی دیوی کے ذریعے میری جان بخشی کرا دی تھی۔ رسم کے اختتام پر جل کماری نے شکست خوردہ لہجے میں مجھے بتایا کہ اب مجھے ایک برس کے اندر اندر مونگ کی دال سے اگن ناگ کا پتلا بنا کر اُسے کسی کنواری کے زندہ خون سے غسل دینا پڑے گا ورنہ سوئیوں کے رُوپ میں میرے بدن میں گھسے ہوئے موذی سانپ مجھے تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیں گے۔ ادھر جے سیکا نے میری بھینٹ کے صدمے سے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کی ناکام کوشش کر ڈالی اور یوں اس کا یہ راز افشا ہو گیا۔ وہ ناگن نہیں بلکہ انسانوں کی نسل میں سے تھی اور ایک سپیرن کی اولاد تھی جسے ناگ رانی نے خوش ہو کر بہت سی پُراسرار قوتیں دے دی تھیں۔

جے سیکا کا راز افشا ہونے کے باعث میں ایک بار پھر جل کماری کے عتاب کا نشانہ بن گیا۔ جے سیکا کو بھی ایسی ایسی سزائیں سہنی پڑیں جن کا تصوّر تک محال تھا۔ اس دوران میں کئی بار میرے پیٹ میں گھسے ہوئے سانپوں نے بھی مجھے شدید اذیت میں مبتلا کیا۔ ایک موقع پر میری بےاحتیاطی سے منکا جے سیکا کے پیٹ میں چلا گیا۔ یہ میری بدنصیبی کی ایک نئی ابتدا تھی۔ میں نے بہت مکّاری سے کام لیتے ہوئے جل کماری کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ جے سیکا کو کالی بھُومی پر ناگ رانی کے قریب پہنچا دے۔ اُس نے ایک منصوبے کے تحت اقرار کر لیا۔ جے سیکا کے چلے جانے کے بعد اُس نے اپنی حسین خوابگاہ میں مجھے شراب پلا کر مدہوش کیا پھر مجھ سے ناگ رانی کا منکا طلب کیا۔ میں نشے اور سفلی جذبات کی رَو میں اندھا ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے منکے کے چلے جانے کی کہانی سُنا دی۔ وہ ناگ رانی پر غالب آنے کا منصوبہ یوں تباہ ہوتے دیکھ کر غصّے میں اندھی ہو گئی۔ اُس کے ایک اشارے پر میرے اردگرد ہیبت ناک تاریکی پھیل گئی اور جل ناگوں کے ایک مشتعل انبوہ نے مجھ پر حملہ کر دیا میرا نشہ ایک دم ہرن ہو گیا اور موت کی بھیانک تصویر آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔

جل کماری نے نہایت کامیابی کے ساتھ مجھے اپنا راز افشا کرنے پر مجبور کر دیا تھا میری ساری مزاحمت بالکل بےسود ثابت ہوئی اور جل کماری نے نہایت اطمینان سے مجھے مغلوب کر لیا کیونکہ منکے کے بغیر میں اپنی ہر قوت سے محروم ہو چکا تھا پھر میرے اوپر ناقابلِ بیان اذیتوں کا دور شروع ہوا جس میں میری بائیں آنکھ جاتی رہی ان کٹھن لمحوں میں، جے سیکا سے اطلاع پا کر ناگ رانی جل منڈل میں آپہونچی، قہر و غضب اور انتقام کا ایک مہیب ٹکراؤ ہوا۔ جل منڈل کی سرزمین پر ناگ رانی اور جل ناگوں کی ایک خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ناگ رانی نے اُن پر خرگوشوں جیسی صورت والے کالے کالے چوپایوں کو چھوڑ دیا تھا۔ اس خونریز حیوانی معرکے کی افراتفری سے فائدہ اُٹھا کر ناگ رانی مجھے ہمراہ لے کر جل منڈل سے نکل گئی۔ سمندری گپھا میں کودنے سے قبل ناگ رانی نے اپنا منکا میرے حوالے کر دیا — جو اُس نے شاید کسی طرح جے سیکا کے پیٹ سے برآمد کر لیا تھا۔ زیرِ آب سفر کے دوران میں کئی کٹھن مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہم آخر کار کالی بھُومی پر جا پہنچے جہاں ناگ رانی جے سیکا کو چھوڑ گئی تھی۔ اپنی آزادی کا جشن میں نے بڑی فراخدلی سے منایا اس پُراسرار جزیرے پر جب میں ناگ رانی کے نسوانی پیکر میں ڈوبا ہوا تھا تو مکروہ صورت

شیوناگ وہاں آپہونچا۔ میں نے جونہی اُس کے مقابلے پر آنا چاہا میرے پیٹ میں گھسے ہوئے ان سانپوں نے حرکت کرنی شروع کردی جو اگن ناگ کی بھینٹ سے نجات کی نشانی تھے۔ میں ایک آنکھ سے محروم، کرب سے زمین پر تڑپ رہا تھا اور مکار شیوناگ قہقہے مارتا میری طرف بڑھ رہا تھا۔

اب آپ آگے کے واقعات پڑھیئے

میں کرب و بے چارگی کے عالم میں زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور شیوناگ میرے سر پر آچکا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ حلقے کی صورت میں میری گردن کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"شیوناگ!" ناگ رانی قہر بھری آواز میں چلّائی "سلطان جی کو چھونے سے پہلے تجھ کو مجھ سے یُدھ جیتنا ہوگا۔ جب تک میری تمام شکتیاں ختم نہیں ہو جاتیں، تو سلطان جی کے شریر کو نہیں چھو سکتا۔"

"یہ دیکھ" شیوناگ نے قہقہہ مار کر میری گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ میرے پیٹ میں گھسے ہوئے سانپ اس وقت مجھے بخشنے کو تیار نہ تھے۔ اُدھر اس تکلیف کی جانگسل شدّت اور ادھر شیوناگ میری گردن دبوچ چکا تھا۔ سردی کے باوجود میرا سارا بدن پسینوں میں شرابور ہو چکا تھا۔ اعصاب کی شکستگی نے مجھے بالکل ہی بے بس کر کے رکھ دیا تھا اور مجھے اپنا حشر صاف نظر آرہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ شیوناگ مجھے گلے سے پکڑ کر فضا میں معلق کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ سفّاک دشمن اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا، ناگ رانی نے ایک زور کی چیخ ماری اور شیوناگ اُچھل کر دُور جا گرا۔ میری گردن اُس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی طاقتور برقی جھٹکے نے اسے فضا میں دُور اُچھال پھینکا ہو۔

اس وقت تک جے سیکا بھی زمین سے اُٹھ چکی تھی اور ہراساں نظروں سے شیوناگ کو دیکھے جا رہی تھی۔

ناگ رانی نے شیوناگ کو زمین سے اُٹھنے کی مہلت دیئے بغیر ایک کنکر اس کی جانب اُچھالا اور شیوناگ کربہہ چیخ مار کر، بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک طرف لڑھک گیا۔ جیسے کسی نادیدہ وزنی چٹان سے اپنے بدن کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

صبح کا دھندلکا تیزی کے ساتھ کہر آلود اُجالے میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ کالی بھومی کی سیاہی مائل نم زمین پر میری زندگی موت کے جنگل میں سسک رہی تھی۔ ساحل پر سمندر کی سرکش موجوں کا اُبھر اُبھر کر ڈوبنے والا شور مجھ پر مزید ہیبت طاری کیئے دے رہا تھا۔ حالات کی بے یقینی کے باعث اب مجھے جل کماری اور اس کے گرگوں کی یورش کا بھی دھڑکا ہو چلا تھا۔ ادھر میرے پیٹ کی تکلیف اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ چکی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اگن دیوتا کی دی ہوئی ایک برس کی مہلت بیت چکی ہے اور اس بار سوتوں کے رُوپ میں میرے بدن میں گھسنے والے سانپ مجھے اگن ناگ کو کسی کنواری کے خون کی بھینٹ نہ دینے کی سزا کے طور پر ہلاک کیئے بغیر چین نہ لیں گے!

اندھا شیوناگ اب زمین سے اُٹھ چکا تھا۔ اس کا چہرہ قہر و غضب سے سیاہ پڑ چکا تھا۔ اُس نے ایک بار گہرا سانس لیا اور پھر پُوری قوّت سے زمین پر پاؤں پٹخنے لگا۔

اُس کے پیروں کی دھمک سے پُورے جزیرے کی زمین دہل اُٹھی پہلی بار میں اُسے وہم سمجھا لیکن جب اس جزیرے پر شدید زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہونے لگی تو میں بوکھلا گیا۔ اُسی وقت مجھے بہ مسرّت آمیز احساس ہوا کہ میری تکلیف ختم ہو چکی ہے۔ میرے پیٹ میں گھسے ہوئے موذی سانپوں کو شاید قرار آچکا تھا۔

میں اُچھل کر سیدھا کھڑا ہوا لیکن اگلے ہی لمحے میں دوبارہ زمین پر گرا۔ جزیرے پر تیزی کے ساتھ لمبی لمبی دراڑیں پڑتی جا رہی تھیں شیوناگ بھیانک قہقہے لگاتا زور زور سے اُچھلے جا رہا تھا، اس کے قدموں کی ہر دھمک کے ساتھ جزیرے کی زمین دہل دہل اُٹھتی تھی۔ میری ہراساں نگاہیں ناگ رانی پر پڑیں، وہ خاموش سی کھڑی ہوئی تھی اُس کے چہرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں شیوناگ کے لائے ہوئے زلزلے سے زمین کا وہ حصّہ متاثر نہیں ہو رہا تھا جہاں ناگ رانی کھڑی ہوئی تھی۔ پھر میرے کانوں میں جے سیکا کی سہمی سہمی چیخیں آئیں وہ بہت زیادہ دہشت زدہ تھی اور سینے کے بل زمین پر گری ہوئی تھی زلزلے کے باعث میرے لئے کھڑا رہنا یا چلنا ناممکن تھا۔ میں زمین پر لڑھکتا اس کے قریب جا پہنچا اور اس کے کانپتے ہوئے بدن کو اپنی باہوں میں لے لیا تاکہ اس کی دہشت میں کچھ کمی آسکے۔

"سلطان جی!" اچانک ناگ رانی میری طرف لپکی "ذرا منکا مجھے دو!"

میں نے بغیر سوچے سمجھے اپنے گلے سے لٹکا ہوا منکا اُتار کر اسے دے دیا

"مورکھ - اب باز آجا!" ناگ رانی منکا تھام کر چیخی۔
"میں ان دونوں کو اسی طرح ہلکان کر کے مار ڈالوں گا"
شیونگ بدستور اچھلتے ہوئے چیخا۔

منکا ناگ رانی کو دینے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ مصنوعی زلزلے کے جھٹکے میرے لئے شدید تکلیف کا باعث بن رہے ہیں اور میں زیادہ دیر تک یہ اذیت نہ سہہ سکوں گا۔

"تو یہ لے۔ تجھے شاید اپنا جیون پیارا نہیں ہے!" ناگ رانی نے طیش کے عالم میں اپنا منکا اس کی جانب اچھالتے ہوئے کہا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ناگ رانی شاید جنون میں اپنے حواس کھو بیٹھی تھی جس منکے کو حاصل کرنے کے لئے شیونگ نے اب تک اتنے پاپڑ بیلے تھے وہ منکا ناگ رانی خود ہی اس کی طرف پھینک رہی تھی میرے نزدیک اس کا یہ فعل سراسر خودکشی کے مترادف تھا۔

یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شیونگ منکے کو لپکنے کے بجائے زمین پر اوندھا لیٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر اور چہرہ پوری طرح چھپا لیا۔ ناگ رانی کا منکا فضا میں اڑتا ہوا شیونگ کی کمر پر گرا اور اس کے حلق سے کربناک چیخیں نکل گئیں۔ جیسے وہ ٹنوں وزنی چٹانوں کے نیچے پس گیا ہو۔

شیونگ کی کمر پر ضرب لگا کر ناگ رانی کا منکا فضا میں اوپر اٹھا۔ ناگ رانی نے اپنے داہنے ہاتھ سے کوئی خاص اشارہ کیا اور منکا دوبارہ شیونگ کی پسلیوں پر گرا۔ شیونگ کی چیخیں بہت اندوہناک تھیں۔ وہ تکلیف سے بلبلاتا زمین سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔

"سلطان جی! پکڑ لو اسے، یہ زندہ نہ نکلنے پائے!" ناگ رانی زور سے چیخی لیکن میں ششدر و مبہوت سا کھڑا ہوا تھا میرے ساتھ ہی سہمی ہوئی جے سیکا بھی کھڑی ہوئی تھی!

"چلو سلطان جی! ورنہ وہ نکل جائے گا" ناگ رانی نے آگے بڑھ کر مجھے جھنجھوڑا "میں اس موذی کو تمہارے ہاتھوں سزا دینا چاہتی ہوں"

میں ایک دم چونک کر اپنی جگہ سے لپکا اور شیونگ کے تعاقب میں دوڑ پڑا جو کراہتا اور لنگڑاتا ہوا ایک طرف دوڑ رہا تھا۔ اس کا بدن زخموں سے چور تھا اور زمین اس کے خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی۔

وہ زخمی اور ہراساں تھا جبکہ مجھے ناگ رانی کی مدد اور حمایت حاصل تھی۔ میں نے ذرا ہی دیر میں اس کریہہ اور ڈراؤنے شخص کو جا لیا جس کو دیکھنے سے ہی پھریریاں آنے لگتی تھیں۔

اپنے قریب میری آہٹ سن کر وہ پھرتی سے پلٹا۔ اس کے سر پر بالوں کی جگہ اگے ہوئے باریک باریک زندہ سانپ بڑی بے چینی سے کلبلا رہے تھے۔ اس کے سیاہ چہرے کی جا بجا پھولی ہوئی کھال پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں چمک رہی تھیں جو ساحل کی خنک فضا میں خاصی تعجب خیز تھیں۔ اس کی گلی ہوئی، بینائی سے محروم آنکھوں کے پپوٹے بہت تیزی سے پھڑپھڑا رہے تھے اس کو یوں غیر متوقع طور پر پلٹتے دیکھ کر میں قدرے پریشان ہو گیا اور میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے

"آج یہ جھگڑا ہی نمٹا دوں گا" وہ دونوں ہاتھ میری جانب پھیلا کر غرایا "کب تک تجھ جیسا پاپی پوتر ناگوں کی جان کا روگ بنا رہے گا"

اپنے فرار ہوتے ہوئے دشمن کی زبان سے اس قسم کے فقرے سن کر میں پریشان ہو گیا اور بے اختیار میری نگاہیں اپنے عقب میں ناگ رانی کی تلاش میں اٹھ گئیں۔ میری یہ حماقت مجھے خاصی مہنگی پڑی کیونکہ میری توجہ دوسری جانب مبذول ہوتے ہی شیونگ اچھل کر مجھ پر آپڑا اور میں اس کے بوجھ تلے زمین پر جا گرا۔ میرے حلق سے نکلنے والی بے معنی چیخوں میں خوف اور گھبراہٹ بہت نمایاں تھی۔

میرے لئے شیونگ سے یوں براہ راست زور آزمائی کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے قبل کبھی بھی اس سے جسمانی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کا بدن برف کی سلیوں کی طرح سرد اور پتھر کی طرح ٹھوس تھا اور اس کے پسینے سے عجیب کراہت آمیز بساند پھوٹ رہی تھی جوں ہی اس نے مجھے اپنی گرفت میں لیا، اس کے سر پر بالوں کی جگہ کلبلاتے ہوئے زندہ سانپوں نے پھنکاریں مار مار کر میرے چہرے پر اپنے پھن مارے، میں خوف، کراہت اور بوکھلاہٹ کے عالم میں پوری قوت سے تڑپا اور شیونگ کو اپنے اوپر سے گرا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر اس سے قبل کہ اندھا شیونگ دوبارہ مجھ پر سوار ہوتا میرے ہاتھ میں ایک پتھر آگیا اور میں نے بلا توقف کئے وہ پتھر شیونگ کے سر پر دے مارا۔ اس کے حلق سے ایک غضبناک غراہٹ نکلی، پتھر کے نیچے آکر کچلے جانے والے سانپ پوری قوت سے پھنکارے اور میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔

اس وقت شیونگ کی حالت بہت خستہ تھی، اس کی کئی پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں جن میں سے خون کی بھاری مقدار بہہ رہی

جرم و سزا

تُرکی میں اگر کوئی شخص شراب کے نشے کی حالت میں موٹر چلاتا ہُوا پایا جائے تو کسی عدالت میں اُس کا چالان نہیں کیا جاتا بلکہ گشتی سارجنٹ اُس کو اپنی موٹر میں بٹھا کر شہر سے باہر بیس میل دُور چھوڑ آتا ہے۔ پولیس کا دعویٰ ہے کہ عوام کو اُس سے باز رکھنے کے لیے اُن کا یہ طریقہ بہت ہی سُود مند ہے۔

قاہرہ میں اگر کوئی موٹر ڈرائیور قانون کی خلاف ورزی کرتا ہُوا پکڑا جائے اور اس کی وجہ سے وہ کسی مہلک حادثہ کا سبب نہ بنا ہو تب فوراً ہی عدالت میں اُس کا چالان پیش نہیں کیا جاتا اور نہ اس سے کچھ جُرمانہ وصُول کیا جاتا ہے۔ البتہ سال ختم ہونے پر جب وہ اپنا لائسنس تجدید کے لیے پیش کرتا ہے، تو پولیس کا محکمہ اُس کی مقررہ کردہ فیس کے ساتھ اُس کی گزشتہ سال کی، کی ہوئی منجملہ خلاف ورزیوں کے جُرمانے بھی وصُول کر لیتا ہے۔

مُرسلہ : نور محمّد ، عبدالغنی، کراچی

تھی۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بُری طرح زخمی تھیں، بینائی سے وہ پہلے ہی محروم ہو چکا تھا اور میری ضرب کے نتیجے میں اس کا سر بھی لہولہان ہو چکا تھا لیکن اُس کے وجود میں شیطانی قوتیں پوشیدہ تھیں۔ اس حالت میں بھی وہ مجھے زیر کرنے کے لئے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

میں نے زمین سے اُٹھتے ہی اُس کے چہرے پر بھرپور ٹھوکر رسید کی اور وہ بُری طرح چیختا ہوا پیچھے اُلٹ گیا۔ اس سے قبل کہ میں اُس پر اگلا وار کرتا، وہ کسی بدرُوح کی طرح اُچھل کر کھڑا ہو گیا، اُس کا پُورا چہرہ اب خون کی سُرخی میں نہا چکا تھا، میری بھرپور ٹھوکر نے اُس کی پیشانی میں ایک گہرا زخم ڈال دیا تھا۔ اُس نے میرے سامنے آتے ہی دونوں ہاتھ سیدھے کئے اور پھر مجھے کاوا کاٹنے کی مہلت دیئے بغیر مجھ سے لپٹ پڑا۔ اُس کے خون میں نہ جانے کیسی متعفن بدبو رچی ہوئی تھی کہ میں اپنی جان کے خوف کے باوجود اُس کراہت کے احساس کو فراموش نہ کر سکا۔

"اس سمے منکا تیرے پاس نہیں ہے"۔ وہ میری گردن دبوچتے ہوئے غرّایا "میں دھرتی کو تیرے بوجھ سے چھٹکارا دلا ہی دونگا"۔

یہ کہتے ہی اُس نے اپنے تیز دانت میرے گلے کے حلقوم پر جما دیئے۔ میں کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخا اور اُس کے پیٹ میں پے در پے کئی مرتبہ گھٹنوں کی ضرب لگائی لیکن اس کے دانت آہستہ آہستہ میرے نرخرے میں پیوست ہوتے جا رہے تھے۔ اس خون آشام دشمن کے عزائم بہت بھیانک تھے وہ ہر قیمت پر میرا کام تمام کر دینے کے درپے تھا!

اسی وقت ناگ رانی جے بیکا سمت دوڑتی ہوئی ہمارے قریب آ پہنچی۔ میں نے اُس کی ایک ہی جھلک دیکھی اور پھر مجھے اپنے حلقوم کو شیوناگ کے تیز دانتوں کی کاٹ سے بچانے کے لئے رُخ بدل لینا پڑا۔

"سلطان جی! اس کے سر کے ناگوں کو مٹھی میں جکڑ لو ورنہ یہ تمہارا خون پی جائے گا"۔ ناگ رانی کی ہیجان آمیز آواز میرے کانوں میں گونجی

میں نے فوراً ہی شیوناگ کی پسلیوں کو اپنے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کر دیا اور چند ثانیوں کی صبر آزما کوشش کے بعد اُس کے سر پر اُگے ہوئے ناگوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑ ہی لیا۔ میرے اس وار کا ردِعمل حیرتناک حد تک حوصلہ افزا رہا۔ شیوناگ کے دانتوں کی گرفت سے میرا حلقوم فوراً آزاد ہو گیا اور اُس کے پتھر کی طرح ٹھوس بدن کا تناؤ نرماہٹ میں تبدیل ہو گیا۔

اِن باریک باریک سانپوں کو یوں گرفت میں لینے کا تجربہ بڑا انوکھا تھا۔ ان کو دیکھنے ہی سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سب بہت موذی اور زہریلے ہیں اور میں مقابلے کے دوران میں بھی اُن سے بچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس وقت ان میں سے کسی نے مجھے نہیں ڈسا، ہاں وہ پوری قوت کے ساتھ میری مٹھیوں میں کلبلا رہے تھے تاکہ میری بے رحمانہ گرفت سے نجات پا سکیں۔

اب شیوناگ کسی بے ضرر کیچوے کی طرح میرے قریب کھڑا ہوا تھا اُس کے سر پر بالوں کی جگہ اُگے ہوئے سیاہ ناگ میری مٹھی میں دبے ہوئے

کُلبُلا رہے تھے اور میں ناگ رانی کی جانب سے کسی نئی ہدایت کا منتظر تھا۔

ناگ رانی کے اشارے پر کسی جانب سے ایک تیز دھار دار اُسترا فضا میں تیرتا میرے قریب آکر فضا میں معلق ہوگیا۔ پہلے تو میں اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوا تھا کہ کہیں وہ شیونگ کا کوئی نیا وار نہ ہو لیکن جب ناگ رانی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

"شیونگ کے سر پر اُگے ہوئے ناگوں میں اُس کی سب سے بڑی شکتی چھپی ہوئی ہے، سلطان جی! تم اس اُسترے سے اس کا سر مونڈ ڈالو، اب یہ پوری طرح تمہارے قابو میں آچکا ہے۔" ناگ رانی پُرجوش لہجے میں مجھ سے کہہ رہی تھی۔

میں نے پُرسکون انداز میں داہنے ہاتھ میں وہ پُراسرار اُسترا تھاما۔ بائیں ہاتھ میں شیونگ کے سر والے سانپ بدستور جکڑے ہوئے تھے اُسترے کی دھار سیدھی کرنے کے بعد میں نے شیونگ کا سر مونڈنا شروع کر دیا وہ میرے سامنے بے حس و حرکت سر جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اُس کے سر پر اُگے ہوئے باریک باریک سانپ اُسترے کی دھار سے کٹ کٹ کر نیچے گر رہے تھے۔ ان کی دبی دبی آخری پھنکاروں میں شدید بے بسی اور موت کی دہشت سرسرا رہی تھی

کالی بھومی کی سرزمین پر اب صبح کا اجالا دھند کی گہری چادر کو چیرتا جا رہا تھا۔ میں نے اُس قدرتی روشنی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شیونگ کا سر پوری طرح مونڈ ڈالا۔ اُس کی شفاف اور سیاہ کھال اب بالکل ایسی نظر آرہی تھی جیسے وہاں کبھی کوئی بال اُگا ہی نہ ہو۔

"شیونگ! سلطان جی کے چرنوں میں جھک کر زمین کی خاک چاٹ!" ناگ رانی نے تحکمانہ آواز میں اس سے کہا۔

وہ اس وقت بے حد مضمحل اور شکست خوردہ نظر آرہا تھا۔ میری گرفت سے بھی آزاد ہو چکا تھا اور اگر چاہتا تو کسی بھی جانب فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ اب وہ ناگ رانی کی شکتی کا توڑ نہیں کر سکے گا اس لئے بلا حیل و حجت میرے قدموں میں گر پڑا۔ میں نے اُس کی گرم اور لجلجی زبان کا لمس اپنے پیروں کی جلد پر محسوس کیا۔ وہ کسی وفادار کتے کی طرح میرے پیر چاٹ رہا تھا۔ میں نے کراہت سے جھرجھری لے کر اپنے قدم پیچھے ہٹا لئے۔ میرے پیچھے سرکتے ہی وہ اندھوں کی طرح خاک میں اپنا منہ رگڑتا آگے بڑھا اور دوبارہ بیتابی کے ساتھ میرے قدم تھام لئے اور ایک بار پھر اُس کی زبان میرے پیروں پر پھسلنے لگی۔

"کوشیلا اسے ہٹاؤ۔ مجھے گھن آرہی ہے!" میں نے شیونگ کی اس حرکت سے پریشان ہو کر قریب ہی کھڑی ہوئی ناگ رانی سے کہا۔

"یہ لو!" ناگ رانی نے اپنا منکا میری جانب بڑھا دیا" اسے گلے میں ڈال لو، پھر شیونگ کسی کتے کی طرح تمہاری ہر آگیا کا پالن کریگا۔"

"دُور ہٹ!" میں نے اپنے گلے میں منکا ڈالتے ہوئے شیونگ کی پیشانی کو ٹھوکر سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا مجھ سے چند قدم دُور ہٹ کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

اس وقت اُس کے ہیبت ناک چہرے پر انتہا درجے کی بے بسی، مایوسی اور بے چارگی پھیلی ہوئی تھی، اس کا سارا قہر اور ساری عیاری کافور ہو چکی تھی۔

"مجھے اس کی بڑی چنتا تھی" ناگ رانی نے میرے قریب آتے ہوئے کہا "اس مکار کے کارن میرے لئے تمہاری سرکھشا بڑی کٹھن ہو کر رہ گئی تھی۔ اب اس کی تمام شکتیاں نشٹ ہو چکی ہیں۔ سوچتی ہوں کہ اسے زندہ رکھنا بے کار ہے۔ بولو تم کیا کہتے ہو؟"

"یہ دوبارہ تو ہمیں مشکلات میں نہیں ڈال دے گا؟" میں نے شیونگ کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ میرا اس قدر خونی دشمن پل بھر میں اتنا بے ضرر ہو چکا ہے۔

"اس کی رُوپ بدلنے کی شکتی ابھی بھی باقی ہے جس دن بھی اس کے سر پر وہ ناگ دوبارہ اُگ آئے یہ پھر طاقتور ہو جائے گا!" ناگ رانی بولی

"تو کیا وہ ناگ اس کے سر پر ہی اُگتے ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ بالکل اسی طرح جیسے تمہارے سر پر بال اُگتے ہیں" ناگ رانی نے لاپروائی سے کہا "ویسے تم چاہو تو اسے کچھ روز کتے کے روپ میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں پھر جو ہوگی دیکھی جائے گی!"

"ٹھیک ہے!" میں راضی ہو گیا۔

پھر ناگ رانی نے شیونگ کی طرف متوجہ ہو کر کسی نامانوس زبان میں چند فقرے کہے۔ اندھا شیونگ غور سے اس کی بات سنتا رہا جونہی وہ خاموش ہوئی شیونگ پُھرتی کے ساتھ زمین پر لوٹنے لگا میں اُس کی اس حرکت پر یک بیک بوکھلا گیا لیکن میری یہ تشویش چند ثانیوں سے زیادہ دیر تک باقی نہیں رہی۔ شیونگ زمین پر لوٹ لگا کر اب لمبے لمبے بالوں والے ایک سیاہ رنگ کے کتے کا رُوپ دھار چکا تھا۔ اس کتے کی آنکھیں شیونگ کی طرح پگھلی ہوئی نظر آرہی تھیں اُس نے زمین سے اُٹھ کر اپنے بدن سے

ڈھول جھاڑی اور دُم ہلاتا ہوا ناگ رانی کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

جے سیکا ابھی تک ہکا بکا کھڑی ہوئی یہ سارا بھیانک کھیل دیکھ رہی تھی۔ اپنی پُراسرار قوتوں سے محروم ہو جانے کے بعد سے وہ ذرا ذرا سے غیر معمولی واقعات پر بھی اسی طرح سراسیمہ و حیران ہو جاتی تھی۔

"جے سیکا کیا سوچ رہی ہو؟" میں پہلی بار ہنستے ہوئے اُس کے قریب گیا جل منڈل سے رہائی کے بعد مجھے پہلی مرتبہ ذہنی سکون کے وہ لمحات میسّر آسکے تھے!

"سلطان جی! مجھے کسی طرح میری زندگی لوٹا دو۔ اپنی ہتیلک کارن میں اپنی ساری شکتیاں کھو بیٹھی ہوں۔ اب نہ میری عقل کام کرتی ہے نہ ہمت ساتھ دیتی ہے۔ تم ناگ رانی سے کہو کہ ایک بار اور مجھ پر دیا کرے' میں جنم جنم اس کا احسان مانتی رہوں گی!"

"دیکھو۔ میں اپنی ستارہ کی تلاش کی خاطر اپنی ایک آنکھ کھو چکا ہوں" میں نے اپنی بائیں آنکھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "مگر میں اتنا ہراساں نہیں ہوں اگر اب کبھی میری ستارہ مجھے واپس مل گئی تو میں سمجھوں گا کہ یہ سودا مہنگا نہیں رہا!"

"سلطان جی! کیا تم واقعی اپنی آنکھ کے لئے دکھی ہو؟" ناگ رانی نے مجھے مخاطب کیا۔

"تم تو انجان بن رہی ہو!" میں نے تلخ آواز میں کہا۔

میرے لہجے میں ہلکا سا کرب اُبھر آیا تھا "میرے روپ پر ہر عورت کا دل مچل جاتا تھا' میری ستارہ کو میری ان چمکیلی آنکھوں میں اپنے سہانے مستقبل کی جھلکیاں نظر آتی تھیں جب وہ دیکھے گی کہ اب میں ایک آنکھ کھو چکا ہوں تو اُس کے دل پر کیا بیتے گی!"

"ہوں" ناگ رانی پُرخیال انداز میں بولی "اس کا اُپائے بھی ہو سکتا ہے" پھر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی" تمہاری آنکھ اور جے سیکا

آٹومیٹک کاؤبوائے پستول سیٹ کا نیا اسٹاک آگیا

۶ فیر والا

کم خرچ، بالانشین، ٹاپ کوالٹی، ہیبتناک گرجدار آواز والا حیرت انگیز ڈبل بیرل

کاؤبوائے ماڈل آٹومیٹک پستول

اسکو پاس رکھنے اور استعمال کیلئے کسی لائسنس کی ضرورت نہیں

ہنگامی حالات میں دشمن اور جان ومال کی حفاظت کیلئے مشہور زمانہ آٹومیٹک کاؤبوائے سیٹ بالکل اصلی کے مانند آج ہی منگوالیں، اس سیٹ میں پستول کے علاوہ چمڑے کی خوبصورت کمر کی پیٹی، نقاب، گولیاں اور چاقو شامل ہیں، رعایتی قیمت صرف بیس روپیہ بمعہ دو سو گولیاں محصولڈاک ۲/- الگ اگر آپ چاہیں تو مکمل سیٹ کی بجائے صرف پستول بھی منگا سکتے ہیں قیمت فی پستول بمعہ سو گولیاں صرف گیارہ روپیہ نیز علیحدہ گولیاں دو روپیہ فی سینکڑہ، دو مکمل سیٹ یا دو پستول کے خریدار کو محصولڈاک معاف

مفت انعام

ہر خریدار کو ایک عدد خوبصورت قلم مفت دیا جاتا ہے

پتہ اٹلس گفٹ سینٹر پوسٹ بکس ۱۶۳ (S) کراچی

کی شکتی ضرور واپس آئے گی پر پہلے ہمیں کالی بھومی کے اس جزیرے سے نکلنا ہے اس کے بعد ہی میں یہ سب سوچ سکوں گی۔"

"کوشیلا!" میں چیخ کر اُس سے بغل گیر ہو گیا "کیا واقعی میری کھوئی ہوئی آنکھ مجھے مل جائے گی؟"

"ہاں ہاں۔ ذرا دھیرج سے کام لو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اپنا چہرہ میری چھاتی میں چھپاتے ہوئے جذباتی آواز میں بولی۔

اپنی ایک آنکھ سے محرومی کا احساس میرے لئے مستقل خلش کا باعث بنا ہوا تھا۔ اپنی معذوری کے بعد مجھے پہلی بار خدا کی اس نعمت کا احساس ہوا تھا جو وہ تندرستوں کو بخشتا ہے جسمانی معذوری اور محرومی کا عذاب اُن کے لئے تو واقعی ناقابلِ برداشت ہوتا ہوگا جو مکمل طور پر کسی قوت سے محروم ہوتے ہونگے مجھ پر تو پھر بھی میرے رب کا کرم تھا کہ اُس نے میری ایک آنکھ سلامت رکھی۔ اگر ناگ رانی تائید غیبی بنکر آخری لمحات میں جل منڈل کی سرزمین پر نہ آپہنچتی تو اس وقت شاید میں اندھا ہی ہو چکا ہوتا، بالکل اس کتے کی طرح جس کے نچے رُوپ میں شیو ناگ میرے اور ناگ رانی کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔

سورج طلوع ہونے کے بعد جب ہواؤں کی خنکی میں طلائی کرنوں کی حرارت سرایت کرنے لگی تو ناگ رانی نے کالی بھومی سے روانہ ہونے کا قصد کر لیا۔ اس کی ہدایت پر میں نے اپنی آنکھیں۔ بلکہ اپنی آنکھ بند کر لی۔ جے سیکا نے بھی میری تقلید کی۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا بدن روئی کے گالوں اور ہواؤں کے دوش پر تیرتے بادلوں کی طرح سبک ہو گیا ہو۔ میں خود کو فضا میں اُٹھتا اور ہلکے پھلکے پرندوں کی طرح پرواز میں مصروف محسوس کر رہا تھا۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ بلندی سے کالی بھومی کے پُراسرار جزیرے پر الوداعی نظر ڈالوں لیکن اس کی جرأت نہ کر سکا۔ میں جانتا تھا کہ آنکھ کھولتے ہی ناگ رانی کا وہ فسوں ٹوٹ جائے گا جس کے سہارے میں فضا کی وسعتوں میں تیر رہا تھا اور اُس کے بعد میں اپنے بوجھ کے ساتھ زمین پر گر جاتا جس کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

جب سبک اندامی کا یہ احساس ختم ہوا تو ناگ رانی کی مسرور آواز میرے کانوں میں ترنم بکھیر گئی۔ "آنکھیں کھول دو سلطان جی!"

میں نے آنکھیں کھولیں اور خود کو سون ہاٹ کے اسی ویران جنگل میں کھڑا پایا جہاں سے میں ناگ راجہ کے خوف کے باعث ناگ رانی اور جے سیکا کے ہمراہ جل منڈل کے لئے فرار ہوا تھا۔ قریب ہی ترپال کا وہ مضبوط خیمہ جوں کا توں موجود تھا جس کے پردے میں میں نے جے سیکا کے وجود میں چھپی ہوئی عورت کو پہلی بار دریافت کیا تھا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ جے سیکا میرے عقب میں ناگ رانی کے ہمراہ کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کی لمبی لمبی سیاہ زلفیں اس کے سینے پر مچل رہی تھیں، اُس کے ہونٹوں پر ہی سلگتی سی سُرخی، رخساروں پر ہی دُودھیا نکھار اور سیاہ غزالی آنکھوں میں وہی معصومیت رچی ہوئی تھی جس نے پہلی بار مجھے مسحور کر دیا تھا۔ ناگ رانی کے چہرے پر گہرا سکون نمایاں تھا میں نے آس پاس نظر ڈالی لیکن وہ اندھا، سیاہ کتا کہیں نظر نہ آیا۔

"شیو ناگ کہاں ہے کوشیلا؟" میں نے چونک کر ناگ رانی سے پوچھا۔

"مجھ سے بھول ہو گئی!" وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولی "کالی بھومی سے چلتے سمے وہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے سون ہاٹ کے اس جنگل کا رُخ کر کے بڑی بھول کی، سون مندر پر سے آتے ہوئے وہ مکار میری نظر بچا کر بھاگ نکلا اور میرا وار ہونے سے پہلے سون مندر میں جا گھسا۔ اب میں اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اپنی شکتی لوٹ آنے تک وہ کبھی میرے سامنے نہیں پڑے گا۔ مجھے کالی بھومی پر ہی اس کا جھٹکا کر دینا تھا۔"

"جنم مرن کے کھیل ہی نیارے ہوتے ہیں رانی جی!" جے سیکا دُکھ بھرے لہجے میں بولی "اس پر کسی کا بس نہیں، اب مجھے ہی دیکھ لو، میرا جیون بے مزہ ہو کر رہ گیا ہے، میری تو بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ مہری آتما کو اپنے دوار بُلا لے!"

"جیون سے دل بھر گیا ہے!" ناگ رانی نے اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا

"ہاں رانی جی!" جے سیکا بھرائی ہوئی آواز میں بولی "مجھے ہر چیز بھولی بھولی سی معلوم ہوتی ہے پر میرا من کہتا ہے کہ میں یہ سب جانتی تھی، یہ تو بڑا انیائے ہے کہ میں اپنے ہی سنسار میں پرایوں کی طرح زندہ ہوں..... اس جیون سے تو موت ہی اچھی ہے!"

"سلطان جی!" ناگ رانی مجھ سے مخاطب ہوئی "یہ چھوکری دیکھ کر جے سیکا کے من میں ہُوک سی اُٹھی ہے۔ تم اسے اندر لے جا کر اس کا من بہلاؤ، میں تمہاری آنکھ کا کوئی راستہ ڈھونڈتی ہوں!"

میں مسکرا دیا "سون مندر یہاں سے قریب ہے، کوئی خطرہ تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں نہیں!" وہ جلدی سے بولی "منکا تمہارے پاس ہے

شیونا گ تمہارے مقابلے پر آیا تو کتے کی موت مارا جائے گا۔ وہ اتنا بدھو نہیں ہے کہ اپنی کھوئی ہوئی شکتیاں پراپت کرنے سے پہلے ناگ بھون سے باہر آئے۔ تم کو اس کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اٹھلاتی ہوئی درختوں کے ایک کنج کے عقب میں روپوش ہوگئی اور میں جے سیکا کا ہاتھ تھام کر اُسے اپنے ہمراہ چھولداری میں لے آیا۔

سارے پردے گرے ہونے کے سبب چھولداری میں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا، خوابناک اور دعوت آمیز اندھیرا! اور اس دھندلاہٹ کی اوٹ میں وہی پتوں کا پیال نظر آرہا تھا جس پر میں نے پہلی بار جے سیکا کی قربت کی لذت سمیٹی تھی۔ پوری چھولداری میں جنگلی پھولوں کی مانوس اور تیز بو رچی ہوئی تھی جو شاید ناگ رانی کے نامعلوم گرگوں نے پُراسرار طور پر پیال پر بکھیر دیئے تھے!

باہر کی فضا میں آزاد پرندوں کا ملا جُلا شور مجھ پر عجیب سی شوریدہ سری طاری کر رہا تھا۔ میں جے سیکا کو اپنی بانہوں میں سنبھالے اس پیال تک لے گیا۔ وہ جھکتے ہوئے پھول اور پتوں کے اس نازک سے بستر پر میرے پہلو میں بیٹھ گئی!

"جے سیکا! تم کو اداس دیکھ کر مجھ میں زندگی کے لئے لڑنے کا حوصلہ ماند پڑتا جا رہا ہے، مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے ناگ بھون محض میرا ایک وہم ہے۔ میں اپنی ستارہ کے فراق میں یوں ہی دیوانہ وار بھٹکتے ہوئے ایک روز کسمپرسی کی موت مارا جاؤں گا!" میں نے اپنے دلی احساسات کو الفاظ میں ڈھال دیا۔

"تمہیں تو اپنی تپنی سے پریم ہے سلطان جی! میں یہ خوب جانتی ہوں، پھر بھلا میں کس کے کارن زندہ رہوں؟" وہ درد بھری آواز میں بولی۔

"میری خاطر!" میں مضطربانہ انداز میں اُس کے قریب کھسک آیا "قربانی تو تمہارا دھرم بھی سکھاتا ہے۔ میں شاید تمہیں خود غرض نظر آتا ہوں لیکن یقین کرو جے سیکا کہ میں تمہیں صرف کھلونا نہیں سمجھتا۔ ستارہ میری زندگی ہے اور اب اُس کی بازیابی ہی میری زندگی کا مشن ہے لیکن اس کے بعد تم دوسری عورت ہو جس کے لئے میں نے اپنے دل میں کسک محسوس کی ہے!"

"ناگ رانی بھی تو تمہیں چاہتی ہے!" وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"چاہا کرے!" میں نے تیز لہجے میں کہا "تم خوب جانتی ہو کہ اُس کی چاہت محض نفس کی تسکین تک محدود ہے اُسے کچھ قوتیں حاصل ہیں اور حالات نے مجھے اس سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میرا دل زخم خوردہ ہے اور میں وقتی سکون کے لئے اس سے دل بہلا لیتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر ناگ رانی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شاید ستارہ کی آزادی کے بعد وہ میرے لئے ایک بھولا بسرا خواب ہو کر رہ جائے گی!"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی "تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں اس بھرے سنسار میں بے سہارا ہوں۔ مجھے تم سے پریم ہے پر تم ستارہ سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ اب میں زندہ رہوں گی، تمہاری اور تمہاری پتنی ستارہ کے پوتر ملاپ کی خاطر! اب تم کبھی مجھے دکھی نہ پاؤ گے!"

"جے سیکا! تم کتنی اچھی ہو۔ تمہارا دل بھی تمہارے مکھڑے کی طرح خوبصورت ہے!" میں نے بے اختیار اسے اپنی باہنوں میں سمیٹ لیا شام کا دھندلکا پھیلنے سے ذرا دیر قبل جب میں جے سیکا

"احمد صغیر صدیقی کی شاعری سے اس عہد کا اعلیٰ ادبی ذوق کسی بھی طرح سرسری نہیں گزر سکتا۔"
——(جون ایلیا)——

"وہ لوگ جو شاعری میں زبان و بیان کے نئے تجربوں سے آشنا ہونا چاہتے ہیں انہیں اس کتاب کو پڑھ کر یقیناً خوشی ہوگی۔"
——(حریت کراچی)——

"..... میرا اور ایسے بے شمار مصرعوں نے اُن کی شاعری کو نیا حسن اور نئی دلکشی بخشی ہے۔" (جنگ کراچی)

سمندر آنکھیں

نئی نسل کے ابھرتے ہوئے شاعر احمد صغیر صدیقی کا پہلا شعری مجموعہ

قیمت: ۳/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

جاسوسی ڈائجسٹ پوسٹ بکس ۲۲۹، کراچی

کے ہمراہ درختوں سے جنگلی پھل توڑ کر کھا رہا تھا تو کسی جانب سے ناگ رانی نمودار ہوئی۔ اُس کے بشرے سے تکان کے آثار ہویدا تھے۔ اس کے ساتھ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والا ایک گبرو دیہاتی فخر سے سینہ تانے چلا آرہا تھا اس دیہاتی کا ایک ہاتھ بڑے بے تکلفانہ انداز میں ناگ رانی کی پتلی سی کمر میں پڑا ہوا تھا۔

ان دونوں کی یہ بے تکلفی مجھے بڑی گراں گزری۔ میری مردانہ حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ گو جسمانی ہی سہی، لیکن مجھ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کے جسم پر کسی دوسرے مرد کا تصرف ہو! اس دیہاتی کا فاتحانہ انداز اور اُس کے بشرے سے ٹپکتی مسرت مجھے صاف صاف بتا رہی تھی کہ وہ ناگ رانی کے حسین بدن سے کھیل چکا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم ابتدائی دست درازیاں تو کر ہی چکا ہے!

"اس لڑکی کی کمر سے ہاتھ ہٹا لے!" میں نے زمین سے درخت کی ایک شاخ اُٹھاتے ہوئے اس دیہاتی کو خونخوار لہجے میں للکارا۔

"کیا تیری جورو لگتی ہے!" وہ دیہاتی ناگ رانی کے جوان بدن کے لمس سے شاید آسمانوں میں اُڑ رہا تھا اُس نے میرے لہجہ پر کوئی توجہ نہ دی

"سلطان جی!" ناگ رانی میرے تیور دیکھ کر بوکھلا کر بولی۔ "پاگل نہ بنو، بات سمجھنے کی کوشش کرو!"

اُس کے لہجے میں کوئی ایسی ناقابلِ بیان خاص بات تھی کہ میرے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود رُک گئے اور مجھے فرض کر لینا پڑا کہ اس دیہاتی سے ناگ رانی کی بے تکلفی بلا سبب نہیں ہے۔

"سُن لیا" وہ دیہاتی ناگ رانی کے الفاظ سُن کر اور پھُول گیا" یہ خود کھیتوں میں چھپتی میری کٹیا پر آئی تھی میرے گاؤں کی لڑکیاں سبھی مجھ پر مرتی ہیں پر میرا دل اس کی اداؤں پر پھسل گیا کھیتوں میں فصل نہ کٹ رہی ہوتی تو شاید میں بیلوں چل کر یہاں تک نہ آتا، سارا معاملہ وہیں نمٹ جاتا۔"

اس کی ہرزہ سرائی سُن کر میرا خون کھول اُٹھا میری زبان بمشکل رُک سکی کیونکہ ناگ رانی نے اس دیہاتی سے نگاہیں بچا کر مجھے اشارہ کیا تھا۔

"یہ تیرا کون ہے؟" اس دیہاتی نے ناگ رانی کی پشت پر ہاتھ مار کر اُس سے میرے بارے میں سوال کیا۔ اس کا لہجہ خاصا تضحیک آمیز تھا۔

ناگ رانی نے آہستہ سے اُس سے کچھ کہا اور وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اُس کی آواز میں بوجھل پن رچا ہوا تھا۔ نہ جانے وہ کتنی دُور سے ناگ رانی کے ہمراہ چلا آرہا تھا۔

خیمے میں داخل ہوتے ہوئے اس دیہاتی نے بڑے والہانہ انداز میں جھک کر ناگ رانی کے رخسار کا بوسہ لیا اور اُس نے کوئی تعرض نہ کیا۔ مجھے صورتِ حال خاصی مشکوک نظر آرہی تھی۔ ان دونوں کے اندر چلے جانے کے بعد میں نے جے سیکا کو باہر ہی رُکے رہنے کا اشارہ کیا اور خود دبے قدموں چھولداری کی طرف بڑھنے لگا۔

ابھی میں چھولداری سے چند قدم دُور ہی تھا کہ ناگ رانی تیزی سے باہر نکلتی نظر آئی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں "سلطان جی! خود پر قابو رکھو، میں بڑی مشکل سے اسے پھانس کر لائی ہوں، اسے ذرا بھی شک ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

اس سے قبل کہ میں کچھ دریافت کرتا وہ واپس چھولداری میں چلی گئی۔

ناگ رانی کی وضاحت نے معاملہ اور اُلجھا دیا تھا۔ میں چور قدموں سے چھولداری تک پہنچ ہی گیا اور ایک جھری سے آنکھ لگا کر اندر جھانکنے لگا۔ وہاں پتوں کے پیال پر ناگ رانی اور وہ دیہاتی، دونوں پہلو بہ پہلو لیٹے ہوئے تھے، وہ دیہاتی آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا، اور فوراً ہی ساری حدود تجاوز کرنے پر تلا ہوا تھا جب کہ ناگ رانی تھکے تھکے انداز میں مزاحمت کر رہی تھی۔

"تم ذرا دم لے لو، وہ سو جائے گا تو یہ رات میں تمہارے ہی پاس گزاروں گی، اس سمے وہ غصّے میں ہے۔ کہیں لڑنے مرنے پر نہ اُتر آئے۔" ناگ رانی کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"تو بڑی سُندر ناری ہے۔ میرا من چاہتا ہے کہ تجھے اپنے شریر میں چھپا لوں۔ تو کہے تو میں ابھی اس کا کام تمام کیے دیتا ہوں، اب پیاس بجھائے بنا مجھے چین نہیں آئے گا۔" وہ دیہاتی ناگ رانی پر چھایا جا رہا تھا۔

بے اختیار مجھے حیدر شاہ کے الفاظ یاد آئے کہ ناگ رانی عیاش فطرت کی مالک ہے۔ وہ خوبرو اور کڑیل جوانوں سے اپنی آغوش سجانے کی عادی ہے۔ شاید اب وہ مجھ سے اور میری آغوش سے اُکتا چکی تھی اسی لئے ایک نیا شکار پھانس کر لائی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس اجنبی کو میرے سامنے لانے میں اس کی کیا مصلحت تھی؟ میں اس موضوع پر جتنا سوچتا رہا اسی قدر اُلجھن بڑھتی چلی گئی لیکن

کوئی بھی سرا ہاتھ نہ آیا۔ ناگ رانی یقیناً کوئی لمبا کھیل کھیل رہی تھی۔

میں زیادہ دیر تک ان دونوں میں چھڑی ہوئی کشمکش کا منظر نہ دیکھ سکا اور چھولداری کے قریب سے ہٹ کر واپس جے سیکا کے پاس آگیا اور اپنی جھلاہٹ سے نجات پانے کے لئے اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

بظاہر تو میں جے سیکا کے قریب موجود تھا لیکن میرا دماغ اسی چھولداری میں گھوم رہا تھا۔ جیسے جیسے ناگ رانی کی واپسی میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی میرا پارہ چڑھتا جا رہا تھا میرے تصور میں ناگ رانی اور اس دیہاتی کی ایسی ایسی تصویریں ناچ رہی تھیں کہ میری آنکھوں میں خون اُترتا آ رہا تھا۔

آخر کار ناگ رانی بڑے ہی مضمحل انداز میں چھولداری سے نکلتی نظر آئی۔ اُس کا رُخ میری ہی جانب تھا اس کی جھکی جھکی نظریں مجھے پاگل کئے دے رہی تھیں۔

"اپنی پیاس بُجھا آئیں؟" اُس کے قریب آنے پر میں اپنے غصّے پر قابو نہ پا سکا اور مٹھیاں بھینچتا جے سیکا کے پہلو سے اُٹھ گیا۔

"میری بات پر وشواس کرو کہ وہ اپنی ہٹ پوری نہیں کر سکا" وہ پُرسکون اور بے خوف لہجے میں بولی "میں اس کی تسلّی کر آئی ہوں اب وہ اپنی مرضی سے گہری نیند سو جائے گا۔ میں اُسے تمہاری خاطر یہاں لائی ہوں!"

"میری خاطر!" میں نے بڑھ کر اُسے جھنجھوڑ ڈالا "میرا مذاق اُڑا رہی ہو!"

"من میں کھوٹ نہ لاؤ سلطان جی!" وہ دھیمی آواز میں بولی "میں نے بڑی مشکل سے اسے ڈھونڈا ہے ورنہ دُور دُور تمہاری جیسی آنکھوں والا کوئی نہ تھا۔ جب تک یہ اپنی مرضی سے نہ سوئے گا میں اس کی آنکھ تمہاری خراب آنکھ کی جگہ نہ پہنچا سکوں گی۔ میں نے تمہارے بھلے کے لئے یہ سب کیا ہے!"

یک بیک میرا غصّہ کافور ہو گیا "تو تم اس کی آنکھ کی روشنی مجھے دے دو گی؟"

"ہاں!" ناگ رانی نے اعتماد سے اپنے سر کو جنبش دی۔ "جب تک یہ زندہ رہے گا تمہاری اُلٹی آنکھ بھی روشن رہے گی اور جس سمے یہ مرے گا تمہاری الٹی آنکھ میں پھر اندھیروں کا راج ہو جائے گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میری بینائی ہمیشہ کے لئے لوٹ آئے؟" میں نے متجسّسانہ لہجے میں پوچھا۔

میں پوچھتی ہوں کہ یہ ہیٹ یہاں کیوں لٹکایا ہے۔

"نہیں" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی "جب یہ مر جائے گا تو تمہاری دونوں آنکھیں روشن رکھنے کے لئے مجھے کوئی نیا آدمی ڈھونڈنا پڑے گا۔ تمہارے جیون میں یہی چکر چلتا رہے گا۔"

"اچھا" میں نے ایک گہرا سانس لیا "اب تم کیسے اس کی آنکھ میری اندھی آنکھ سے بدلو گی؟"

"اسے سو جانے دو۔ پھر تم اس کے برابر میں اوندھے ہو کر لیٹو گے میں اپنی آنکھوں کی شکتی سے تمہیں گہری نیند سُلا دوں گی۔ جب تم جاگو گے تو تمہاری دونوں آنکھیں روشن ہوں گی اور اس کی ایک آنکھ غائب ہو چکی ہو گی۔"

مجھے مطمئن کرنے کے بعد ناگ رانی دوبارہ چھولداری میں چلی گئی میں جے سیکا کے ہمراہ سرِ رات میں باہر بیٹھا ناگ رانی کے اشارے کا انتظار کرتا رہا انتظار کے وہ لمحے بڑے ہی کٹھن گزرے۔ ایک گھنٹے بعد ناگ رانی نے چھولداری ہی میں سے مجھے پکارا اور میں جے سیکا کو ہمراہ لے کر اندر چل دیا۔

چھولداری میں ایک چھوٹی سی مومی مشعل فروزاں تھی۔ اس کی لرزتی ہوئی زرد روشنی میں پتّوں کے کشادہ پیال پر وہی دیہاتی بے سُدھ پڑا سو رہا تھا جسے شام میں ناگ رانی اپنے ہمراہ لائی تھی۔ اُس کے قریب وہ خود بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی کا رچاؤ نمایاں تھا۔

"اس کے اُلٹے ہاتھ پر اوندھے ہو کر لیٹ جاؤ!" ناگ رانی نے مجھے ہدایت کی اور میں نے فوراً ہی اس کی تعمیل میں پیال پر اپنی جگہ سنبھال لی

میرے لیٹنے کے بعد ناگ رانی میرے سرہانے پہونچی۔ اس کی ہدایت پر میں نے اس سے نظر ملائی اور پھر یری لے کر رہ گیا۔ چھولداری میں پھیلی ہوئی زرد روشنی میں اُس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں سُرخ شعلوں کی طرح دہک رہی تھیں اور اُن میں سے خارج ہونے والی نادیدہ مقناطیسی لہروں کا ایک طوفان میری آنکھ کے راستے میرے بدن میں سرایت کر رہا تھا۔

میں بس چند ہی سیکنڈ تک اپنے حواس میں رہا پھر میرے سامنے ناگ رانی کی بڑی بڑی، شعلہ بار، مقناطیسی آنکھوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا اور غنودگی کی بہت دبیز دھند میرے جسم اور اعصاب کو اپنی لپیٹ میں لیتی چلی گئی۔

میری یہ کیفیت کتنی دیر باقی رہی، میں نہیں کہہ سکتا، کسی ترغیب کے بغیر ہی میری آنکھ خود بخود کھلی تھی۔ مجھے اس چھولداری میں کمزور اور مدھم روشنی کے دو زرد نقطے لرزتے نظر آئے۔ میں نے پلکیں جھپکا کر غور سے ان روشن نقطوں پر نگاہیں مرکوز کیں تو میرا دل مسرت سے بلیوں اُچھل پڑا۔ میری دوسری آنکھ کی بینائی واپس آ چکی تھی۔ میں نے بے یقینی کے عالم میں اپنی داہنی آنکھ بند کر کے اس حقیقت کی تصدیق کی تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا جل منڈل کی بھیانک سرزمین پر آیا ہوا ابدی زخم مندمل ہو چکا تھا۔ میں نے بے چینی کے ساتھ ہر طرف نگاہیں دوڑائیں ناگ رانی جے سیکا کے ہمراہ ایک گوشے میں کھڑی فاتحانہ شان سے مسکرا رہی تھی۔ پیال پر میرے پہلو میں وہ دیہاتی ابھی تک بے خبری کی نیند سو رہا تھا جسے ناگ رانی اپنے شباب کے دام میں اُلجھا کر وہاں تک لائی تھی میں اضطراری طور پر پیال سے اُتر پڑا اور غور سے اس دیہاتی کی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ اُس کی داہنی آنکھ بالکل اصلی حالت میں تھی لیکن بائیں آنکھ کی جگہ ایک گہرا گڑھا نمایاں تھا۔ اُس کی نصف بصارت میرے حصّہ میں آ چکی تھی اور وہ اس ہولناک حقیقت سے بے خبر ابھی تک نیند کی خود فراموش دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

"سلطان جی! نینوں کی روشنی مبارک ہو!" ناگ رانی کی دھیمی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں بے اختیار ناگ رانی کی طرف لپکا اور والہانہ انداز میں اُسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا، اس کے دہکتے ہوئے نرم رخساروں کا لمس میرے تشنہ لبوں نے محسوس کیا اور میں بالکل ہی دیوانہ ہو گیا۔ میں اپنی محسن کو اس کی کامیاب اعانت پر بادگار لمحوں کا انعام دینے کو بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"ٹھنڈے دماغ سے کام لو" وہ مجھ سے الگ ہٹتے ہوئے بولی "ذرا ہی دیر میں یہ اُجڈ دیہاتی جاگ جائے گا اور ہمارے سر پڑ جائے گا۔ اس سے پہلے کہ اسے اپنی آنکھ جانے کا پتہ چلے، ہم سب کو یہاں سے دُور نکل جانا چاہیئے!"

اس کی بات معقول تھی میں فوراً ہی مخملیں تصوّرات کی حرارت آگیں دُنیا سے نکل آیا اور ہم تینوں بڑی عجلت کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ جنگلی جھاڑیوں، کانٹوں اور تنگ پگڈنڈیوں سے گزرتے ہم ایک طرف بڑھتے رہے۔ منزل کا علم صرف ناگ رانی ہی کو تھا جو ہماری رہبری کر رہی تھی

ابھی ہمیں سحر کے ملگجے اُجالے اور خنک ہواؤں میں چلتے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک بار پھر میں ہولناک اذیّت میں مبتلا ہو گیا میرے پیٹ میں چھپے ہوئے ننھے ننھے سانپ مجھے میری کوتاہی پر تادیب کرنے پر اُتر آئے تھے۔ اگن ناگ مجھے تڑپا تڑپا کر کسی کنواری کے خون کی بھینٹ طلب کر رہا تھا۔ میں اپنے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے تھامے، بُری طرح کراہتا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

جے سیکا بے چین ہو کر میرے قریب آئی اور مجھے سنبھالا دینے کی کوشش کرنے لگی۔ اُس کی بڑی بڑی غزالی آنکھیں میری حالت پر نمناک ہو چکی تھیں۔ اُس نے میرا چہرہ اپنی نرم و نازک ہتھیلیوں میں لیکر مجھے بچّوں کی طرح بہلانا چاہا لیکن میں اپنی اذیّت کو فراموش نہ کر سکا۔ جل منڈل کی سرزمین سے باہر قدم رکھتے ہی اس درد نے مجھے پریشان کر دیا تھا، اِن تابڑ توڑ دَوروں نے میری قوتِ ارادی کو ہلا کر رکھ دیا تھا!

خاصی دیر کے بعد یہ درد اسی تیزی کے ساتھ غائب ہو گیا جس تیزی کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ میں اس ناگہانی دورے کے باعث بہت زیادہ نقاہت محسوس کر رہا تھا جب میں کھڑا ہوا تو موہوم اندیشوں کے باعث میری توانا پنڈلیاں آہستہ آہستہ لرز رہی تھیں کیونکہ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ اذیّت ناک دورہ کب دوبارہ مجھے اپنے چنگل میں دبوچ لے گا۔

ناگ رانی کے سہارے سے میں زمین سے اُٹھا تو اُس کی آنکھوں میں اپنے لئے فکر و تشویش کے سائے لرزاں نظر آئے وہ دلی طور پر میرے لئے متفکر نظر آ رہی تھی معصوم صورت جے سیکا کے چہرے سے بھی ایسی ہی دلی کیفیت نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

"اس تکلیف کے کارن تمہارا حال بُرا ہوتا جا رہا ہے۔ اب

کسی ٹھکانے پر پہنچتے ہی سب سے پہلی اگن ناگ کی بھینٹ کا انتظام کرنا پڑیگا۔"

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد ناگ رانی بولی

"لیکن اب ہم کس طرف جا رہے ہیں ؟" میں نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہم ہاسد یو ندی کے کنارے چل رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں بیوہاری کے قریب جا نکلیں گے۔ وہاں ایک اجاڑ اناتھ آشرم ہے۔ ہم اسی میں ٹھہریں گے!" ناگ رانی نے جواب دیا۔

چار پانچ گھنٹے کی اس دشوار گزار مسافت میں مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہا کہ کہیں دوبارہ میں پیٹ کے ناقابل برداشت درد میں مبتلا نہ ہو جاؤں لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ سفر سکون سے کٹ گیا اور ہم ایک مختصر سی آبادی کے عقب سے گزر کر پتھر اور چونے سے بنی ہوئی قدیم طرز کی ایک عمارت کے بوسیدہ سے ڈھانچے میں پہنچ گئے۔ ناگ رانی نے مجھے بتایا کہ سو سوا سو برس پہلے تک وہ عمارت اناتھ آشرم تھی۔ چند بھیانک واقعات کے بعد اس کے رکھوالے وہاں سے نکل بھاگے تھے جس کے بعد سے وہ عمارت ویران پڑی ہوئی تھی۔

اس وقت دوپہر کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ باہر ہر طرف سورج کی چمکیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن جب ہم بوسیدہ چوبی پھاٹک کی بغلی کھڑکی عبور کر کے اس اناتھ آشرم کی عمارت میں داخل ہوئے تو اندر قد آدم خودرو جھاڑیوں کا جنگل سنسنا رہا تھا جیسے قرنوں سے اس زمین پر کسی ذی روح کے قدم نہ پڑے ہوں۔ خنک ہوا کے جھونکوں میں خزاں رسیدہ زرد پتے زمین کے خالی حصوں پر اڑتے پھر رہے تھے اور اس اناتھ آشرم کے وسیع احاطے میں بھیانک سی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

ناگ رانی آگے بڑھ کر جھاڑیوں کے درمیان راستہ بنانے لگی۔ میں جے سیکا کا ہاتھ تھامے سنبھل سنبھل کر اصل عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔ کئی بار گھنی جھاڑیوں کی اوٹ سے لمبے لمبے سانپ سرسراتے ہوئے بھاگے لیکن ہم سے کسی نے کوئی تعرض نہ کیا۔ شاید ناگ رانی اور اس کے منکے کی موجودگی نے انھیں ہراساں کر دیا تھا اس مفروضے کی بنا پر میں نے وہاں سانپوں کی موجودگی پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

جب ہم اصل عمارت میں داخل ہوئے تو اندر قدم رکھتے ہی گھپ اندھیرے نے ہمارا استقبال کیا۔ مخصوص وضع کے بنے ہوئے ہال کی چھت سے لٹکی ہوئی بے شمار چمگادڑیں ٹچک ٹچک کرتی ہمارے سروں پر منڈلانے لگیں۔ اُن کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے ہال کی تاریک فضا میں گرد و غبار کا ایک طوفان سا اڑنے لگا جس کا احساس مجھے اپنی سانس کی نالی کی خراش سے ہو سکا۔

اس تاریک اور ڈراؤنے ماحول نے مجھے خاصا خوفزدہ کر دیا تھا۔ اپنے تحفظ کا پورا یقین ہونے کے باوجود میں چمگادڑوں سے خائف تھا اور غیر ارادی طور پر میں نے جے سیکا کا ہاتھ چھوڑ کر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں کی ڈھال بنالی تھی۔

سیلن اور چمگادڑوں کی بیٹ میں رچی ہوئی فضا میں چند قدم آگے بڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں اس ہال میں تنہا رہ گیا ہوں۔ پلٹ کر دیکھا تو دس پندرہ گز دور ٹوٹے ہوئے تختے کی وہ مختصر سی روشن خلا چمکتی نظر آئی جسے پھاند کر میں اندر آیا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میں اس ہال میں تنہا رہ گیا ہوں۔ میں نے رک کر ناگ رانی اور جے سیکا کے قدموں کی آہٹ پر کان جمانے چاہے لیکن بے سود۔ وہاں چمگادڑوں کے شور اور میرے تیز سانسوں کے سوا کوئی تیسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

میں جن غیر یقینی اور پُراسرار حالات میں گھرا ہوا تھا اُن کے پیش نظر میرا گھبرا جانا قدرتی سی بات تھی۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید ناگ رانی مجھے دھوکے سے کسی جال میں پھنسا کر نکل گئی ہے اور اب کسی نہ کسی طرح مجھے مجبور کر دے گی کہ میں اُس کا منکا خود بخود اسے لوٹا دوں۔

منکے کا خیال آتے ہی میرے دل کو کچھ تقویت ہوئی مجھے معلوم تھا کہ جب تک ناگ رانی کا منکا میرے قبضے میں ہے، وہ میرا ہر حکم ماننے پر مجبور ہے۔ میں نے دل ہی دل میں اُسے اپنے قریب طلب کیا۔ پل بھر میں ہی وہ ڈراؤنا ہال کسی کے قدموں کی چاپ سے گونجنے لگا جو لحظہ بہ لحظہ میرے قریب آتی جا رہی تھی۔ تاریکی کے سبب میں آنے والے کی شکل و صورت نہ دیکھ سکا!

"کون ہے ؟" میں نے تیز اور گھبرائی ہوئی آواز میں آنے والے کو للکارا۔

"سلطان جی!" ناگ رانی کی مانوس اور تحیّر آمیز آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "تم یہیں بھٹک رہے ہو اور میں اندر تمہارا انتظار کر رہی تھی!"

یہ کہتے کہتے وہ میرے قریب آ پہونچی۔

"اندر؟" میں نے حیرت سے کہا "کیا اندر اور بھی کوئی کمرہ ہے ؟"

اندھیرے میں اس کی دھیمی سی ہنسی کی آواز اُبھری
"تم نے باہر سے نہیں دیکھا! یہاں کئی کمرے بنے ہوئے ہیں اور سب کے راستے اسی کمرے میں سے گزرتے ہیں جہاں اس سمے تم کھڑے ہوئے ہو!"
میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر اس کا ہاتھ تھام لیا
"جے سیکا کہاں ہے؟"
"وہ ..... وہ اندر مہا پُجاری کے پاس ہے!" وہ ایک طرف بڑھتے ہوئے بولی۔
"مہا پُجاری!" میں چونک پڑا "تم تو کہہ رہی تھیں کہ یہ اناتھ آشرم برسوں سے ویران پڑا ہوا ہے؟" میرا لہجہ شکوک سے لبریز تھا۔
"سچ ہی کہتی تھی!" اندھیرے میں ایک بار پھر اُس کی ہنسی کی آواز اُبھری۔ وہ اس وقت بہت زیادہ خوش و خرم نظر آ رہی تھی
"ادھوری بات نہ کر ناگ رانی!" چند ثانیوں تک اس کے دوبارہ بولنے کا ناکام انتظار کرنے کے بعد میں نے قدرے تلخ آواز میں کہا۔
"بیوہاری والوں کے لئے تو یہ اسّی برس سے اُجاڑ پڑا ہوا ہے"
وہ بولی "ناگوں کے دھرم سے پریم کرنے والے ایسے ہی ویرانوں میں بسا کرتے ہیں۔ یہاں ہمارے مہا پُجاری کا گیان استھان ہے۔ وہ اندر تمہارا راستہ تک رہے ہیں۔ اُن کے نین اس جیالے کو دیکھنا چاہتے ہیں جو جل منڈل کی کٹھنائیاں جھیل کر ایک بار پھر اپنی دھرتی پر لوٹ آیا ہے!"
"پہلے تو تم نے کسی مہا پُجاری کا ذکر نہیں کیا تھا!" میں نے شکایتی لہجے میں کہا
"تم نے پوچھا کب تھا!" اُس نے معصومانہ لہجے میں یہ کہہ کر مجھے لاجواب کر دیا۔
وہ میرا ہاتھ تھامے آگے بڑھتی رہی پھر اُس نے مجھے ایک دروازے کی موجودگی سے باخبر کیا۔ ہم دونوں احتیاط کے ساتھ اس میں سے ہو کر گزرے اور بائیں ہاتھ پر مڑتے ہی ایک دوسرے دروازے میں جا گھسے۔ اس دروازے میں قدم رکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس کمرے میں سفید بالوں والا ایک بے حد نحیف و نزار برہنہ تن بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کا سنا ہوا استخوانی چہرہ میری جانب تھا۔ اُس کے ہڈیوں کے ڈھانچے جیسے بدن سے بے شمار سانپ محبت آمیز انداز میں لپٹے ہوئے تھے کئی وزنی اژدہے اس کی گردن میں زندہ ہاروں کی طرح جھول رہے تھے۔ اس کمرے میں مدھم اور ٹھنڈک آمیز روشنی پھیلی ہوئی تھی جو بوڑھے کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے ایک سانپ کے نیچے دبی ہوئی کسی نظر نہ آنے والی چیز سے پھوٹ رہی تھی۔ اس بوسیدہ کمرے کی دو دیواروں کے ساتھ بہت سے مٹی کے برتنوں کی قطار لگی ہوئی تھی جن میں دودھ بھرا ہوا تھا اور بہت سے سانپ تیزی کے ساتھ وہ دودھ پی رہے تھے!
میں نے خوفزدہ انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لینے کے بعد ایک بار پھر بوڑھے کی جانب دیکھا۔ اس کی دھندلائی ہوئی بے رونق آنکھیں میری ہی طرف لگی ہوئی تھیں۔
"سلطان!" بوڑھے کے منہ سے کانپتی ہوئی کمزور آواز نکلی "میرے بالک! ادھر میرے قریب آ"
میرے قدم غیر ارادی طور پر اس بوڑھے کی طرف اُٹھ گئے۔ ناگ رانی مؤدبانہ انداز میں اسی جگہ ٹھہری رہی۔ میں اس پُراسرار بوڑھے سے بے حد مرعوب اور خائف ہو گیا تھا لیکن خلاف توقع جے سیکا کو وہاں موجود نہ پا کر میرے ذہن میں شکوک و شبہات سر اُبھار رہے تھے۔
"ہٹو بیٹے!" بوڑھے نے اپنے بدن سے لٹکے ہوئے ناگوں اور اژدہوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
وہ سارے ناگ اور اژدھے بل کھا کھا کر پھنکارتے ہوئے اُس کے بدن سے پھسلنے لگے۔ ان کی آوازوں میں دبا دبا احتجاج نمایاں تھا۔ شاید انھیں بوڑھے کی ہدایت اس لئے پسند نہیں آئی تھی کہ اُسنے ایک انسان کی خاطر اپنے رفیقوں کو علیحدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔
پھر بوڑھے نے میرا ہاتھ تھاما اور میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ شاید وہ بوڑھا تیز بخار میں مبتلا تھا کیونکہ اس کی ہتھیلیاں انگاروں کی طرح تپ رہی تھیں۔
"تیری ساری بپتا مجھے معلوم ہے میرے بالک!" بوڑھے نے میرا ہاتھ تھامے تھامے کہا "تیرے دھیان کی شکتی میں بڑا زور ہے جو تو اتنے دُکھ جھیل کر بھی جیون کی خاطر لڑتا رہا۔ میری پرارتھنا ہے کہ بھگوان تیری تپنی تجھ سے ملا دے!"
"شکریہ پُجاری جی!" میں مشکل اتنا ہی کہہ سکا۔
"ناگ رانی تجھے یہاں کام ہی سے لائی ہے۔ اگن ناگ نے تیرے جیون پر دیا کر کے تجھ سے کسی کنواری کے پوتر خون کا بلیدان مانگا تھا۔ اب سمے آ گیا ہے کہ تو اپنا یہ بوجھ اتارے اور اس دکھ سے جان چھڑا لے جو اب روگ بن چلا ہے!" وہ پھر بولا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا!" میں نے آہستہ سے کہا

"ناگ رانی جی!" بوڑھے نے اس بار کوشیلا کو مخاطب کیا۔ "آج ہی کی رات بلیدان دینے کی تیاری کرو۔ یہ ہاری کی کنیائیں بڑی اپاپ اور سُندر ہوتی ہیں اُن میں سے کسی کا پونر خون سلطان جی کو روگ سے چھٹکارا دلائے گا۔"

"جے سیکا شکتی کا اشنان کر کے لوٹ آئے تو میں سلطان جی کو اس کے پاس چھوڑ کر جاؤں گی۔" ناگ رانی نے جواب دیا اور اب پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ وہ تپنے دہ مدقوق بوڑھا ناگ رانی کے لئے محترم اور قابلِ تعظیم تو ضرور ہے لیکن درجے میں اس سے برتر نہیں ہے!

بوڑھے نے آہستگی سے اپنا گرم ہاتھ میرے ہاتھ پر سے ہٹا لیا "سکوڑے سے انتظار کرو۔ جے سیکا اب آتی ہی ہوگی، اُسے میرے دو ناگ جہان شکتیوں کے اشنان کے لئے لے گئے ہیں!"

میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر ناگ رانی کے قریب آ گیا اور دودھ کے پیالوں پر لگے ہوئے سانپ اور اژدہے سمٹ سمٹ کر محبت آمیز عجلت کے ساتھ اس بوڑھے کے بدن پر لپٹنے اور جھولنے لگے۔

"بھوک لگی ہو تو دودھ پی لو!" ناگ رانی نے مٹی کے پیالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا اور میں حیرت سے اُس کا منہ تکنے لگا۔ وہ مجھے ناگوں کا جھوٹا دودھ پینے کی دعوت دے رہی تھی!

"ڈرو نہیں!" وہ میری حیرت پر مسکرا کر بولی "ناگوں کا زہر تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اس سمے یہاں اس دودھ کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا

وہ بوڑھا جسے ناگ رانی نے مہا پجاری کہا تھا، اپنے بدن سے لپٹے ہوئے سانپوں کو سہلا رہا تھا، بار بار وہ دبی دبی آواز میں اُن سے کچھ باتیں بھی کرنے لگتا تھا۔ مجھے ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ مہا پجاری میرا جیسا کوئی انسان ہے یا انسانی رُوپ میں کوئی ناگ ہے!

ناگ رانی کے اشارے نے مجھے ان خیالات سے نجات دلائی اور میں اُس کے ہمراہ ویران انانہ آشرم کے اس پُر ہول کمرے کے ایک گوشے کی طرف بڑھنے لگا۔

اس گوشے میں کسی جانور کی دبیز اور نرم کھال فرش پر بچھی ہوئی تھی۔ میں ناگ رانی کے ہمراہ اس پر بیٹھ گیا۔ اس ماحول

ترکیب

ایک بار کروڑ پتی راک فیلر کے سامنے ایک دوست نے شکایت کی کہ ایک آدمی نے مجھ سے دو ہزار ڈالر قرض لئے تھے اب وہ واپس نہیں کر رہا ہے۔ میرے پاس کوئی رسید بھی نہیں کہ مقدمہ کر سکوں کوئی طریقہ بتائیں کہ میری رقم واپس مل جائے"۔ راک فیلر نے اُس سے کہا "تم ایسا کرو کہ اُسے ایک خط لکھو کہ تم نے مجھ سے جو دس ہزار ڈالر قرض لئے تھے اُسے فوراً واپس کر دو۔"

اُس کے دوست نے اُسے حیرت سے دیکھا اور بولا "اُس نے دس ہزار نہیں دو ہزار ڈالر لئے تھے۔"

"ٹھیک ہے"۔ راک فیلر نے کہا "یہی بات تمہارا قرضدار تمہیں اپنے خط میں لکھ کر بھیجے گا۔ اس طرح تمہارے ہاتھ میں رسید آ جائے گی۔ کیا سمجھے؟" (مراد بلوچ۔ دبئی)

میں مجھے گھٹن ہو رہی تھی، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کہنا اور کرنا چاہیئے۔

جب سکوت کے وہ لمحات بوجھل ہونے لگے تو میں نے ہی زبان کھولی "یہ مہا پجاری کون ہے؟"

"بڑا پہنچا ہوا رشی ہے۔" ناگ رانی مدھم آواز میں بولی "اپنا پورا جیون ناگ ناگنوں کے دھرم کے کھوج میں بتا دیا ہے اور اسی کی خاطر دنیا تیاگ کر یہاں پڑا ہوا ہے۔"

"تو یہ کیا کوئی انسان ہے؟" میں نے تحیّر آمیز آواز میں پوچھا

"ہاں! منش تو ہے اور اسے ایسی شکتیاں بھی پراپت ہو چکی ہیں جن کے زور سے یہ بڑے بڑے ناگوں کو وش کر سکتا ہے پر اسے سانپوں سے پیار ہے۔ یہ انھیں اپنے بچّوں کی طرح پیار کرتا ہے۔ اس کمرے میں جتنے بھی ناگ اور سانپ ہیں سب ایک سے بڑھ کر ایک زہریلا ہے پر دیکھو! یہ بھی کتنے پریم سے اس سے لپٹے پڑے ہیں اور اس کا شریر چاٹ رہے ہیں۔"

"لیکن یہ مہا پجاری کیسے ہو گیا؟" میری حیرت اور بڑھتی جا رہی تھی۔

"اسے اگن ناگ نے درشن دیئے تھے۔ انہیں اس کی ناگوں سے پریم کی ادا بھا گئی تھی۔ اگن ناگ ہمارے دھرم اور سنسار کے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ جب انھوں نے اسے اپنا پجاری بنا لیا تو ہم میں سے کون

اس کے منہ آسکتا ہے۔ یہ شاید پہلا منش ہے جسے ناگوں اور سانپوں سے پاگل پن کی حد تک پریم ہے۔" ناگ رانی نے گہرے عقیدت مندانہ لہجے میں مجھے بتایا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ طاقتور ہے!" میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں حسد کی جھلکیاں پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتی"۔ ناگ رانی کا لہجہ یک بیک افسردہ ہوگیا "میں ناگ بھون کی رانی ہوں اور تم میرا منکا چھین کر مجھے اپنی داسی بنا چکے ہو۔ اس دھرتی پر ناگ راجہ اور اس کی رانیاں ناگ دیوتا کی اوتار ہوتی ہیں۔ مجھے پورا وشواش تو نہیں ہے پر میرا من کہتا ہے کہ اس کی شکتی پر میرا زور چل سکتا ہے...." وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی پھر اچانک چونک کر بولی "پر تمہیں اس بات کا دھیان کیوں آیا؟"

"ایسے ہی!" میں نے لاپروایانہ انداز میں کہا "اب ذرا یہ بتاؤ کہ شکتی کا اشنان کیا ہوتا ہے؟" میں نے اپنی خود اعتمادی لوٹتی محسوس کی۔

"بھارت ورش کے اُتر میں پربتوں کی دھرتی ہے جہاں بادلوں سے اوپر ایک چوٹی ہے جہاں برس کے تین سو پینسٹھ دن برف جمی رہتی ہے۔ وہاں پتھروں کے سینے سے گرم پانی کا ایک جھرنا بہتا ہے جو ہمارے دھرم پتیوں کے کہنے کے مطابق اگن دیوتا نے پتھروں میں اُنگلی گھسا کر بہایا تھا۔ اس جھرنے کے پوتر پانی میں ساری شکتیوں کا پنجوڑ رچا ہوا ہے۔ اس میں نہا کر ناگ دیوتا کے پجاری اپنی آتما اور اپنے من کے روگوں سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ پر وہاں تک کوئی جا نہیں سکتا!" ناگ رانی نے آہستہ اور پُرجوش آواز میں مجھے بتایا

"ناگ دیوتا۔؟ یہ کون ہے؟" میں نے پوچھا

"اگن ناگ کے کئی نام ہیں۔ اسے اگن دیوتا بھی کہتے ہیں اور ناگ دیوتا بھی اسی کا نام ہے۔ وہ سانپوں کی ہر جاتی میں پوجا جاتا ہے بس یوں سمجھو کہ وہ ہمارا بھگوان ہوتا ہے۔" ناگ رانی نے مجھے سمجھایا۔

بے اختیار میری نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب جل منڈل میں اگن پوجا کے دہشتناک اور پُرشکوہ تہوار پر اگن ناگ نے زندہ رُوپ میں شعلوں سے نکل کر میرے بدن کو اپنی سرد زبانوں سے چھوا تھا۔ وہ منظر یاد آتے ہی میرے بدن میں دہشتناک جھرجھری سی دوڑ گئی۔

"جے سیکا اپنی ہتیا کے بعد ساری شکتیاں کھو چکی تھی۔ اگر وہ ابھاگن ہے تو شکتی کے اس اشنان میں جل کر مر جائے گی ورنہ پھر پہلے جیسی ہو کر لوٹے گی۔ اُس کی ساری کھوئی ہوئی شکتیاں اُسے واپس مل جائیں گی"۔ ناگ رانی کا لہجہ اب دوبارہ معمول پر آچکا تھا۔

مہا پجاری اب تھکے ہوئے انداز میں سخت اور کھردری زمین پر لیٹ چکا تھا۔ اس کمرے میں موجود زہریلے ناگ اور وزنی اژدہے اس کے بدن کو اپنے نیچے ڈھانپ چکے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد دھندلائی ہوئی روشنی میں لپٹے ہوئے اس کمرے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے چونک کر گردن گھمائی تو جے سیکا کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اُس کے داہنے بائیں دو سیاہ اور مستعد ناگ بوسیدہ فرش پر رینگ رہے تھے۔ جے سیکا کے جوان اور پُرکشش چہرے پر ناقابل بیان تازگی اور مسرت رچی ہوئی تھی۔ اُس کی بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں وہی چمک کوند رہی تھی جو پہلی مُلاقات میں میرے دل کے نازک تاروں کو چھیڑ گئی تھی۔

"سلطان جی! مجھے میرا کھویا ہوا جیون واپس مل چکا ہے میں تمہارے پاس لوٹ آئی ہوں سلطان جی!" وہ میرے اُٹھنے سے قبل دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ فرطِ مسرت سے اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اس کے ساتھ ساتھ آنے والے دونوں سیاہ ناگ مہا پجاری کی طرف رینگ رہے تھے۔

میں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ جے سیکا کی والہانہ مسرت کا ساتھ دیا۔ اُس کے لب و رخسار کی حلاوتوں میں میں نے کافی عرصے کے بعد گہرا خمار محسوس کیا۔ وہ کئی منٹ تک یوں ہی مجھ سے بغل گیر رہی جب وہ الگ ہوئی اور میں نے اپنے قریب نظر دوڑائی تو ناگ رانی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ وہ میری نئی محبوبہ کا فائدہ اُٹھا کر پُراسرار طریقے پر غائب ہو چکی تھی۔ شاید اگن دیوتا کی بھینٹ کے لئے کسی پاکیزہ دوشیزہ کی تلاش میں!"

برسوں سے ویران پڑے ہوئے اس اناتھ آشرم کے تاریک و پُرہول کمرے میں مجھے دن کے غروب ہونے کا کوئی احساس نہ ہو سکا۔ مہا پجاری فرش پر بے حس و حرکت پڑا سو رہا تھا۔ اُس کا برہنہ بدن سانپوں نے پوری طرح چھپایا ہوا تھا۔ جے سیکا میرے بدن سے لگی ہوئی بیٹھی تھی اور میرے ذہن میں مسلسل یہی خیال سر اُبھارے جا رہا تھا کہ نہ جانے کس لمحے پیٹ کا کربناک درد دوبارہ شروع ہو جائے۔ محض اسی اندیشے کی بنا پر جے سیکا کی مدہوش کن قربت میرے ان خوابیدہ

جذبوں کو بیدار نہ کر سکی جو ہمیشہ مجھے رنگینی اور مستی پر اُبھارا کرتے تھے!

رات میں کسی وقت ناگ رانی لوٹی۔ اس کے چہرے کی چمک بتا رہی تھی کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹی ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر اس وقت شیطانی مسکان لرزاں تھی۔ اُس کے قدموں کی آہٹ پاتے ہی ٹھنڈے اور کھردرے فرش پر مردے کی طرح سویا ہوا مہا پجاری ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔

"بڑے جتن کے بعد پھول سی کومل ایک کنیا ملی ہے۔ اسکے مکھڑے کی معصومیت کہتی ہے کہ وہ پوتر ہے، کسی مرد نے اسے نہیں چھوا ہے میں اسے بے ہوش کر کے یہاں لائی ہوں، وہ آشرم کے اُجاڑ صحن میں پڑی ہوئی ہے!" ناگ رانی نے جلدی جلدی مجھے بتایا۔

"آؤ۔ آج ناگ دیوتا کو میں اپنے ہاتھوں سے خون کا بلیدان دوں گا!" بوڑھا مہا پجاری اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے بدن پہ اب بھی بہت سے لمبے لمبے سانپ جھول رہے تھے جن کے وزن سے بوڑھے کی پتلی پتلی پنڈلیاں بید مجنوں کی طرح لرز رہی تھیں مگر اس کے باوجود وہ محبت کے ساتھ ان سانپوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"بلیدان تم نہیں دو گے پجاری جی!" ناگ رانی نے نرم آواز میں کہا۔

"اوہ۔ تم ٹھیک کہتی ہو" مہا پجاری کو ایک دم یاد آ گیا "یہ کنیا دان سلطان دے گا۔ اُس کے ہاتھوں آج ایک بڑا کام ہونے والا ہے!"

ناگ رانی، مہا پجاری اور جے سیکا کے ساتھ میں اس کمرے سے نکل کر تاریک ہال میں آیا پھر اُس میں ٹھوکریں کھاتا اور ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ فضا میں ایک بار پھر چمگادڑوں کی تیز چیخیں اور پروں کی پھڑپھڑاہٹیں گونج رہی تھیں۔ ہولناک تاریکی میں اُن کی آوازیں عذاب میں مبتلا روحوں کے گریۂ ماتم کا سماں باندھ رہی تھیں۔ میں اس سے پیشتر اجنبی زمینوں پر اس سے زیادہ ڈراؤنے ماحول سے گزر چکا تھا لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ اس وقت خوف و دہشت کے ریلے نے میرے حوصلے اور خود اعتمادی کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دی تھیں۔

خدا خدا کر کے ہم اس ہال سے باہر آئے۔ باہر سرد اور یخ بستہ فضا میں چاند کی غنودہ سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور احاطے میں بے تحاشا اُگے ہوئے جھاڑ جھنکار میں چھپے ہوئے جھینگروں کی جھائیں جھائیں رات کے لامتناہی سناٹے کا سینہ مجروح کر رہی تھی۔

باہر آ کر ناگ رانی یک بیک بوکھلا گئی۔ اس کی بے چین

ہپناٹزم سیکھنے اور سمجھنے کے لیے تین کتابیں

ذاتی ہپناٹزم — قیمت ۵ روپے

ہپناٹزم کے عملی طریقے — قیمت ۶ روپے

ہپناٹزم — ڈاکٹر جی ایم ناز — قیمت: ۳/۵۰ روپے

فردوس پبلی کیشنز E-۷ ناظم آباد، کراچی

انٹرپول کے کارکنان

"انٹرپول" کے کارکن جاسوسی ناولوں اور فلموں کی طرح ڈرامائی انداز اختیار کر کے مجرموں کو گرفتار نہیں کرتے بلکہ جرائم کی تفتیش اور حقائق کے انکشاف کیلئے خاص ماہرین، سُراغرسانی کے جدید ترین سائنسی طریقے اختیار کرتے ہیں اور تحقیق و تفتیش کا بیشتر کام مخصوص تجربہ گاہوں میں انجام دیا جاتا ہے۔ اِس سلسلے میں دنیا کے مشہور ترین مراکز میں امریکی ادارہ ایف بی آئی۔ برطانیہ کا محکمہ سُراغرسانی اسکاٹلینڈ یارڈ اور مغربی جرمنی میں فیڈرل کرمنل پولیس آفس "ویز بیڈن" شامل ہیں۔ "انٹرپول" کے تمام مراکز میں اس قدر حیرت انگیز تعاون اور یکجہتی پائی جاتی ہے کہ اُس کے قیام کے وقت لگایا جانے والا نعرہ اب ایک ناقابلِ تردید حقیقت بن چکا ہے اور وہ نعرہ یہ ہے:

"دنیا میں مجرموں کے چھپنے کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

(نور محمد عبدالغنی۔ کراچی)

نگاہیں احاطے میں کسی چیز کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

"وہ کنیا کہاں ہے رانی جی؟" بوڑھے کی آواز میں تشویش لرزاں تھی۔

"میں یہیں چھوڑ کر گئی تھی۔" ناگ رانی نے پتھروں کے ایک کشادہ چبوترے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ مونگ کی پوٹلی تو پڑی ہوئی ہے، پر وہ غائب ہے!"

"بھاگ نہ گئی ہو!" جے سیکا نے آہستہ سے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔" ناگ رانی جھلائی ہوئی آواز میں بولی "وہ بالکل بے ہوش تھی۔ اتنی سی دیر میں یہاں سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں!"

میں عجیب و غریب خیالات میں ڈوبا کچھ آگے نکل آیا تھا جب خودرو جھاڑیوں کا جنگل راستے میں حائل ہوا تو میں چونک کر پلٹ پڑا۔ اناتھ آشرم کی ویران عمارت یوں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے اپنی سالخوردگی پر ماتم کناں ہو۔

مہا پجاری اب پتھر کے چبوترے پر بیٹھا مونگ کی دال کے گیلے آٹے کو اس برتن میں اچھی طرح گوندھ رہا تھا جس میں وہ بندھا ہوا تھا۔ اسی کپڑے میں نکلنے والی بلے پھل والی چھری اس کے قریب رکھی ہوئی تھی۔

ابھی ناگ رانی اس بے ہوش لڑکی کی پُراسرار گم شدگی پر حیران و پریشان ہی تھی کہ یکایک جے سیکا آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر چیخ پڑی "وہ رہی!"

بے اختیار میری نگاہیں اوپر اُٹھ گئیں۔ فضا میں کئی سو فٹ کی بلندی سے کسی نازک اندام دوشیزہ کا بے جان بدن تیرتا ہوا آہستہ آہستہ ہماری جانب آ رہا تھا۔ اُس کی کھُلی ہوئی سیاہ زلفیں نیچے لہرا رہی تھیں اور بدن کسی تختے کی طرح بالکل سیدھا تھا جیسے کچھ نادیدہ ہاتھوں نے اُسے اُٹھا رکھا ہو۔

ناگ رانی کا چہرہ وفورِ جوش سے سُرخ ہو گیا اور وہ اضطراری طور پر کسی ناگن کی طرح پھنکاریں مارتی زمین پر سجدے میں گر گئی۔ اُس کا بدن بُری طرح مچل رہا تھا اور وہ پوری قوت سے بار بار اپنی پیشانی زمین پر رگڑے جا رہی تھی۔

ادھر بیوہاری سے لائی ہوئی دوشیزہ کا بدن فضا میں تیرتا ہوا آہستہ آہستہ اس چبوترے پر آ ٹکا جہاں ناگ دیوتا یا اگن ناگ کا مہا پجاری مونگ کا آٹا تیار کر رہا تھا۔ لڑکی کا بدن چبوترے پر ٹکتے ہی احاطے کی پُرہول فضا کسی غضبناک اژدہے کی تیز پھنکار سے گونج اٹھی اور میرا دل لرز کر رہ گیا۔

"ناگ دیوتا!" مہا پجاری دونوں ہاتھ جوڑ کر کانپتی ہوئی آواز میں گڑگڑایا اور سجدے میں گر پڑا۔ اس کے بدن سے لپٹے ہوئے تمام سانپ، وہ پُراسرار پھنکار سُن کر سراسیمگی کے عالم میں زمین کی دراڑوں میں گھستے چلے گئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ناگ دیوتا بذاتِ خود اس ویران اناتھ آشرم کے احاطے میں آ چکا ہو!

میں کافی دیر تک ہکا بکا کھڑا رہا۔ میرے کان دوبارہ وہ غضبناک پھنکار سننے کے لئے مستعد تھے۔ جے سیکا دہشت زدہ انداز میں مجھ سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ جب کئی منٹ گزر گئے اور کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا تو ناگ رانی اور مہا پجاری ایک ساتھ زمین سے اُٹھے اُن کے چہروں پر ناقابلِ بیان ہراس سمٹ آیا تھا اور اُن کے بدن خوف سے لرز رہے تھے، اُن کی پھٹی پھٹی نگاہیں سنگی چبوترے پر پڑی ہوئی لڑکی کے غیر متحرک بدن پر جمی ہوئی تھیں جیسے کوئی ڈراؤنا آسیب ہو!

"کوشیلا! یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے وحشت زدہ انداز

میں ناگ رانی سے پوچھا

"انیائے .... انیائے ہے سلطان جی!" وہ پلٹ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ خوف سے اُس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا "ناگ دیوتا اس لڑکی کو یہاں سے اُٹھا کر آکاش پر لے گئے تھے اور وہی اسے واپس لائے ہیں، اُن کی شکتی کہتی ہے کہ اس لڑکی کے بلیدان میں گڑبڑ ہوگی یہ لڑکی پوتر تو ہے پر اس کا خون آسانی سے نہ بہے گا۔ جانے اب کیا ہونے والا ہے!"

میں اِس انکشاف پر سراسیمہ ہوگیا "کیا شیو ناگ سے کوئی خطرہ ہے؟"

ناگ رانی نے اتنے عرصے میں پہلی بار مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھورا "زبان سنبھالو سلطان جی! ناگ دیوتا کا سراپ تمہیں جلا کر راکھ کر دے گا۔ بھلا دیوتاؤں کے سامنے شیو ناگ یا ناگ راجہ کی کیا ہستی ہے یہ کوئی دوسرا ہی چکر ہے!"

"تو کیا یہ بھینٹ نہیں ہوگی"۔ میں نے بے اختیار سوال کیا۔ گو میں ابھی تک خود کو اس خونیں ڈرامے میں ملوث کرنے کے لئے تیار نہیں کر سکا تھا۔ پھر بھی فوری طور پر یہ سوال میری زبان پر آ ہی گیا۔

"ہوگی ۔ اور ابھی ہوگی"۔ وہ اٹل لہجے میں بولی "یہ ناگ دیوتا کی آگیا ہے اور اس کا پالن کرنا ہی ہوگا۔ اس سے آگے ہمارے بھاگوں کا لکھا پورا ہوگا"

پھر ناگ رانی جے سیکا کو ہمراہ لے کر اس بے ہوش لڑکی کے قدموں کی جانب چلی گئی اور جنگلی بیلوں کی مدد سے اس کے پیر باندھنے لگی۔ مجھے مہا پجاری نے لڑکی کے سرہانے بلا لیا۔ اُس کے بدن پر ایک مرتبہ پھر ناگوں کی زندہ اور قد آدم طویل مالائیں رینگنے لگی تھیں جن کی اوٹ میں اس کا سارا بدن چھپ گیا تھا۔

"ناگ دیوتا نے جل منڈل میں تم کو درشن دیئے تھے؟"

بوڑھے نے سرد اور جذبات سے یکسر عاری لہجے میں مجھ سے دریافت کیا۔

"ہاں!" میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"یہ لو!" اُس نے مونگ کی دال کے آٹے کا برتن میرے آگے بڑھا دیا "اگن پوجا کے اس سمے کو یاد کرو جب ناگ دیوتا نے تمہیں درشن دیئے تھے اور اُن کا ویسا ہی پُتلا اس آٹے سے تیار کرو جیسا تم نے اُن کو دیکھا تھا"

"یہ کیسے ممکن ہے!" اُس کے آخری فقرے پر میرے بڑھتے ہوئے ہاتھ رُک گئے "اگن پوجا میں ناگ دیوتا کا آدھا دھڑ تو آگ ہی میں تھا، میں وہ کیسے بناؤں گا۔؟"

بوڑھا مہا پجاری چند ثانیوں کے لئے سوچ میں پڑ گیا پھر اُس نے آنکھیں موند کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدانا شروع کر دیا۔ بند ہوٹوں کے نیچے اُس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی حرکت صاف نظر آ رہی تھی جیسے وہ عالمِ تصور میں کچھ دیکھ رہا ہو۔

"ٹھیک ہے!" مہا پجاری یک بیک آنکھیں کھول کر جھٹکے دار آواز میں بولا "تم اس سمے کا دھیان کر کے ناگ دیوتا کا کنڈلی مارا ہوا پُتلا تیار کرو"

میں کچھ کہے بغیر اس کام میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت میرے دماغ میں خیالات کا ایک طوفان امڈا چلا آ رہا تھا۔ ایک طرف میرے پیٹ کی ناقابلِ بیان اذیت اور آخر کار موت سامنے تھی ۔ اور دوسری جانب ایک بے گناہ اجنبی دوشیزہ کی بھینٹ دے کر اپنی صعوبت سے نجات حاصل کر لینے کا لالچ دعوتِ عمل دے رہا تھا، اس پر مستزاد تازہ ترین ڈراؤنے واقعات تھے۔ لڑکی کے بدن کو میں نے اپنی آنکھوں سے فضا میں اُڑتے دیکھا تھا، کسی اژدہے کی غیض آلود پھنکار میں نے اپنے کانوں سے سُنی تھی اور اب یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ وہ کونسا نامعلوم واقعہ ہے جس کی خبر ناگ دیوتا نے بذاتِ خود دی ہے۔

میں ان ہی خیالات میں اُلجھا بار بار مونگ کی دال کا پُتلا بناتا اور توڑتا رہا۔ ناگ دیوتا کی شکل کسی بھی طرح بننے میں نہیں آ رہی تھی۔ مہا پجاری نے مجھے اگن پوجا کے تہوار کو ذہن میں بٹھانے کی ہدایت کی تھی لیکن میں اپنے ناقابلِ یقین اور لرزہ خیز ماضی کے بارے میں سوچ رہا تھا، مجھے اپنی محبوب اور خوش جمال بیوی ۔ ستارہ شدت سے یاد آ رہی تھی جس کے فراق میں دربدر بھٹکتے مجھے مہینوں گزر چکے تھے اور وہ اب بھی ناگ بھون میں میری منتظر تھی۔ اس کی کوکھ میں میرا بچہ پل رہا تھا، وہ قید میں تھی اور ناگ راجہ روپ بدل بدل کر اُسے فریب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں سب کچھ جانتا تھا مگر ستارہ کی مدد کرنے سے مجبور تھا۔

"سلطان!" مجھے گیارہویں مرتبہ پُتلا توڑتے دیکھ کر مہا پجاری تادیبی لہجے میں بولا "اگر اپنے جیون سے پیار ہے تو اس سمے سب کچھ بھول کر خالی اگن پوجا کا دھیان کرو ورنہ تمہارے شریر میں سوئیوں کے روپ میں گھسنے والے سانپ تمہارے ہر رُوئیں سے جونکوں کی طرح لپٹ کر برس پورا ہونے سے پہلے، بلیدان ہوتے ہی تمہیں مار ڈالیں گے"

مہا پُجاری کے الفاظ تیر کی طرح میرے دل میں چُبھے تکلیف کا خیال آتے ہی میں لرز گیا اور پوری کوشش کر کے اگن پوجا کا منظر یاد کرنے لگا۔ صدقِ دل سے کی ہوئی کوشش آخر کار بار آور ہوئی اور ناگ دیوتا کا پتلا تیار ہو گیا۔ ناگ رانی، جے سیکا کے ساتھ مل کر بے ہوش لڑکی کو مضبوطی کے ساتھ جنگلی بیلوں میں جکڑ چکی تھی۔ مہا پُجاری کی ہدایت پر میں نے مونگ کی دال کا وہ گیلا پُتلا لڑکی کی گردن کے اتنے قریب رکھ دیا کہ اُس کے حلق پر چھری پھرتے ہی زخم سے اُبلنے والا خون ناگ دیوتا کے پُتلے کو غسل دیتا زمین پر گرے۔

پُتلا رکھنے کے بعد میں نے لڑکی کو دیکھا، بڑی معصوم اور نوخیز تھی! خون کی سُرخی اُس کے چہرے کو بھبھوکا بنائے ہوئے تھی۔ اُس کی لمبی لمبی آنکھوں سے بے حجابی ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہی تھی، میں نے گہری نظر سے اُس کے پورے سراپا کا جائزہ لیا اور بے اختیار میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ پھر اگلے ہی ثانئے میں جب مجھے اپنی ناقابلِ برداشت تکلیف یاد آئی تو میری تمام ہمدردی کافور ہو گئی۔

میں چھری ہاتھ میں تھامے ناگ رانی اور جے سیکا کے ہمراہ ایک جانب کھڑا رہا کیونکہ بھینٹ سے قبل ہمیں پُتلا خشک ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ مہا پُجاری لڑکی کے سرہانے اکڑوں بیٹھا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں شاید کچھ مقدّس اشلوک اور جاپ پڑھ رہا تھا۔

چاند دھیمے دھیمے اوپر اُٹھتا رہا، اُس کی روشنی بڑھنے کے بجائے بتدریج پھیکی پڑتی جا رہی تھی۔ شاید آنے والے بھیانک لمحوں کے خوف سے! میرے اعصاب پر بھی اضمحلال چھانے لگا تھا۔ یخ بستہ ہواؤں کی کاٹ اب ہڈیوں تک میں اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔ فضا میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں اپنا خوف آور آہنگ بدل بدل کر لامتناہی تسلسل کے ساتھ گونجے جا رہی تھی۔ مہا پُجاری کے گلے میں زندہ مالاؤں کی طرح جھولتے سیاہ، سفید، چتکبرے اور بھورے سانپ اب بالکل خاموش ہو چکے تھے میرے لئے فضا اور ماحول پر چھایا ہوا یہ تناؤ اس قدر ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا کہ مجھے کسی بھی لمحے اپنی دیوانگی کا اندیشہ ہو چلا تھا۔

آخری بار ناگ رانی نے پُتلے کو چھونے کے بعد مجھے انتظار ختم ہونے کی نوید دی۔ ناگ دیوتا کا پُتلا سوکھ چکا تھا اور اب مجھ سے پتھر پر بے ہوش پڑی ہوئی دوشیزہ کے پاکیزہ خون کی بھینٹ طلب کر رہا تھا۔ میں آگے بڑھا تو میری آنکھوں کے سامنے تاریکی کے گھٹتے بڑھتے گنجان دائرے رقص کر رہے تھے۔ ہواؤں کی یخ بستگی یک بیک بہت زیادہ بڑھی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

ناگ رانی دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر آنکھیں موندے اس لڑکی کی داہنی جانب کھڑی ہو گئی، جے سیکا اسی طرح بائیں طرف جا کھڑی ہوئی۔ میں مہا پُجاری کی ہدایت پر لڑکی کے سرہانے جا بیٹھا ناگ رانی اور جے سیکا کے گمبھیر چہرے میری ہی جانب تھے۔

مہا پُجاری نے مجھے بیٹھنے کا ایک خاص آسن بتایا جسے میں بڑی مشکل سے اختیار کر سکا پھر میں نے داہنے ہاتھ میں تیز دھار اور لمبے پھل والی چھری تھام کر بائیں ہاتھ سے لڑکی کی پیشانی مضبوطی سے تھام لی۔ اسی حالت میں مہا پُجاری نے مجھے کچھ اجنبی بول پڑھائے وہ نامانوس زبان میں چند لفظ کہتا تھا جنھیں میں سوچے سمجھے بغیر دہرا دیتا تھا۔ اس وقت نہ جانے کیوں میرا دل پانی پانی ہوا جا رہا تھا، میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آنے والا ہے۔ میں نے ذہن پر بڑا زور دیا لیکن کچھ نہ سمجھ سکا۔ ابھی تک حالات بالکل سازگار تھے اور کسی قسم کے غیر متوقع واقعے کا کوئی سبب نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اب من میں ناگ دیوتا کو یاد کر کے اس کنیا کے گلے پر چھری پھیر دو!" بوڑھے مہا پُجاری کی سرد اور بے رحمانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میرا دل پوری شدّت سے دھڑکا اور میرا کانپتا ہوا داہنا ہاتھ، جس میں چھری دبی ہوئی تھی، لڑکی کے نازک گلے کی طرف بڑھنے لگا

عین اُس وقت جبکہ میں لڑکی کو ذبح کرنے والا تھا فضا میں ایک کڑکدار آواز گونجی "ٹھہر جا نابکار!"

اس آواز میں قہر کی وہ جھنکار تھی کہ چھری میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اور میں ہذیانی انداز میں چیخیں مارتا چبوترے سے اُتر پڑا ناگ رانی، جے سیکا اور مہا پُجاری کی حالت بھی بگڑ چکی تھی۔ ان کے سوا وہاں اور کوئی ایسا نہیں تھا جس پر للکارنے کا شبہ کیا جا سکے!

اچانک میری نگاہ خودرو جھاڑیوں پر پڑی۔ چاند کی یرقان زدہ، غنودہ روشنی میں ایک ناقابلِ شناخت انسانی ہیولا تیزی سے ہماری جانب چلا آ رہا تھا۔

ناگ بھون کے ابھی بہت سے
واقعات باقی ہیں ـــــ
ـــــ آئندہ ماہ پڑھیے

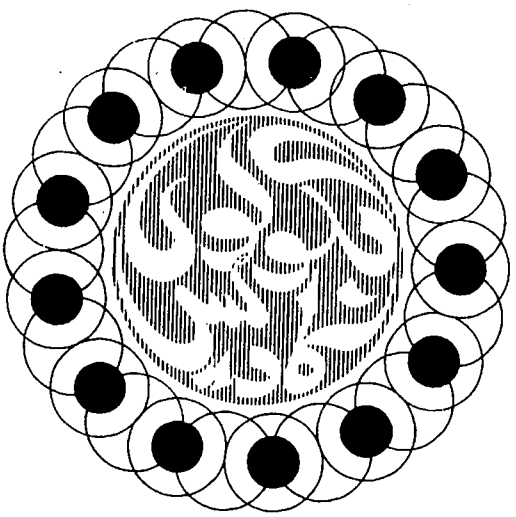

سرورق کی پہلی کہانی

عشرت ندیم

تباہ شدہ

جہاز کے تختے سے لپٹا ہوا مسافر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا، اسے کوئی چھتیس گھنٹے

قبل اُس کے علاوہ پورے ساڑھے تین سو مسافر اس بدنصیب جہاز پر سفر کر رہے تھے جو گہرے اور نیلے پانی میں مصر کی بندرگاہ کی طرف رواں دواں تھا۔ اُس وقت کسی نے بھول کر بھی نہیں سوچا تھا کہ کچھ دیر بعد ہی "نیل" کے بالکل قریب پہنچ کر ایک ہولناک طوفان جہاز کو آلے گا طوفان کے شدید اور خوفناک تھپیڑے اُسے سمندر میں پھیلی ہوئی خطرناک چٹانوں سے ٹکرا دیں گے اور موت اُن پر اس طرح جھپٹ پڑے گی، جس طرح شاہین اپنے شکار پر حملہ آور ہوتا ہے۔

اس روح فرسا حادثے کو گزرے ہوئے پورے چھتیس گھنٹے گزر چکے تھے لیکن مسافر کی آنکھیں اس وقت بھی تباہ ہوتے ہوئے جہاز کو دیکھ رہی تھیں، بپھری ہوئی کوہ پیکر موجیں بار بار ڈوبتے ہوئے جہاز کے عرشے سے ٹکرا رہی تھیں، طوفان کا بھیانک شور اور خوفزدہ اور بدحواس مسافروں کی دلخراش چیخیں۔ قیامت کا سماں تھا، شوہروں کو بیویوں کی پرواہ تھی اور نہ ماؤں کو شیر خوار بچوں کی۔ وفا، محبت، اور ایثار کا نقاب جہاز پر موجود ہر شخص کے چہرے سے اتر چکا تھا، انسان ننگا ہو چکا تھا اور اس کی فطری خود غرضی، ہر قسم کا لبادہ اتار کر بالکل برہنہ رقص پیش کر رہی تھی! کمزور طاقتوروں کے قدموں تلے دب کر بلبلا رہے تھے، بچے خوفزدہ انداز میں اپنے سرپرستوں کو تلاش کر رہے تھے اور عورتوں کی آہ و فغاں اپنے عروج کو پہنچ رہی تھی۔ مسافر کے کان ان ساری آوازوں کو سن رہے تھے اور اس کی آنکھیں ان گنت افراد کو خوف، گھبراہٹ، اور بدحواسی کے عالم میں موت کے منہ میں چھلانگیں لگاتے دیکھ رہی تھیں لوگ آنکھیں بند کر کے لائف بوٹس پر چھلانگیں لگا رہے تھے، کشتیاں الٹ رہی تھیں اور غیر متوازن کشتیوں سے گرنے والے افراد کو طوفان کے تھپیڑے اس طرح بار بار اچھال رہے تھے، جیسے وہ جیتے جاگتے اور بھاری بھرکم انسانوں کے بجائے، بے جان اور حقیر تنکے ہوں۔

چند لمحے بعد اس نے اپنے آپ کو سمندر میں چھلانگ لگاتے دیکھا اور اب اس کی آنکھیں اپنے آپ کو سمندر کی طوفانی موجوں کے رحم وکرم پر دیکھ رہی تھیں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور موت کا ظالم اور بے رحم ہاتھ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ شہ رگ سے قریب تر ہوتا نظر آ رہا تھا اپنی دانست میں اس نے آخری مرتبہ خلوص دل کیساتھ اپنے رب کو یاد کیا اور کسی بھی قسم کی جدوجہد یکسر ترک کر دی۔

اب وہ مرنے کیلئے بالکل تیار تھا مگر انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک اپنی سانسیں پوری نہ کرلے، چنانچہ غرق ہوتے ہوئے جہاز کا ایک تختہ ایک بڑی اور طاقتور لہر کی گود میں بیٹھ کر خود بخود اس کے قریب پہنچ گیا اور اس نے اسے مضبوطی کے ساتھ اس پر اپنی گرفت قائم کر لی جیسے وہ حقیر تختہ ہی اس کی متاع حیات رہا ہو!

اس کے بعد کیا ہوا اسے ذرا بھی یاد نہیں، ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو نیلے سمندر کے رحم وکرم پر پایا تھا اور اس کی کلائی پر بندھی ہوئی آٹومیٹک اور واٹر پروف گھڑی کے اعتبار سے اس حادثے کو گزرے ہوئے پورے بائیس گھنٹے گزر چکے تھے۔

وہ کچھ زیادہ باہمت اور مضبوط اعصاب کا مالک نہیں تھا۔ گزرے ہوئے سانحے کو یاد کر کے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور تختہ ہوا کے اشارے پر آہستہ آہستہ نیلے پانی پر بہتا رہا۔ کئی گھنٹے گزر گئے، ہوا کے جھونکوں میں شدت پیدا ہونے لگی۔ اور اسی مناسبت سے تختے کے بہنے کی رفتار میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دور دور تک تیز اور چمکدار دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور جسم کو تکلیف دہ تپش کا احساس ہو رہا تھا۔ مسافر کی حالت قابل رحم تھی تختے سے لپٹے لپٹے اس کا چہرہ بالکل ستُ گیا تھا۔ جبڑوں کی ہڈیاں کسی حد تک ابھر آئی تھیں اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے، بھوک پیاس کے مارے اس کا برا حال تھا پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتارنے کی کوشش کی تھی مگر سمندر کے اس کڑوے پانی کو اس کے حلق نے قبول کرنے سے فوراً ہی انکار کر دیا تھا۔

تختہ سمندر کے رحم وکرم پر اپنا سفر طے کرتا رہا.... ! دور۔ ساحل پر ریت کے اونچے ٹیلے نظر آ رہے تھے اور کسی تازہ دم تیراک کیلئے ان تک پہنچنا کوئی بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہو سکتا تھا لیکن مسافر کے لئے تو اس قسم کا تصور بھی ناممکنات میں سے تھا، نقاہت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ آنکھیں کھلی رکھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ ایسے میں کوئی کوشش کی بھی جاتی تو کس طرح؟

وہ دل ہی دل میں ہوا کا رخ تبدیل ہونے کی دعائیں مانگنے لگا۔ اب تک ہوا سمندر کے بہاؤ کے متوازی چلتی رہی تھی لیکن اس کا رخ اگر بدل جاتا، اگر وہ ساحل کی طرف چلنے لگتی تو وہ ضرور خشکی پر پہنچ جاتا اور پھر شاید اس کی جان بھی بچ جاتی۔

وہ دل کی تمام گہرائیوں سے اپنے رب کو پکارتا رہا، دوپہر ہو گئی، تیسرا پہر گزر گیا اور پھر شام کے سائے فضا میں اتر آئے، اور تب۔ اچانک ہوا کا رخ بالکل غیر محسوس طور پر تبدیل ہو گیا تھا اور خشکی بڑی آہستگی کے ساتھ قریب ہوتی جا رہی تھی۔

مسافر کے مایوس اور نیم مردہ چہرے پر زندگی بحال ہونے لگی آنکھوں کے بجھتے ہوئے دیپ ایک دفعہ پھر ٹمٹمانے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی روشنی میں اضافہ ہوتے لگا خوشی کے مارے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا اور اس کی ہر سانس اپنے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد فضا میں تیرتا ہوا اندھیرا گہرا ہو گیا اور آسمان پر ستاروں کے چراغ روشن ہو گئے ساحل اب بالکل قریب آ چکا تھا اور

ہوا اگر اسی طرح چلتی رہتی اور تختے کا سفر اسی طرح جاری رہتا تو بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد ہی اسکے قدم ساحل کی ریت کو چھو لیتے ... اُسے ایسا لگا جیسے اسکے جسم میں نئی توانائی بیدار ہونے لگی ہو.... دھندلی اور ویران آنکھوں میں زندگی کی تیز چمک جاگ اُٹھی اور چہرے پر مسرتوں کے سائے لہرانے لگے۔

تختہ اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ بتدریج ساحل سے قریب ہوتا جا رہا تھا' لمحات گزرتے رہے ساحل قریب تر ہوتا گیا۔

مسافر اگر کم ہمت اور کمزور اعصاب کا مالک ہوتا تو شاید اُس نے جسمانی نقاہت کی پرواہ کئے بغیر سمندر میں چھلانگ لگا دی ہوتی مگر وہ بیٹھا رہا اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک تختے نے آگے بڑھنے سے انکار نہ کر دیا۔

اور اب ساحل محض چند قدم کے فاصلے پر تھا' اپنی تمام تر ہمت اور قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے وہ اُٹھا اور پایاب پانی سے گزرتا ہوا ریت پر پہنچ گیا' اب اسکی پشت پر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نیلا سمندر تھا اور سامنے دور تک پھیلے ہوئے ریت کے اونچے ٹیلوں اور خودرو جھاڑیوں کے دوسری طرف کچھ فاصلے پر کسی آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے چاند کی روشنی میں مکانوں کے دھندلے اور ملگجے سائے دیکھ کر اس کا حوصلہ پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہو گیا۔ اور اس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی حرارت دوڑ گئی ۔ اور اب وہ اپنی ساری نقاہت اور تکلیفیں بھول کر ایک نئے عزم اور نئے ارادے کے ساتھ آبادی کی طرف قدم اُٹھا رہا تھا' اُسے اُمید تھی کہ بستی کا کوئی نہ کوئی فرد اُسے پناہ دینے پر آمادہ ہو جائے گا اور پھر وہاں سے روانگی کی بھی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔

ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کا سلسلہ بستی کے قریب تک پھیلا ہوا تھا' اس سے پہلے کہ وہ ان ٹیلوں سے گزر کر بستی میں داخل ہوتا' چاند کی روشنی میں اُسے ایک سایہ سا نظر آیا اور اس کے قدم خود بخود اسکی طرف اُٹھنے لگے' سائے نے بھی یقیناً اُسے دیکھ لیا تھا کیونکہ اب وہ آگے بڑھنے کے بجائے رُک گیا تھا اور اُس کی نگاہیں مسافر پر ہی مرکوز تھیں۔

قریب پہنچنے پر وہ ایک لڑکی ثابت ہوئی۔ ایک جوان اور بیحد خوبصورت لڑکی جو مسرت اور تعجب سے اُس کو دیکھ رہی تھی۔

مسافر اُس کے سامنے پہنچکر رُک گیا اور لڑکی اُسے سر سے پاؤں تک دلچسپ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "کون ہو تم ؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو ؟"

نوجوان مسافر شدید ذہنی اور جسمانی تھکن اور پژمردگی کے باوجود آہستہ سے چونک پڑا' کچھ عجیب سی پھٹی پھٹی اور سپاٹ آواز تھی اُس کی' اُس کی من موہنی صورت اور رعنائیوں سے بھرپور جسم سے قطعی مختلف' اگر وہ لڑکی وہاں تنہا نہ ہوتی تو وہ کبھی یقین نہ کرتا کہ وہ بھدی اور پھٹی ہوئی آواز اُسی کے یاقوتی ہونٹوں سے نکلی ہو گی۔

لیکن وہ وقت اُس کی آواز پر غور کرنیکا نہیں تھا' تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ "میں ایک تباہ شدہ جہاز کا مسافر ہوں۔"

اور پھر اس نے مختصر طور پر سب کچھ اس خوبصورت لڑکی کے گوش گزار کر دیا۔

لڑکی بڑی دلچسپی اور انہماک سے اس کی گفتگو سُن رہی تھی۔

اس کے خاموش ہونے پر بولی:

"مجھے تم سے ہمدردی ہے' تمہارا نام کیا ہے ؟"

"رضوان !" نوجوان نے جواب دیا۔ "ایک چھوٹا موٹا تاجر ہوں تجارت کی غرض سے مصر جا رہا تھا' یہ کونسی جگہ ہے ؟"

"مصر ہی کا علاقہ ہے ۔ آؤ ! تم بہت زیادہ پریشان' اور مضمحل ہو' تمہیں آرام کی ضرورت ہے !"

رضوان اُس کا شکریہ ادا کر کے اُسکے ساتھ بستی کی طرف چلنے لگا۔ مکانات اب بالکل صاف طور پر نظر آ رہے تھے لیکن کسی متنفس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا ایسا لگتا تھا جیسے اس بستی کے سارے افراد سرِ شام ہی اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جانیکے عادی ہوں۔ غالباً کوئی ایک فرد بھی رات کے وقت گھر سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ جانے کیوں !!

رضوان اس ویرانی اور سناٹے پر لڑکی کے سامنے حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہا۔

"اوہ ! تمہیں اس بارے میں پریشان ہونیکی ضرورت نہیں' یہ سیدھے سادے دیہاتیوں کی آبادی ہے' یہاں لوگ سرِ شام ہی گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے نہ جانے کیوں یہ سناٹا کچھ غیر فطری سا لگ رہا ہے !"

لڑکی آہستہ سے ہنس پڑی' اتنی دیر میں وہ پہلی مرتبہ ہنسی تھی اور پہلی مرتبہ رضوان کو احساس ہوا' کہ اس کی ہنسی اُس کی آواز سے کچھ زیادہ ہی سپاٹ اور کھوکھلی تھی کھوکھلی اور غیر فطری ! کوشش کے باوجود وہ اس ہنسی میں زندگی کا کوئی عنصر تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

لڑکی اب دلچسپ نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھ رہی تھی۔
چند لمحے بعد بولی۔ "تم مجھے کوئی توہم پرست نوجوان معلوم ہوتے ہو اگر بستی میں سناٹا ہے تو اس میں غیر فطری پن کہاں سے گھس آیا؟"

"شاید میں نے غلط کہا ہو، مگر نہ جانے کیوں.... کچھ ایسا لگتا ہے، جیسے .... جیسے میرے قدم کسی بستی کے بجائے کسی قبرستان کی سمت اُٹھ رہے ہوں۔ شاید میرے اعصاب بہت زیادہ مضمحل ہو رہے ہیں۔"

"سو فیصدی یہی بات ہے۔" لڑکی مسکرائی اور رضوان کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُسکی آواز اور اُسکی ہنسی کی طرح اُسکی مسکراہٹ بھی غیر فطری ہو ــــ زندگی اور اُسکی رعنائیوں سے یکسر محروم ــــ گویا وہ کوئی جیتی جاگتی لڑکی کے بجائے کوئی خوبصورت ممی رہی ہو۔

"کوئی حنوط شدہ لاش اگر کبھی مسکرانے لگے تو اُسکی مسکراہٹ اس خوبصورت لڑکی کی مسکراہٹ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔" رضوان نے دل ہی دل میں سوچا اور خوف کی ایک سرد لہر اس کے سراپا میں دوڑ گئی۔

کچھ فاصلے پر چاندنی میں پتھر کا ایک بہت بڑا مجسمہ نظر آرہا تھا۔ غالباً فراعنۂ مصر میں سے کسی کا تھا تاہم رضوان اس کے بارے میں لڑکی سے پوچھے بغیر نہیں رہا۔

"اوہ! یہ مصر کے سب سے عظیم اور طاقتور فرعون رامیسس کا مجسمہ ہے، صدیاں گزریں، یہاں اسکے نام کی مالا جپی جاتی تھی مگر وقت کے ہاتھوں سب کچھ تباہ ہوگیا۔ نہ عظیم اور پُراسرار معبد ہے اور نہ اس دور کی کوئی اور یادگار، صرف یہی ایک مجسمہ رہ گیا ہے .... سو نہ جانے یہ بھی کب مٹ جائے!"

رضوان خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد وہ بستی میں داخل ہوئے، مگر ایسا ہی لگتا تھا جیسے اُسے آثار قدیمہ والوں نے دریافت کیا ہو، کوئی ایک مکان بھی تو صحیح سالم نظر نہیں آرہا تھا اکثریت ایسے مکانوں کی تھی جو مکانوں سے زیادہ مکانوں کے کھنڈر معلوم ہوتے تھے اجاڑ اور سنسان کھنڈر جن میں شاید کوئی متنفس موجود نہیں تھا یا جیسے ان کھنڈروں میں رہنے والوں کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایسے ہی ایک مکان میں داخل ہوئے وسیع و عریض عمارت بالکل سنسان اور اُجاڑ پڑی تھی لڑکی نے ایک کمرے میں پہنچکر روشنی کی اور زرد اور کپکپاتی روشنی میں وہ کمرہ رضوان کو پہلے سے کچھ زیادہ ہی پُراسرار نظر آیا۔

"کیا اس گھر میں تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں رہتا؟" اُسنے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں حیرت کے علاوہ خوف اور پریشانی کا ہلکا سا ملا جُلا تاثر پوشیدہ تھا۔

لڑکی نے ذرا چونک کر بغور اس کی طرف دیکھا پھر مسکراتی ہوئی بولی۔ "میں یہاں تنہا ہی رہتی ہوں لیکن تمہیں پریشان ہونیکی ضرورت نہیں، اطمینان کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو۔"

"شکریہ۔ مگر میرا خیال ہے کہ اس بستی کے دوسرے افراد ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کی خلوت میں کسی اجنبی مرد کی موجودگی کو قطعاً پسند نہیں کریں گے۔"

"اوہ! تم اس کی فکر مت کرو، یہاں کوئی کسی کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اچھا تم کچھ دیر آرام کرو میں تمہارے کھانے پینے کا انتظام کرتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور رضوان کا جواب سننے سے پہلے ہی دروازے سے باہر نکل گئی۔

رضوان چند لمحوں تک پتھر کے بُت کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے چھٹی حس اُسے بار بار وہاں سے فرار ہونے پر اُکسا رہی تھی مگر وہ جاتا تو کہاں اور کس طرح، اس کا جسم بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اور اعصاب شل ہو چکے تھے بھوک اور پیاس نے اس حد تک نقاہت اور ضعف میں مبتلا کر دیا تھا کہ چند قدم چلنے کی ہمت بھی نہیں تھی، پھر سرزمین مصر کا وہ علاقہ بھی اسکے لئے ان دیکھا اور انجانا تھا اور وہاں بسنے والے کسی فرد سے معمولی سی شناسائی بھی نہیں تھی، ایسے میں وہ کہاں جاتا کس کا دروازہ کھٹکھٹاتا اور کس سے پناہ کی درخواست کرتا؟ ــــ لے دے کر وہی ایک لڑکی تھی مگر نہ جانے کیوں وہ اُسے مجید پُراسرار اور عجیب نظر آرہی تھی!!! اگرچہ اُسے حُسن و جوانی کی حسین ترین تصویر کہا جا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود رضوان اُس سے کچھ خوف زدہ سا تھا اُس کی آواز بھٹی ہوئی اور بالکل سپاٹ تھی اسکے قہقہے کھوکھلے اور بیجان تھے اور جب وہ مسکراتی تھی تو ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی خوبصورت ممی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی ہو، ایک ایسی مسکراہٹ جو خوبصورت ہونے کے باوجود بیحد سرد بے حد ہولناک اور دل کو سہما دینے والی تھی، رضوان ان نوجوانوں میں سے تھا، جو ان اور خوبصورت عورتیں جن کی سب سے بڑی

کمزوری ہوتی ہیں۔ اس لڑکی کو دیکھ کر وہ مسرور ہوئے بغیر نہیں رہا تھا مگر اس کی آواز، اس کے قہقہے سن کر اس کے سارے جوش اور مسرت پر جیسے اوس پڑ گئی تھی، اب وہ اس کے تصور سے بھی دور بھاگنا چاہتا تھا لیکن بھاگ کر کہاں جاتا؟

لڑکی اُسے اس ویران اُجاڑ اور کھنڈر نما عمارت میں تنہا چھوڑ کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنے چلی گئی تھی اور رضوان سوچ رہا تھا کہ اُسے اس کی واپسی سے پہلے ہی اس سنسان اور پُرہول کھنڈر سے باہر نکل جانا چاہئے کپکپاتی ہوئی زرد روشنی میں اُس کمرے کی دیواریں اتنی ہی ہولناک نظر آ رہی تھیں کہ اُسے اپنا دم رُکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا کہیں قریب سے ہی کسی جوان عورت کی ایک تیز اور دلخراش چیخ کی آواز بلند ہوئی تھی رضوان کو ایسا ہی لگا جیسے چیخنے والی کو بڑی بے دردی کے ساتھ ذبح کیا جا رہا ہو! اس کا دل یکبارگی اچھل کر اس کے حلق میں آ گیا اور جسم کے سارے رونگٹے بیک وقت کھڑے ہو گئے تاہم وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہا کہ کوئی جوان اور مجبور عورت کہیں قریب ہی ظلم و زندگی کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے اور یہ کہ اُسے عورت کو بچانے کی کوشش کرنا چاہیے ــــ یکایک دوسری مرتبہ چیخ کی آواز سنائی دی، اس مرتبہ وہ پہلے سے زیادہ بلند اور دلخراش تھی مگر ایک بات اُدھی جسے وہ بحد پریشان، اور خوفزدہ ہونے کے باوجود محسوس کئے بغیر نہیں رہا... چیخ کی آواز میں کرب اور اذیت کے ساتھ ہی ایک اور عنصر بھی تھا۔ ایک غیر انسانی عنصر ــ جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے اور محسوس کرنے کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ کسی لاش کی چیخ کی آواز سن چکے ہوں۔

خوف کی ایک تیز لہر رضوان کے سارے جسم میں دوڑ گئی اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سفید تھا آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں اور حلق میں گویا کانٹے نکل آئے تھے۔

چیخ کی تیسری آواز نے اُسے ایک بہت بڑی الجھن میں مبتلا کر دیا اگرچہ اس میں تھوڑی دور چلنے کی ہمت بھی نہیں تھی لیکن اس کا ضمیر اُسے برابر اس کھنڈر سے نکل کر مجبور اور مظلوم عورت کی مدد اور حمایت پر اُکسا رہا تھا اس کے برعکس دل میں ایک خوف بسا ہوا تھا اور عقل برابر اُسے عورت کی مدد سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چند ساعت ضمیر و عقل کی اس کشمکش کا سلسلہ جاری رہا.... پھر عورت کی چوتھی چیخ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اسکے ساتھ ہی ضمیر عقل پر غالب آ گیا۔

خوفزدہ دل و دماغ اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ وہ

کل کیا ہوگا؟
کیا آپ جانتے ہیں؟
کیا آپ جاننا چاہتے ہیں؟
پُراسرار
لکیریں
ایکو بتائیں گی
کل کیا ہوگا
آپ کے ماضی، حال اور
مستقبل کا آئینہ!
ڈاکٹر ایم اے قریشی
شائع ہوگیا ہے،
احباب ادب
۵/E اے ناظم آباد۔ کراچی

اس کھنڈر نما مکان سے باہر نکلا اور سامنے بنے ہوئے ایک دوسرے کھنڈر کی طرف بڑھ گیا اسکے خیال کے مطابق چیخ کی وہ بھیانک اور دلخراش آوازیں اسی شکستہ عمارت سے بلند ہو رہی تھیں مگر یہ دیکھ کر وہ متحیر ہوئے بغیر نہ رہا کہ گھروں کے باہر اس وقت بھی مکمل سناٹا، اور ویرانی تھی، جیسے وہ ساری ٹوٹی پھوٹی عمارتیں بالکل خالی ہوں جیسے اُن کے مکینوں تک وہ چیخیں پہنچ ہی نہ رہی ہوں.... یا جیسے سچ مچ ایک عمارت کے مکین دوسری عمارت کے مکینوں کے معاملات سے کوئی معمولی سی دلچسپی بھی نہ رکھتے ہوں، بہر حال دلچسپی کا یہ فقدان اور یہ لاتعلقی کچھ کم معنی خیز، عجیب اور پُراسرار نہیں تھی، رضوان سوچے بغیر نہیں رہا کہ وہ بستی شاید بالکل ہی بے حس، بے ضمیر اور خود غرض افراد کی آماجگاہ تھی اور کسی ایسی بستی کا وجود اس دُنیا میں کسی عجوبہ سے کم حیرت انگیز نہیں ہو سکتا۔

ایک لمحے کیلئے رضوان یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ کہیں اُسکا خیال غلط نہ ہو اور وہ چیخیں کسی اور ہی عمارت میں سے بلند ہو رہی ہوں مگر اسی لمحے چیخ کی پانچویں آواز نے اسکے پچھلے خیال کی تصدیق کر دی، وہ چیخیں یقیناً اسی عمارت سے سُنائی دے رہی تھیں، اسی عمارت میں کسی کمزور اور بے بس عورت کو ذبح کیا جا رہا تھا یا اُسے ناقابل بیان اذیت دی جا رہی تھی۔

رضوان کچھ سوچے سمجھے بغیر اندر داخل ہو گیا اس وقت اسکے ذہن میں بس ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ چیختی اور تڑپتی ہوئی عورت کو فوری مدد کی ضرورت ہے اور اُسے بلا تاخیر اس کی مدد کو پہنچنا چاہیئے۔

وہ آگے بڑھا ـــــ !

پوری عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور صرف ایک شکستہ کمرہ ایسا تھا جس میں سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی رضوان اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دروازے کے سامنے پہنچکر چیخ کی چھٹی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ کواڑ کھولکر اندر داخل ہو گیا۔ مگر پھر ایسا ہی لگا تھا جیسے اسکے قدم کمرے کے فرش سے چپک کر رہ گئے ہوں، وہ منظر جو اس وقت اُس کی آنکھوں نے دیکھا کچھ اتنا ہی لرزہ خیز اور روح فرسا تھا، اسکے سامنے ہی کمرے کے ایک گوشے میں ایک بیحد خوبصورت اور جوان لڑکی ایک چوبی شکنجے میں پھنسی نظر آ رہی تھی۔ اسکے چہرے سے درد و کرب کا زبردست اظہار ہو رہا تھا اور آنکھوں میں اذیت اور خوف کے ملے جُلے سائے لہرا رہے تھے شکنجے کے قریب ہی آتش دان میں آگ دہک رہی تھی، اور ایک دھیڑ عمر، مضبوط، صحتمند اور سفاک شخص انگارے کی طرح سُرخ سلاخ لئے ایسے انداز میں لڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے اس کے حسین اور جوان جسم کی چربی پگھلا دینے کا ارادہ رکھتا ہو!

دروازہ کھلنے کی پُرشور آواز سن کر بوڑھے نے پھُرتی کے ساتھ گھوم کر رضوان کی طرف دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے رضوان کو ایسا لگا جیسے اُسکے جسم میں خون کی آخری بوند بھی خشک ہو گئی ہو۔ اُف اوہ! آنکھیں ـــ! سرد اور سفاک آنکھیں جن میں کسی سانپ کی آنکھوں کی سی تیز اور خوفناک چمک لہرا رہی تھی، اُسکے منحوس اور شیطانی چہرے پر درندگی رقص کر رہی تھی اور اسکے مکروہ ہونٹوں پر ایک عجیب سا ہولناک اور پُراسرار تبسم کھیل رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اُسے اپنی سانپ کی سی چمکدار آنکھوں سے گھورتا رہا... پھر عجیب سی پھٹی پھٹی خوفناک اور غیر انسانی آواز میں بولا۔ ”آؤ نوجوان! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں“

خوف کی ایک تیز اور سرد لہر نے رضوان کا رہا سہا حوصلہ بھی پست کر دیا، پتہ نہیں اسکے منحوس چہرے میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ وہ ایک انسان ہونے کے باوجود کسی انسان سے بڑی حد تک مختلف نظر آ رہا تھا۔ اُسکی آواز سو فیصدی غیر انسانی اور کھوکھلی تھی رضوان کی میزبان لڑکی کی آواز کی طرح!... اور.... اور شکنجے میں جکڑی ہوئی لڑکی کی چیخوں نے بھی کچھ ایسا ہی تاثر دیا تھا۔ خوف کی شدت سے اُسکے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

بوڑھے نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو دوبارہ بولا۔ ”آگے آؤ نوجوان! میں تمہیں ایک مرتبہ پھر خوش آمدید کہتا ہوں! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔“

رضوان اس آواز کو سُن کر ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔

”مم.... میرا انتظار!“ اُس کے ہونٹوں سے بمشکل بھرائی ہوئی اور خوفزدہ آواز نکلی۔

”ہاں۔“ بوڑھا مسکرایا۔ ”مجھے یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔ تمہیں آنا ہی چاہیئے تھا میرے دوست!“

اور اتنا سن کر رضوان کے رہے سہے ہوش بھی اُڑ گئے، خوف و دہشت کے جذبات اس حد تک اسکے دل و دماغ پر حاوی آ گئے کہ اسکے لئے وہاں کھڑا رہنا ناممکنات میں سے ہو گیا ایک نظر اُسنے شکنجے میں جکڑی ہوئی لڑکی پر ڈالی جس کی چیخوں کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا تھا۔ اور جسکے سُرخ ہونٹوں پر اس وقت ایک عجیب سی پُراسرار اور شیطانی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی ـــ اور اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھولکر باہر نکل گیا۔

"اے!" اُس نے باہر کی جانب بھاگتے ہوئے پُشت کی طرف سے بوڑھے کی کھوکھلی اور غیر انسانی آواز سُنی۔ "تم کہاں جا رہے نوجوان! رُک جاؤ میرے دوست! ٹھہر جاؤ!"

پھر ایسا ہی لگا تھا جیسے کمرے کا دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلا ہو ـــــ اس کے فوراً بعد اُس نے ایسی آوازیں سُنیں جیسے کوئی تیزی کے ساتھ اُس کا تعاقب کر رہا ہو، رضوان کو ایسا محسوس ہوا گویا اُسکی ٹانگیں اب ایک قدم آگے بڑھنے کے قابل بھی نہ رہی ہوں، اُس نے اپنے عقب میں نظریں دوڑائیں اور اگلے ہی لمحے اُس کا دل ایک مرتبہ پھر اُچھل کر اس کے حلق میں آ گیا۔ وہی شیطان صفت انسان لوہے کی دمکتی ہوئی سلاخ تھامے تیزی کے ساتھ اُسکے پیچھے دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔

رضوان نے کمزور اور کپکپاتی ہوئی ٹانگوں کو سنبھالنے کی ایک آخری کوشش کی، پھر اپنے مقصد میں ناکام ہو کر لڑکھڑاتا ہوا عمارت کے صدر دروازے کے قریب ہی زمین پر لڑھک گیا۔

بوڑھا بدستور تیزی کے ساتھ دوڑتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی، اس کے حلق سے ہولناک اور غیر انسانی آوازیں نکل رہی تھیں۔ "رُک جاؤ میرے دوست! سنو تو سہی، تم کہاں جا رہے ہو، اس فاحشہ کے پاس تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ وہ چڑیل ہے، میرے پاس آؤ، میں تمہارا ہمدرد اور دوست ہوں، میرے پاس تمہیں وہ سب کچھ ملیگا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

آخری جملہ مکمل کرتے ہی وہ بوڑھا رضوان کے سر پر آ پہنچا پھر اُس نے وہ شیطانی چہرہ اپنے اوپر جھکتے ہوئے دیکھا، اور پھر اُسے کسی طرح کی خبر نہیں رہی۔ اس کا ذہن تاریکی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

★

جس وقت اُسے ہوش آیا تیز اور چمکیلی دھوپ اُسکے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، اسکے سامنے کھنڈر نما عمارت کا صدر دروازہ تھا اور دروازے کے آگے کچا اور ویران راستہ! اُس کی پشت پر وہ ویران اور ہولناک عمارت موجود تھی جس کے ایک کمرے میں شیطان صفت بوڑھے سے اُسکی ملاقات ہوئی تھی، اُسے دیکھ کر خوف کی ایک تیز لہر ایک مرتبہ پھر اُسکے سارے جسم میں دوڑ گئی۔

اُس کے چاروں طرف ایک بوجھل اور پُراسرار سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ چند لمحوں تک چُپ چاپ پڑے رہنے کے بعد وہ اُٹھا اور جسم کی تمام تر قوت کو ٹانگوں میں مجتمع کر کے لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا، باہر ایک طرف ٹوٹے پھوٹے اور قدیم وضع کے مکانات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور دوسری طرف سُرمئی اور چمکدار ریت کے اونچے نیچے ٹیلے تھے اور ٹیلوں سے ذرا اِدھر فرعون رامیس کا عظیم سنگی مجسمہ نصب تھا۔

ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی تھی اور بستی میں دور دور تک کسی متنفس کا پتہ نہیں تھا۔ رضوان کو ایسا لگا جیسے وہ کسی آبادی کے بجائے کسی بہت پُرانے قبرستان میں موجود ہو اور اُن گنت آوارہ اور بھٹکتی ہوئی روحیں اُسکے چاروں طرف چکراتی پھر رہی ہوں، اُس نے بستی کی طرف سے نگاہیں پھیر کر ریت کے ٹیلوں کی طرف دیکھا، جہاں ہوا نہ ہونے کے باوجود ریت بڑے بڑے بگولوں کی شکل میں چکراتی پھر رہی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ بگولے اُسے بے حد عجیب اور پُراسرار معلوم ہوئے اور وہ خوف کے عالم میں اس مکان کی طرف بڑھ گیا جو اُسکی خوبصورت اور پُرکشش میزبان کی ملکیت تھا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور پریشانی کی کوئی حد نہ رہی کہ عمارت بالکل خالی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اُسے برسوں سے استعمال نہ کیا گیا ہو۔ اُس کمرے کی حالت بھی دوسرے کمروں سے مختلف نہیں تھی جس میں اُس نے رات کو کئی منٹ تک قیام کیا تھا اور جو اُس وقت اسے کہیں صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔

"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟" رضوان پریشان اور بدحواس ذہن سے سوچ رہا تھا۔ "یہ میں کس مقام پر آ پھنسا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کے پُراسرار واقعات میرے ذہن کو غیر متوازن کر کے رکھ دیں، آخر یہ کیسی جگہ ہے اور یہاں کے رہنے والے کیسے ہیں، بظاہر ایک بھی فرد ایسا نہیں جو انسان نظر نہ آتا ہو لیکن اُن کے چہروں اور ان کی آنکھوں کے تاثرات اُن کی آوازیں، اُن کے قہقہے اور اُن کی مسکراہٹیں جیسے ... جیسے وہ جیتے جاگتے انسان نہ ہوں، بدارواح ہوں، چڑیلیں ہوں اور بھوت ہوں۔"

چند لمحوں تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے کے در و دیوار کا جائزہ لینے کے بعد وہ مُڑا اور مُردہ قدموں سے چلتا ہوا عمارت کے دروازے سے باہر نکل گیا، اس کا ذہن اپنی میزبان کے بارے میں سوچ رہا تھا، وہ اس ویران عمارت میں تنہا رہتی تھی، مگر اس وقت اُس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔؟؟

عمارت سے باہر نکل کر اُس کی اُلجھنیں اور پریشانیاں کچھ اور بڑھ گئیں، اُسکی پھٹی ہوئی اور تحیر زدہ نگاہیں شکستہ عمارتوں پر مرکوز

تھیں، بالکل ویران اور سنسان عمارتوں پر۔ جن پر چھایا ہوا گہرا سکوت اس بات کا غماز تھا کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی متنفس موجود نہیں۔

"میرے خدا!" وہ زیرلب بڑبڑایا۔ "آخر یہ کیا طلسم ہے، میری آنکھیں کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہی ہیں؟"

مگر اس کی آنکھیں کوئی خواب نہیں دیکھ رہی تھیں، وہ کھلی ہوئی اور جاگتی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور خوفزدہ اور حیران ہو رہا تھا اس کی حیرت خوف کے ساتھ ساتھ ہر لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ تجسس میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

اور پھر تجسس کے مجبور ہو کر اس کے خوفزدہ قدم دوبارہ اس ہولناک اور شکستہ عمارت کی طرف اٹھنے لگے جس میں رات کو اس کی ملاقات بوڑھے اور شکنجے میں جکڑی ہوئی لڑکی سے ہوئی تھی، ہر اگلا قدم اٹھاتے ہوئے اس کے ذہن میں پریشان کن خیالات کی یلغار ہو رہی تھی مگر وہ رکا نہیں عمارت میں داخل ہو کر احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا جس میں رات کو اس کی آنکھوں نے ایک حیرت انگیز اور روح فرسا منظر دیکھا تھا۔

لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی اسکی عقل ایک مرتبہ پھر چکرا کر رہ گئی کمرہ یقیناً وہی تھا اور اس میں موجود اشیاء کی ترتیب بھی وہی تھی ایک طرف فولادی شکنجہ موجود تھا اور اسکے قریب ہی آتش دان نظر آ رہا تھا۔

لیکن ان ساری باتوں کے باوجود رضوان کو شبہ تھا کہ کہیں وہ کسی اور کمرے میں تو موجود نہیں۔ یہ کمرہ تو.... ایسا لگتا تھا جیسے سالہا سال سے اس میں کسی انسان کے قدم نہ پہنچے ہوں، فرش اور دیوار پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی اور آتشدان کے منہ اور شکنجے پر مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔

کسی کے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ ماضی قریب میں ان میں سے کوئی بھی ایک چیز کبھی استعمال کی گئی ہوگی!

رضوان کو ایسا لگا جیسے اگر چند لمحوں تک اور اس چھت کے نیچے کھڑا رہا تو چکرا کر کمرے کے گرد آلود فرش پر ڈھیر ہو جائے گا، وہ مڑا اور بوکھلائے ہوئے اور خوفزدہ انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، آنکھوں سے گہرا خوف جھانک رہا تھا اور جسم پسینے سے تر بتر ہو رہا تھا، ذہن کو سنبھالتا ہوا، وہ گرتا پڑتا باہر پہنچا اور ایک کھنڈر کے سائے میں بیٹھ کر سانسیں درست کرنے لگا، ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے، پھر صعوبت سفر، شدید تھکن۔ بھوک اور پیاس کی کربناک تکلیف اور اس پردہ طلسمی بستی اور اس کا پراسرار ماحول، اگر رضوان کو اپنا سر بڑی تیزی کے ساتھ گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، البتہ اس بات پر ضرور حیرت کیجا سکتی تھی کہ بہت زیادہ مضبوط اور قوت ارادی کا مالک نہ ہونے کے باوجود وہ پاگل ہونے سے کس طرح بچ گیا۔ !!

کچھ دیر بعد وہ ذہن کو سنبھالتا ہوا اٹھا اور اڑتالیس گھنٹوں کی بھوک اور پیاس سے چھٹکارا حاصل کرنیکی کوشش میں ریت کے ٹیلوں کی طرف چلنے لگا۔ اس نے ٹیلوں کے قریب بہت سی چھوٹی بڑی خودرو جھاڑیاں دیکھی تھیں اور اب وہ انہی کے پتوں سے شکم پُر کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔

یکایک اسکی نظریں ایک ایسی قدآدم جھاڑی پر پڑیں جس میں ہیروں سے ملتے جلتے سرخ سرخ پھل لگے ہوئے تھے، رضوان کی آنکھوں میں انہیں دیکھ کر ایک تیز چمک جاگ اٹھی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا جلد ہی جھاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

پھلوں کو جھاڑی سے علیحدہ کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کہیں وہ پرنما شے بہت زیادہ تلخ اور بدمزہ ثابت نہ ہو، مگر جب اس نے اسے منہ میں رکھ کر کچلنا شروع کیا تو جلد ہی ثابت ہو گیا کہ اسکے اندیشے بالکل غلط تھے پرنما پھلوں کو چباتے ہوئے، نہ صرف یہ کہ بدمزگی کا احساس نہیں ہوا بلکہ وہ خاصے خوش ذائقہ ثابت ہوئے۔

رضوان نے خوب سیر ہو کر انہیں کھایا اور پھر نہ صرف یہ کہ اسکی بھوک مٹ گئی بلکہ پیاس کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ اور اب اسے اپنے جسم میں ایک نئی طاقت اور توانائی محسوس ہو رہی تھی۔

پیٹ بھرنے کے بعد عقل کچھ ٹھکانے لگی اور وہ جھاڑی کی چھاؤں میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے اس عجیب بستی اور اس میں رہنے والوں کے متعلق سوچنے لگا، گزشتہ شب ہی وہ یہاں پہنچا تھا اور یہاں پہنچنے کے بعد اس کی ملاقات کل تین افراد سے ہوئی تھی۔ تین بے حد پُراسرار افراد سے، جو کسی محیر العقول ڈرامے کے مافوق الفطرت کرداروں کی طرح تھے ان تین افراد کے علاوہ اس نے اب تک کسی چوتھے فرد کی صورت نہیں دیکھی تھی اور اب تو وہ تینوں بھی رازوں اور اسرار کے دبیز پردے کے پیچھے پہنچکر روپوش ہو چکے تھے۔

پوری بستی میں ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے کھنڈرات کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا، ہر طرف خاموشی تھی، ہر طرف سناٹا تھا، اور ہر جانب ایک بوجھل اور غمزدہ سی اداسی پھیلی ہوئی تھی ایک پُراسرار سکوت تھا جس نے پورے

ماحول کو اپنے تسلط میں لے رکھا تھا۔

جب کرید اور تجسس کا جذبہ کچھ اور بڑھا تو رضوان اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک دفعہ پھر بستی کی طرف چلنے لگا چند منٹ بعد ہی، وہ عمارتوں کے درمیان موجود تھا، کچھ ہی دیر میں اس نے بہتیرے مکانات دیکھ ڈالے، ان کا کونا کونا چھان مارا، لیکن اگر وہ وہاں کسی انسان کو تلاش کرنا چاہتا تھا، تو اپنے مقصد میں اسے کامیابی نہیں ہوئی ہر مکان ایسی حالت میں تھا کہ اس میں کسی انسان کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا! رضوان نے وہ دونوں عمارتیں بھی ایک دفعہ پھر کھنگال ڈالیں جن سے گزشتہ شب اس کا سابقہ پڑ چکا تھا مگر وہاں گرد کی تہوں، مکڑیوں کے جالوں اور مختلف پرندوں کے گھونسلوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔

رضوان کو ایک دفعہ پھر اپنے سارے جسم میں خوف کی ایک تیز لہر دوڑتی محسوس ہوئی اور وہ اس شہر خموشاں سے نکل کر دوبارہ ریت کے ٹیلوں کی طرف چلنے لگا، ہوا اس وقت بھی بند تھی لیکن بگولے اس وقت بھی ریت کے ٹیلوں کے درمیان چکراتے پھر رہے تھے۔

رضوان کے ذہن میں ایک نیا خیال کلبلایا۔ "کہیں۔ کہیں یہ بدروحیں تو نہیں اور کہیں رات بھی اس کا سابقہ بدروحوں سے ہی تو نہیں پڑا تھا۔"

اس کے سامنے بے شمار بگولے ادھر سے ادھر تک چکراتے پھر رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کون جانے ان میں سے کتنے بگولوں کا تعلق رات والے تین افراد سے ہو!

اس جگہ سے آگے بڑھ کر وہ ساحل کے قریب پہنچ گیا۔ سمندر معمول کے مطابق پرسکون تھا اور دور دور تک اس کے سینے پر کسی جہاز یا اسٹیمر کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی، رضوان کی آنکھوں میں مایوسی تیرنے لگی، وہ مڑا اور ساحل کے قریب ہی ایک قد آدم جھاڑی کی چھاؤں میں لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں، پھر نہ جانے کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کی خوبصورت اور دلکش وادیوں میں کھو گیا۔

جس وقت نیند کا سحر ٹوٹا، شام ڈھل چکی تھی، فضا میں ہلکا ہلکا اندھیرا اتر رہا تھا اور دور نیلے آکاش پر نظر آنے والے سفید اور بے نور چاند میں دھیمی سی روشنی پیدا ہونے لگی تھی، رضوان نے ایک دفعہ اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیا اور پھر آگے بڑھ کر دوبارہ سمندر کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ نیلگوں پانی میں اب تموج پیدا ہو چکا تھا اور سرکش اور تند خو موجیں استقلال اور اضطراب کی حالت میں بار بار آگے بڑھ کر اس کے قدموں تک پہنچ رہی تھیں۔

چاروں طرف ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، رضوان کو گزری ہوئی رات کے واقعات یاد آنے لگے اور ایک سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی، اسے وہ خوبصورت لڑکی یاد آئی جس کے ساتھ وہ فرعون کے مجسمے کے قریب سے گزر کر آبادی میں داخل ہوا تھا، وہ بوڑھا یاد آیا جس کی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سی چمک لہرا رہی تھی اور وہ دوسری لڑکی یاد آئی جس کا حسین اور نازک جسم آہنی شکنجے میں جکڑا ہوا نظر آیا تھا ان سب کی مسکراہٹ یاد آئی قہقہے یاد آئے اور گفتگو یاد آئی۔ وہ گفتگو جو پھٹی ہوئی، کھوکھلی اور غیر انسانی آواز میں کی گئی تھی۔ خاص طور پر بوڑھے کے الفاظ۔ جو اس نے رضوان کا تعاقب کرتے ہوئے کہے تھے۔

وہ ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ دل کہہ رہا تھا کہ اسے اسی وقت اس شیطانی بستی کو چھوڑ کر کہیں دور نکل جانا چاہئے مگر کہاں۔ اس کا جواب نہ دل کے پاس تھا اور نہ دماغ کے!

گھر بیٹھے انگریزی سیکھنے کیلئے
آٹھویں جماعت سے بی اے تک کے طلبا و طالبات
ہمارے
ہوم ورک پلان
سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں
تفصیلات مفت معلوم کیجیے
اقبال اینڈ اقبال پبلشرز
شاہی بازار • تھلہ • سکھر

فرزانہ بڑی محویت کے عالم میں ٹائپ کر رہی تھی۔ اس کی یہ محویت محض احساس ذمہ داری کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس میں اس کے اپنے شوق و تجسس کو بھی دخل تھا گذشتہ چھ سال سے وہ مردہ زبانوں کے ماہر پروفیسر شہاب کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی۔ اور جانتی تھی کہ پروفیسر شہاب کا بیشتر وقت ایک قدیم مصری تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے میں صرف ہوا ہے یہ تحریر جو کسی جانور کی کھال کی کئی تہوں پر مشتمل تھی نیشنل میوزیم کے نگران اعلیٰ ڈاکٹر عثمانی کی وساطت سے پروفیسر کے ہاتھوں تک پہنچی تھی تحریر پروفیسر شہاب کو دیتے ہوئے ڈاکٹر عثمانی نے اس کی بابت جو کچھ بتایا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ تقریباً بیس پچیس سال پہلے ایک نسبتاً بہت چھوٹے مصری اہرام کی کھدائی کے دوران اسکے اندر ایک چھوٹے سے کمرے سے دستیاب ہوئی تھی دوسرے اہراموں کے برخلاف اس اہرام میں سے زیورات، ظروف یا استعمال کی دوسری اشیاء برآمد ہونے کے بجائے صرف تین چیزیں ملی تھیں۔ ایک کسی نہایت حسین مصری عورت کی ممی جو بہترین حنوط شدہ حالت میں تھی اور بالکل زندہ معلوم ہوتی تھی۔ دوسری چیز کسی فرعون کا پتھر کا تراشا ہوا چہرہ تھا جسے تحقیقات کے بعد فرعون مصر عمیس ثانی کا چہرہ قرار دیا گیا تھا اور تیسری چیز کئی کھالوں پر تحریر شدہ عبارت تھی اس وقت اہراموں کی کھدائی میں برآمد ہونیوالی دوسری اشیاء کی طرح یہ چیزیں بھی برٹش میوزیم کے حصے میں آگئی تھیں مگر بعد میں انھیں قومی حکومت نے برٹش

سرورق کی دوسری کہانی

میوزیم سے خرید کر نیشنل میوزیم کو دے دیا تھا۔ ایک مدت تک کسی نے اس تحریر کو پڑھنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ مگر جب ڈاکٹر عثمانی کو نیشنل میوزیم کا نگران اعلیٰ مقرر کیا گیا تو انھوں نے اپنے عزیز دوست پروفیسر شہاب سے اِس تحریر کا ذکر کیا اور پھر اُن کے اصرار پر پروفیسر صاحب نے تحریر کو پڑھنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا؛

وہ چھ سال کی مسلسل محنت کے بعد گذشتہ رات ہی اسے مکمل طور پر اُردو میں ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ اور جو کچھ انھوں نے ترجمہ کیا تھا۔ اس کے مطابق کھالوں پر تحریر شدہ عبارت ایک ایسی حیرت انگیز داستان ثابت ہوئی تھی کہ فرزانہ اسے ٹائپ کرتے ہوئے اسکی دلچسپی میں بالکل ہی کھو گئی تھی۔ مگر اس سے اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ یوں بھی اسے معلوم تھا کہ ابھی تھوڑی دیر میں ڈاکٹر عثمانی تشریف لانے والے ہیں جنہیں پروفیسر نے کل رات ہی اپنی کامیابی کی اطلاع دیدی تھی اور اسے بہرحال ڈاکٹر صاحب کی آمد سے قبل اپنا کام ختم کر لینا تھا۔

وہ اپنے کام میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ مراد کے آنے کی آہٹ بھی نہ سن سکی جو آہستہ سے اسٹڈی روم کا دروازہ کھول کر دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ مراد چند لمحوں تک اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اچانک اپنے دونوں ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھدیئے۔ فرزانہ بُری طرح چونک اُٹھی۔ اُس نے جلدی سے مراد کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے گھوم کر دیکھا اور مراد کو دیکھ کر اسکے چہرے پر

صفدر صدیقی

ناگواری کے اثرات نمایاں ہوئے "یہ کیا حرکت ہے" وہ ترشی سے بولی۔

"اسے محبت کی ایک ادا کہتے ہیں" مراد نے میز کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر مجھے یہ ادائیں بالکل پسند نہیں" فرزانہ نے آخری کاغذ ٹائپ رائٹر سے نکالتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔

"اور میں؟" مراد نے جھک کر اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس ان بیکار باتوں کے لئے وقت نہیں ہے" فرزانہ نے بات ٹالنا چاہی۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر آؤ کچھ کارآمد باتیں کرتے ہیں" مراد نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مثلاً یہ تم کیا ٹائپ کر رہی تھیں؟"

"یہ جاننا تمہارے لئے کب سے کارآمد ہو گیا ہے" فرزانہ نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ انکل نے آخر کار اس تحریر کو پڑھنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے" مراد اسکی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں" فرزانہ نے مختصر جواب دیا۔ اور ٹائپ شدہ کاغذات سمیٹنے لگی۔

"پھر اس تحریر کا موضوع کیا ثابت ہوا۔ کوئی پراسرار داستان یا کسی خزانے کا راز؟"

فرزانہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ میز پر رکھا ہوا ایکسٹینشن فون بجنے لگا۔ اُس نے جلدی سے رسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری جانب حسب توقع پروفیسر شہاب بول رہے تھے۔

"مس فرزانہ وہ مسودہ ٹائپ ہو گیا۔؟"

"جی ہاں"

"گڈ۔ ڈاکٹر عثمانی آنے ہی والے ہونگے۔ ہم وہیں اسٹڈی میں بیٹھیں گے۔ کتنی کاپیاں نکالی ہیں؟"

"دو"

"ٹھیک ہے، انہیں پن کر کے میز پر رکھ دو اور میرا لکھا ہوا مسودہ مجھے واپس دے جاؤ"

"بہتر ہے" فرزانہ نے جواب دیا۔

پروفیسر صاحب نے رسیور رکھ دیا تھا اس لئے فرزانہ نے بھی رسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"انکل تھے؟" مراد نے پوچھا

"ظاہر ہے، اس فون پر باہر کی کال نہیں آسکتی"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا" مراد نے پھر پوچھا

"میں کمرے سے باہر جا رہی ہوں" فرزانہ نے پروفیسر صاحب کا لکھا ہوا مسودہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ضرور جاؤ۔ میں تمہاری واپسی تک یہیں رہوں گا" مراد نے بیٹھنے کے لئے کرسی گھسیٹی۔

"تم پروفیسر صاحب کی ہدایات اچھی طرح جانتے ہو میری یا انکی عدم موجودگی میں یہ کمرہ بند اور مقفل رہتا ہے"

"مگر میں کوئی غیر نہیں ہوں، اُن کا بھتیجا ہوں"

"میں مجبور ہوں تم یہاں کمرے میں نہیں ٹھہر سکتے" فرزانہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

مراد کی آنکھوں میں غصے کی چمک نمودار ہوئی وہ ایک لمحہ فرزانہ کو تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ مگر پھر دفعتاً مسکرانے لگا۔

"او کے ڈارلنگ، میں چلا جاتا ہوں" اس نے کہا "مگر یاد رکھنا تم نے آج شام میرے ساتھ باہر چلنے کا وعدہ کیا ہے"

اور پھر فرزانہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ مگر راہداری میں پہنچکر بیرونی دروازے کی جانب چلنے کے بجائے اس نے ایک قریبی کمرے میں گھس کر دروازہ اس طرح بند کر لیا کہ ایک باریک سی جھری باقی رہے تقریباً ایک منٹ کے بعد فرزانہ اسٹڈی روم سے باہر نکلی۔ اس کے ہاتھوں میں پروفیسر صاحب کا مسودہ دبا ہوا تھا۔ اس نے کمرے کا مضبوط قفل بند کیا اور بائیں جانب آگے بڑھ گئی۔ جہاں پروفیسر صاحب کا کمرہ واقع تھا۔ ادھر وہ نظروں سے غائب ہوئی ادھر مراد اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چابی نکالی اسٹڈی روم کے مضبوط قفل میں ڈال کر گھمائی۔ تالا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ مراد نے ایک نظر دائیں بائیں دیکھا اور جلدی سے کمرے میں داخل ہو گیا دروازہ اندر سے مقفل کرتے ہوئے وہ فرزانہ کی میز کی طرف بڑھا۔ ٹائپ کی ہوئی دونوں کاپیاں باقاعدہ اسٹیپل مشین سے پن کی ہوئی اوپر نیچے رکھی تھیں۔ مراد نے اوپر کی کاپی اٹھائی اور جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ ابتدائی چند سطور سے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ کسی عورت

کی لکھی ہوئی خود نوشت داستان ہے جو اب سے ہزاروں سال پہلے فرعون مصر عمیس ثانی کے دورِ حکومت میں بنتِ نیل کے نام سے مشہور تھی اور اپنے زمانے کی بہت بڑی جادوگرنی خیال کی جاتی تھی۔ اسے کچھ مایوسی سی ہوئی۔ جب سے پروفیسر شہاب نے اس تحریر کو پڑھنے کا کام شروع کیا تھا اور مراد کو اس بارے میں معلوم ہوا تھا تو نہ جانے کیوں اُسے یہ یقین سا تھا کہ یہ قدیم تحریر اپنے اندر ضرور کسی بیش بہا خزانے کا راز چھپائے ہوئے ہے۔ مگر عبارت جس انداز سے شروع ہوئی تھی اس سے مراد کے یقین کی کوئی تائید نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی اس نے اس خیال سے اپنا مطالعہ جاری رکھا کہ ممکن ہے آگے چل کر کوئی کام کی بات لکھی گئی ہو۔

اچانک اس کے تیز کانوں نے کمرے کے باہر باتیں کرنے کی آوازیں سنیں۔ پروفیسر شہاب اپنے متوقع مہمان کو لے کر اسٹڈی روم کی طرف آرہے تھے اُن کے ساتھ فرزانہ بھی تھی۔ مراد نہ فون پر ہونے والی گفتگو سے واقف تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ اس وقت ڈاکٹر عثمانی آنیوالے ہیں ورنہ وہ اس کارِ خیر کے لئے کسی اور وقت کا انتخاب کرتا۔ مگر اب تو وہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔ پروفیسر شہاب اسے اپنے مرحوم بھائی کی واحد نشانی ہونے کی وجہ سے عزیز ضرور رکھتے تھے لیکن اس کے لاابالی پن اور آوارہ مزاجی سے نالاں بھی تھے اس کی یہ حرکت ان کے انتہائی غصے کا سبب بھی بن سکتی تھی، جس کے بعد رہا سہا جیب خرچ بھی بند ہو سکتا تھا۔ اور شاید وصیت نامے تک بات پہنچ جاتی۔ نہیں وہ اپنی چوری کے انکشاف کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مراد نے جلدی سے ادھر ادھر کوئی چھپنے کی جگہ تلاش کی اور مقابل کے دروازے پر لٹکے ہوئے بھاری پردے اسے بہت غنیمت معلوم ہوئے۔ اس نے پھرتی سے کاغذات درست کر کے میز پر رکھے اور لپک کر پردوں کی آڑ میں چھپ گیا۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور پروفیسر شہاب، ڈاکٹر عثمانی اور فرزانہ آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے فرزانہ کی میز کے دوسری جانب پروفیسر صاحب کی اپنی میز پڑی ہوئی تھی وہ ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لئے اسی طرف بڑھ گئے۔ پہلے انہیں کرسی پیش کی پھر خود بھی بیٹھ گئے فرزانہ نے اپنی میز سے ٹائپ کی ہوئی دونوں کاپیاں اُٹھا کر پروفیسر صاحب کے ہاتھ میں دیدیں

"سب سے پہلے یہ بتائیے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "اس تحریر سے کچھ اس ممی کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ کس کی ہے؟"

"ابھی عرض کرتا ہوں" پروفیسر شہاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر فرزانہ کی طرف دیکھا۔ "ہماری گفتگو کچھ طویل بھی ہو سکتی ہے اور کچھ سرکاری نوعیت کی بھی۔ اس لئے بہتر ہے تم اتنی دیر میں کچھ دوسرے کام نبٹا لو۔ مثلاً میرے کمرے میں آج کی ڈاک رکھی ہے، اُسے ہی دیکھ لو اور ہاں، تھوڑی دیر بعد کافی بنا کر ضرور بھیج دینا۔"

"جی بہت اچھا" فرزانہ نے جواب دیا اور آہستہ سے دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں" پروفیسر شہاب نے اپنا پائپ سلگاتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا "میں اب سے بہت پہلے اس تحریر کو پڑھ لیتا لیکن چند حروف سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ اتفاق سے کل رات یہ مشکل حل ہو گئی جسکے بعد پوری عبارت کو سمجھنا اور ترجمہ کرنا چند گھنٹوں سے زیادہ کا کام نہیں تھا۔"

"تو پھر آپ نے کیا معلوم کیا؟" ڈاکٹر عثمانی نے کچھ بے تابی سے پوچھا۔

"دراصل وہ تحریر ایک خود نوشت داستان ہے۔ اور داستان بھی انتہائی حیرت انگیز" پروفیسر شہاب نے جواب دیا۔ "اس کے مطابق وہ ممی اپنے دور کی مشہور ساحرہ بنتِ نیل کی ہے میں نے اس کی ایک نقل آپ کے پڑھنے کے لئے بھی تیار کرالی ہے۔ تفصیلات تو آپ خود پڑھ لیں۔ مختصر طور پر اتنا جان لیجئے کہ بنتِ نیل عمیس ثانی کے زمانے میں ایک بہت بڑی ساحرہ تھی اس نے اپنے جادو کے زور سے اتنی دولت اور طاقت حاصل کر لی تھی کہ عمیس کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ کسی دن اس کی حکومت پر قبضہ نہ کر لے۔ اس نے اپنے دربار کے کئی بڑے جادوگروں کو بنتِ نیل کے مقابلے پر روانہ کیا مگر وہ سب اس کے ہاتھوں شکست کھا کر واپس چلے آئے۔ آخر کار دربار کے سب سے بڑے ساحر سامری نے بنتِ نیل سے مقابلہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا"

"سامری!" ڈاکٹر عثمانی چونکے "یہ وہی سامری تو نہیں، جس نے حضرت موسیٰ کے طُور پر تشریف لے جانے کے بعد اُن کی قوم کو ایک بچھڑے کی پوجا کے شرک میں مبتلا کر دیا تھا۔"

"جی نہیں، اس داستان کے مطابق سامری ایک لقب تھا جو فرعون اپنے دربار کے سب سے بڑے ساحر کو دیا کرتا تھا۔ بہرحال بنتِ نیل نے جب سامری کی آمد کی خبر سنی تو اُسے خوف پیدا ہوا۔ سامری واقعی اس سے بڑا جادوگر تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ وہ سامری سے نہیں جیت سکے گی۔ چنانچہ اس نے اپنے سحر کے زور سے سامری کی آمد سے قبل

اپنے لئے ایک اہرام تعمیر کرایا اور اپنی تمام دولت، میرے جواہرات اور خزانوں کے ساتھ اس میں زندہ دفن ہوگئی۔ اس نے اپنے علم سے یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس طرح سامری اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا...."

"مگر مجھے یہ بات تحقیق سے معلوم ہے کہ اس اہرام میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی گئی تھی۔" ڈاکٹر عثمانی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"درست ہے، اور اس کا جواب بھی اس داستان میں موجود ہے۔" پروفیسر شہاب نے بتایا۔ "بنتِ نیل نے لکھا ہے کہ سامری کی آمد سے پہلے وہ اپنی موت پر فتح پانے کی کوشش کر رہی تھی، اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتی تو اُسے سامری کا بھی کوئی خوف نہ رہتا، لیکن اُس وقت تک اپنی تمام تر جدوجہد کے بعد وہ صرف اس حد تک کامیاب ہوئی تھی کہ عارضی طور پر اپنی خاص خادمہ کی مدد سے اپنے جسم سے رُوح کو علیحدہ کرلیا کرتی تھی۔ اور پھر اس کی مدد سے روح کو جسم میں واپس لے آتی تھی اگر یہ قدرت اسے کسی کی مدد کے بغیر حاصل ہو جاتی تو یہ گویا پوری کامیابی ہوتی۔ وہ جانتی تھی کہ اہرام میں بند ہونے کے بعد تازہ ہوا نہ ملنے کی وجہ سے ایک دو دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ اس نے اہرام میں داخل ہونے کے بعد پہلے یہ داستان تحریر کی پھر اپنے زندہ جسم کو بہترین طریقہ سے حنوط کیا۔ اور منتر پڑھ کر اپنی رُوح جسم سے نکال لی۔ اُسے توقع تھی کہ کبھی نہ کبھی اہرام ضرور کھولا جائے گا، اس لئے اس نے وہ منتر جسے پڑھ کر اس کی رُوح دوبارہ اس کے جسم میں واپس لائی جاسکتی ہے اپنی داستان کے آخر میں درج کر دیا ہے۔ اور اہرام کھولنے والے سے درخواست کی ہے کہ اگر وہ یہ منتر پڑھ کر اسے دوبارہ زندہ کر دے گا تو وہ اپنا نصف خزانہ جسے اس نے اپنی روح علیحدہ کرنے سے پہلے ہی جادو کے زور سے اہرام کے اندر ہی کہیں پوشیدہ کر دیا ہے اُسے اس مہربانی کے بدلے دیدے گی۔"

ڈاکٹر عثمانی نے حیرت سے پروفیسر صاحب کی طرف دیکھا

"آپ کا مطلب ہے کہ بنتِ نیل کا خزانہ اب بھی اس اہرام میں کسی جگہ پوشیدہ ہے۔" انھوں نے پوچھا۔

"اس تحریر سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"اور آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود کوئی منتر پڑھنے سے وہ دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔؟"

"اگر آپ جادو کو مانتے ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"محض خرافات۔" ڈاکٹر عثمانی منہ ٹیڑھا کر کے بولے "بنتِ نیل اگر واقعی کوئی ساحرہ تھی تو بھی میرا خیال ہے کہ اپنی موت کو قریب دیکھ کر اس کا دماغی توازن خراب ہوگیا تھا۔ اور اسی حالت میں اس نے یہ سب خرافات لکھ ماری ہے۔ بھلا سوچئے اس بیسویں صدی میں اس بات پر کون یقین کرے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ اس کہانی میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔" پروفیسر شہاب نے سنجیدگی سے جواب دیا "پہلی بات تو یہ ہے کہ قدیم مصری دستور کے مطابق کسی کو مرنے کے بعد ہی حنوط کیا جاتا تھا اور پھر اسکی لاش کو ان تمام لوازمات اور مال و دولت کے ساتھ جو زندگی میں اس ہستی کی ملکیت رہا تھا، اہرام میں بند کر دیا جاتا تھا، آپ مانتے ہیں کہ اہرام میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی، اس سے ثابت ہوا کہ وہ دستور کے مطابق مرنے کے بعد اہرام میں بند نہیں کی گئی، بلکہ جیسا کہ اس نے لکھا ہے اپنی زندگی میں ہی حالات کی مجبوری سے اہرام میں مقید ہوئی تھی، اس کے علاوہ کوئی لاش اپنی داستانِ حیات نہیں لکھ سکتی۔ یہ دوسرا ثبوت ہے کہ بنتِ نیل اہرام میں داخل ہوتے وقت زندہ تھی۔ پھر جہاں تک جادو کا تعلق ہے اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، خود خدا کے کلام سے اس کا وجود ثابت ہے۔ اور جادو۔ واقعی کوئی طاقت ہے تو یہ بھی بعید نہیں کہ کوئی ساحر یا ساحرہ اس میں یہ کمال حاصل کرلے کہ مرنے کے ہزاروں سال بعد بھی اسے زندہ کیا جاسکتا ہو۔"

"دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بنتِ نیل کی داستان کو سچ تسلیم کرتے ہیں"

"اگر میں اس حد تک نہ بھی جاؤں تب بھی اسکی صداقت آزمانے میں کیا حرج ہے"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ اس معاملہ میں حکومت سے رُجوع کریں کہ وہ ہمیں مزید تحقیقات کی غرض سے مصر جانے کی اجازت دیدے، ہم اس اہرام میں داخل ہو کر بنتِ نیل کا بتایا ہوا منتر پڑھیں گے، اگر وہ زندہ ہو جاتی ہے اور خزانہ ہمارے ہاتھ آجاتا ہے تو یہ بہرحال اپنی حکومت کا فائدہ ہے۔"

"آپ کے خیال میں اگر میں یہ تجویز حکومت کے سامنے رکھوں تو دوسرے دن ہی مجھے دماغی عدم توازن کا مریض قرار دیکر برطرف نہیں کر دیا جائے گا؟"

"اگر آپ کو ایسا کوئی اندیشہ ہے" پروفیسر شہاب نے

مسکراتے ہوئے کہا "تو سر دست اِس بات کو عام کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم صرف مزید تحقیقات کو اپنا مقصد بتا کر بھی اجازت حاصل کر سکتے ہیں۔"

"آپ نے اس منتر کا بھی ترجمہ کر لیا ہے؟"

"جی ہاں"

"اور وہ اِس کاپی میں شامل ہے؟" ڈاکٹر عثمانی نے ٹائپ شدہ کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔

"جی نہیں، منتر کا ترجمہ میرے اصل مسودے میں ضرور موجود ہے، لیکن میں نے فرزانہ کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اسے ٹائپ نہ کرے"

"اگر اس داستان کی آزمائش ہی مقصود ہے" ڈاکٹر عثمانی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تو کیا ایسا نہیں کیا جا سکتا کہ ہم یہیں اس منتر کو پڑھ کر دیکھ لیں۔ بنتِ نیل کی حنوط شدہ ممی تو بہر حال نیشنل میوزیم میں موجود ہے۔"

"میں نے اِس پہلو پر بھی غور کیا تھا" پروفیسر صاحب نے جواب دیا۔ "مگر میرا خیال ہے کہ کئی وجوہات سے ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ مثلاً ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منتر کا اثر اس وقت ظاہر ہو جب اسے احرام کے اندر پڑھا جائے۔ دوسری بات یہ کہ خزانہ بہر حال یہاں نہیں ہے۔ احرام میں پوشیدہ ہے۔ ممکن ہے کہ بنتِ نیل خزانہ لانے کے بہانے ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے اور پھر واپس نہ آئے تیسری جانب اس کے زندہ ہو جانے سے جو پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں اُن کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔"

"یوں کہئے کہ آپ مصر جانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب مسکرائے، "کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کہانی بھی آپ نے اس خواہش کی تکمیل کے لئے خود ہی گڑھ لی ہو۔"

پروفیسر صاحب ایک قہقہہ لگا کر کچھ کہنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اسی لمحے فرزانہ ایک بڑے میں کافی لئے کمرے میں داخل ہوئی اور انھوں نے جواب دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

★

اور یہ اسی دن شام کی بات ہے۔ فرزانہ اور مراد کی اسٹار کلب کے ایک پرائیویٹ کیبن میں بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔

فرزانہ کا طرزِ عمل کچھ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ ایک طرف تو وہ اس کی پیش دستیوں کی ہمت افزائی کرتا تو کجا ایک حد تک انھیں ناپسند بھی کرتی تھی اور دوسری جانب وہ اکثر و بیشتر اس کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے بھی جاتی رہتی تھی۔ جہاں تک مراد کا تعلق تھا تو اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو خواتین کو اپیل کرے۔ چھریرا جسم، چھوٹا سا قد، کچھ کچھ چینی خدوخال۔ یوں دیکھنے میں وہ بُرا بھی نہیں لگتا تھا، بس ایک عام سا چہرہ تھا، جس میں کوئی جاذبیت بھی نہیں تھی اگر وہ پروفیسر شہاب کا بھتیجہ نہ ہوتا تو فرزانہ ایک کے بعد دوسری نظر ڈالنا بھی شاید گوارا نہ کرتی، لیکن اپنی ملازمت کے ابتدائی دنوں میں وہ اسی لئے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی کہ وہ اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتی تھی اور اُسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے مراد کے ساتھ درشت رویّہ اختیار کیا تو وہ پروفیسر صاحب سے اس کی جھوٹی سچی شکایتیں لگا کر اُسے برطرف نہ کرا دے۔ بعد میں وہ اس کے ساتھ باہر جانے اور وقتاً فوقتاً اس کی جانب سے تحفے تحائف قبول کرنے کی کچھ عادی سی ہو گئی اور اس طرح یہ تعلق برقرار رہا۔ لیکن مراد کی مسلسل کوششوں کے باوجود فرزانہ نے اُسے ضرورت سے زیادہ بیباک ہونے کا کوئی موقعہ نہ دیا تھا۔ پھر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ پروفیسر شہاب کافی دولت مند آدمی ہیں۔ انھوں نے شادی بھی نہیں کی ہے کہ ان کے مال و دولت کا کوئی اور وارث پیدا ہو سکتا۔ اس لئے ان کی موت کے بعد سب کچھ مراد ہی کے حصے میں آنے والا تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا تھا کہ اس وقت کے آنے تک اگر کوئی اور امیدوار سامنے نہیں آیا تو ایک خوشگوار مستقبل کے خیال سے اس کے ساتھ شادی کرنے پر بھی خود کو آمادہ کر لے گی۔

دوسری طرف مراد کو ابتک کسی لڑکی نے اتنی لفٹ بھی نہیں دی تھی کہ اس کے ساتھ مسکرا کر بات ہی کر لے۔ یوں وہ اپنی کلرکی کی تنخواہ اور پروفیسر صاحب سے ملنے والے جیب خرچ کا بڑا حصہ شراب اور لڑکیوں کی خرید و فروخت پر ہی صرف کرتا تھا۔ مگر خریدی ہوئی ہم نشینی کے مقابلے میں ایک گھریلو لڑکی کے ساتھ کلب میں نظر آنا کچھ اور ہی بات تھی۔ اس لئے وہ اپنی تشنہ لبی پر تاؤ کھانے کے باوجود فرزانہ کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب سے اس قدیم تحریر کا چکر شروع ہوا تھا وہ فرزانہ پر کچھ اور بھی مہربان ہو گیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس تحریر میں کسی بڑے خزانے کا راز پوشیدہ ہے، اور وہ فرزانہ کی مدد سے ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ حُسنِ اتفاق سے اُسے پردے کے پیچھے چھپ کر پروفیسر صاحب اور ڈاکٹر عثمانی کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ تو اس کا یہ ارادہ کچھ اور بھی پختہ ہو گیا، لیکن وہ جانتا تھا کہ فرزانہ کے تعاون کے بغیر نہ اِس منتر کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ بنتِ نیل کی ممی تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔

"سچ بتاؤ فرزانہ" اُس نے دوسری پیالی بناتے ہوئے کہا "کیا تم اب تک محض اس لئے مجھ سے شادی کرنے سے انکار نہیں کرتی رہی ہو کہ میں ایک معمولی کلرک ہوں اور میرے پاس اتنی دولت نہیں کہ میں ایک شاندار زندگی گزارنے کے تمہارے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرسکوں"

"ممکن ہے یہی بات ہو" فرزانہ نے سرسری لہجہ میں جواب دیا۔

"اچھا فرض کرو کہ مجھے کہیں سے دولت مل جائے تب۔۔؟"

"کتنی دولت ؟"

"بے شمار۔ اتنی کہ تم دونوں ہاتھوں سے خرچ کرو تب بھی کم نہ ہو"

"اتنی دولت تمہیں کون دیدے گا۔ قارون تو عرصہ ہوا زمین میں دفن ہو چکا ہے" فرزانہ مسکرائی

"ہاں، مگر تم ساتھ دو تو قارون کا خزانہ اب بھی ہاتھ آسکتا ہے۔"

"کیا مطلب ؟" فرزانہ خزانہ کے ذکر پر چونکی

"تم نے تو لاکھ چھپانے کی کوشش کی مگر تقدیر مہربان تھی مجھے بنتِ نیل کے خزانے کا راز معلوم ہی ہو گیا نا۔" مراد نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم بنتِ نیل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" فرزانہ کی تمام لاپرواہی رخصت ہو چکی تھی وہ بڑے چوکنا انداز میں مراد کو گھور رہی تھی۔

"وہ سب کچھ جو تم جانتی ہو، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ" مراد نے کہا "انکل اور ڈاکٹر عثمانی حکومت کی اجازت سے اس کی ممی مصر لیجانے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ وہاں اس کے اہرام میں داخل ہو کر وہ منتر پڑھ کر اسے دوبارہ زندہ کریں اور بنتِ نیل اپنے وعدے کے مطابق اس خزانے کا نصف حصہ انھیں دیدے جو اس نے اہرام میں کسی۔ جگہ پوشیدہ کر رکھا ہے۔"

"یہ ... یہ ... سب باتیں تمہیں کس نے بتائیں....؟ کیا پروفیسر صاحب نے ؟"

"سنی تو اُن کی زبان سے ہی ہیں" مراد مسکرایا "مگر اُن کا مخاطب میں نہیں تھا" یہ کہہ کر اس نے اختصار کے ساتھ اپنے اسٹڈی روم میں واپس جانے اور پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہونے کی تمام کہانی فرزانہ کو سنادی۔

"تمہارے پاس اس کمرے کی چابی کہاں سے آئی؟" فرزانہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ میں نے بہت دن پہلے کسی ایسے ہی مناسب موقع کے خیال سے بنوا کر اپنے پاس رکھی تھی۔ اب اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم خود اس منتر کو پڑھ کر بنتِ نیل کو زندہ کر سکتے ہیں۔ ذرا خیال تو کرو، اس کے پاس اتنا بڑا خزانہ تھا کہ فرعونِ مصر کو اپنی حکومت چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی نصف مقدار بھی اس قدر زیادہ ہو گی کہ ہم اسکا تصور نہیں کرسکتے"

بنتِ نیل کی داستان سے واقف ہونے بلکہ اس منتر تک کو دیکھنے کے باوجود فرزانہ کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہیں ابھرا تھا کہ اس مصری ساحرہ کی بیشمار دولت اس کے قبضے میں بھی آسکتی ہے، اب جو مراد نے اسے یہ احساس دلایا تو اسے اپنی رگ و پے میں سنسنی کی ایک عجیب سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ واقعی! اگر یہ بیش بہا خزانہ اس کے قبضہ میں آجائے تو.... " مگر اسکا ذہن اس نوز پر پہنچ کر رک گیا۔ یہ سراسر دیوانگی ہے، اُسے ایسے خیالات کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہیں دینا چاہیئے

"اول تو ضروری نہیں کہ بنتِ نیل کی داستان حقیقت پر مبنی ہو" فرزانہ نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔ "اور بالفرض محال ایسا ممکن بھی ہو جائے تو اس خزانے پر کسی فرد کا حق تسلیم نہیں کیا جاسکتا، دولت سے زیادہ اس کی تاریخی اہمیت ہو گی، ایسی تمام چیزیں حکومت کا حق سمجھی جاتی ہیں"

"مجھے اس قسم کے لیکچر سننا ہونگے تو کسی مولانا کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا" مراد نے کچھ ناگواری سے کہا "خدا نے یہ دُنیا اور اسکی نعمتیں ہر انسان کے لئے یکساں پیدا کی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکیت کے بارے میں یہ قانون آج بھی موجود ہے کہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہو، بھینس اسی کی سمجھی جاتی ہے۔ جو دولت پاتا ہے اس پر اسی کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ قدرت نے مجھے اور تمہیں اپنی زندگی اور مستقبل کو شاندار بنانے کا ایک بہترین موقع دیا ہے، اس سے منہ موڑنا کفرانِ نعمت بھی ہو سکتا ہے۔ اگر تمہارا ضمیر اتنا ہی حساس ہے تو تم مجھے صرف وہ منتر نقل کر کے لادو۔ باقی کام میں کرلوں گا۔"

"کوئی اور بات کرو مراد۔ میں اس معاملے میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ درست و نادرست کے سوال کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی میں پروفیسر صاحب کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دینا چاہتی"

"یہ تمہارا آخری جواب ہے ؟"

"ہاں، بالکل آخری، اور قطعی !"

"اچھی بات ہے" مراد کافی کی پیالی ٹرے میں واپس

رکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا "آؤ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں"

★

فرزانہ کا انکار مراد کو اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اس کا تعاون حاصل کرنے کے لئے تیار تھا۔ رات کے دو ڈھائی بجے تک سگریٹ پر سگریٹ پھونکنے اور بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے اس کے ذہن نے مقصد براری کی ایک انوکھی ترکیب کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کر لیا۔

دوسرے دن دوپہر کے کھانے سے کچھ پہلے وہ سیدھا ناڈرن فلم اسٹوڈیو جا پہنچا۔ لکی اسٹار کلب میں اکثر کچھ فلمی دنیا کے لوگ بھی پینے پلانے اور سیر و تفریح کے بہانے آ جاتے تھے۔ جان محمد اسسٹنٹ ڈائریکٹر سے اس کی ملاقات بھی لکی اسٹار کلب میں ہی ہوئی تھی۔ اور مراد کبھی کبھی اس کی دعوت پر الیکٹرا لڑکیوں میں سے اپنی پسند کی کسی لڑکی کا انتخاب کرنے اسٹوڈیو کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ آج کل ایک فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے، اور اسٹوڈیو کے معمولات سے کچھ واقف ہونے کی بنا پر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ لنچ کا وقفہ عموماً ایک اور دو بجے کے درمیان کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے، اتفاق سے اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"ہیلو ارے بھئی مراد تم اس وقت یہاں کیسے؟" جان محمد نے بڑی بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "بھلے آدمی اگر آج آنے کا خیال تھا تو مجھے پہلے سے بتا دیا ہوتا۔ سچ کہتا ہوں آج ایکسٹرا سپلائر ایسی غضب کی لونڈیا لے کر آیا تھا کہ تم دیکھتے تو ریشہ خطمی ہو جاتے۔ وہ ابھی ابھی اپنا کام ختم کر کے گئی ہے تمہارے آنے کا خیال ہوتا تو اسے روک لیتا"

"میں اس وقت کسی اور کام سے آیا ہوں" مراد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے جواب دیا "مگر پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کھاؤ گے"

"اوہو یہ آج پتھر میں جونک کیسے لگ گئی" جان محمد نے چوٹ کی "بہر حال، ہم دوستوں کا دل توڑنے کے قائل نہیں ہیں تم ایسے ہی بضد ہو تو منگوا لو کچھ مرغی ورغی"

مراد نے ویٹر کو چکن تکا لانے کا آرڈر دیا جو اس نے فوراً ہی تعمیل کر دیا۔ ابھی ریسٹورنٹ میں ہجوم نہیں ہوا تھا اور ویٹر بڑی مستعدی سے آرڈروں کی تعمیل کر رہے تھے۔

"آج کل تمہارے یہاں سب سے اچھا میک اپ مین کون ہے؟" مراد نے منہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

"خیریت؟" جان محمد نے چونک کر مراد کو دیکھا۔ "کیا کوئی فائنینسر پھانس لیا۔ فلم بنانے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔ کچھ دوسرا ہی معاملہ ہے، تم میرے سوال کا جواب دو"

"بھئی ایک تو اپنا پیارے خان ہے، جو ہماری فلم میں بھی میک اپ کر رہا ہے۔ بہترین آرٹسٹ ہے"

"وہ فوٹو دیکھ کر اس کے مطابق میک اپ کر سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ کہ اگر میں اسے کوئی فوٹو دکھاؤں اور اس سے کہوں کہ میرے چہرے پر اس طرح میک اپ کر دو کہ اس فوٹو میں اور مجھ میں سر مو فرق نہ رہے تو کیا وہ یہ کام کر سکتا ہے؟"

"کوئی گہرا معاملہ معلوم ہوتا ہے استاد" جان محمد نے مرغی کی ٹانگ توڑتے ہوئے جواب دیا "نہیں پیارے خان اچھا فنکار ہے مگر وہ ابھی اس کمال کو نہیں پہنچا"

"تو پھر کسی ایسے آدمی کا نام بتاؤ جو یہ کام کر سکے"

"ایسا تو صرف ایک ہی آدمی تھا مگر اسے شراب نے تباہ کر دیا" جان محمد نے سنجیدگی سے کہا "اب اسے کوئی اسٹوڈیو میں گھسنے بھی نہیں دیتا تم نے فدا علی کا نام ضرور سنا ہوگا۔ اب سے پانچ سال پہلے فلمی دنیا میں اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بڑے بڑے اداکار اور ہیروئنیں محض یہ سن کر کہ وہ کسی فلم میں میک اپ دے رہا ہے، کنٹریکٹ پر دستخط کر دیا کرتے تھے"

"تو کیا شراب نوشی نے اس کا فن چھین لیا؟"

"نہیں یہ بات نہیں میک اپ تو وہ اب بھی اسی کمال کا کر سکتا ہے بشرطیکہ اُسے میک اپ کرنے کا ہوش ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی گھریلو زندگی بڑی تلخ تھی۔ اس کا غم بھولنے کے لئے اس نے شراب پینا شروع کی اور پھر یہ انگور کی بیٹی اس پر ایسی حاوی ہوئی کہ دنیا و مافیہا کو بھلا دیا۔ وہ کبھی وقت پر اسٹوڈیو نہیں آتا تھا۔ بلکہ اسے اسٹوڈیو آنے کا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔ ظاہر ہے ایسا آدمی خواہ کتنا ہی باکمال ہو ہمارے مطلب کا نہیں رہتا"

"تو وہ اب کہاں مل سکتا ہے؟"

"مجھے بات تو بتاؤ۔ آخر معاملہ کیا ہے؟"

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک دوست سے شرط لگ گئی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا میک اپ مین بھی اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے باپ کا میک اپ کر کے اس کے دفتر پہنچ جاؤں، اور پھر تماشا دیکھوں۔ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے"

"معلوم ہوتا ہے تم بتانا نہیں چاہتے" جان محمد ایسی چٹکیوں میں اُڑنے والا نہیں تھا "خیر میں زیادہ اصرار نہیں کروں گا۔ یوں کرو کہ آج رات نو بجے کے بعد مجھے لی اسٹار کلب میں ملو۔ وہ فوٹو بھی لیتے آنا، جس کا میک اپ اپنے چہرے پر کرانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں فدا علی کے پاس لے چلوں گا۔ راستے میں ہم دو بوتلیں اسکاچ وہسکی کی خرید لیں گے شراب اس کی جان ہے۔ تم اسے لاکھ روپیہ دو تو وہ شاید تمہاری بات بھی غور سے نہ سنے لیکن بوتل کی ایک جھلک دکھا دو تو پھر اس سے جو چاہے کروا سکتے ہو۔"

★

اسٹوڈیو سے رخصت ہو کر مراد ایک ایسے مردانہ دواخانے والے حکیم کے پاس پہنچا جو بہتوں کا بھلا کیا کرتے تھے۔ اور عین وقت پر شرمندگی سے بچا لیا کرتے تھے۔ وہ بھی اکثر اپنی کیف و نشاط کی گھڑیوں کو طویل کرنے کے لئے حکیم صاحب کی تیر بہدف گولیوں سے فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔ حکیم صاحب حسبِ معمول اپنے مطب میں موجود تھے اور شاید صبح سے کوئی مرغا نہیں پھانس سکے تھے کہ مراد کو دیکھتے ہی کھل اٹھے۔

"آؤ مراد میاں" انھوں نے نہایت پُرتپاک انداز سے کہا، "میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس مرتبہ ملاقات کا وقفہ کچھ لمبا ہو گیا ہے۔"

"آپ کو تو یاد نہیں رہتا۔ ابھی گذشتہ پیر کو تو حاضر ہوا تھا" مراد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اسپیشل گولیوں کی پوری شیشی لے گیا تھا۔"

"اوہ۔ ہاں یاد آ گیا" حکیم صاحب نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "بات یہ ہے کہ تم سے کچھ قلبی تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے ایک دو دن کی غیر حاضری بھی طویل معلوم ہونے لگتی ہے۔ کہو ان گولیوں کی کرامات دیکھیں دوں ایک شیشی اور؟"

"جی نہیں ابھی تو وہ ہی شیشی بھری رکھی ہے۔ میں آج ایک اور ہی کام سے آیا تھا۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف کہہ سکتے ہو۔"

"آپ کے پاس کوئی ایسی دوا ہے جو برف میں حرارت پیدا کر دے؟" مراد نے آہستہ آواز میں پوچھا "میرا مطلب ہے کوئی ایسی دوا جسے کھاتے ہی برف سے بڑا پارسا بھی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور چنگاری دیکھتے ہی پٹرول کی طرح بھڑک اٹھے۔"

"کیا کسی کافر کو مسلمان کرنا ہے" حکیم صاحب ایک آنکھ بند کر کے مسکرا دیئے

"جی ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے"

"دوائیں تو کئی ہیں مگر..."

"آپ قیمت کی فکر نہ کریں منہ مانگی رقم دوں گا مگر..."

"استغفر اللہ! تمہارے معاملہ میں میں نے کبھی روپیہ پیسے کا خیال نہیں کیا۔ میں تو دوستوں کے کام آنے کا قائل ہوں روپیہ تو ہاتھ کا میل ہوتا ہے" حکیم صاحب جلدی سے بولے۔

"میں تو اس لئے ہچکچا رہا تھا کہ ان دواؤں کا استعمال بڑا ہی خطرناک ہوتا ہے اگر کسی گرم خون والے نوجوان کو کھلا دی جائیں تو دماغ بھی اُلٹ سکتا ہے۔"

"جی نہیں، میں ایک ایسے شخص کے لئے مانگ رہا ہوں۔ جو چالیس پینتالیس سال سے بھی زیادہ عمر کا ہے۔"

"تب پھر ٹھیک ہے" حکیم صاحب نے کچھ اطمینان سے کہا اور ایک مقفل دراز کھول کر اس میں سے ایک شیشی نکالی۔ اس کا لیبل پڑھا پھر سر ہلاتے ہوئے دوسری دراز سے ایک خالی شیشی برآمد کی۔ اسمیں قطروں کے حساب سے کوئی پچیس تیس قطرے گن کر پہلی شیشی سے ڈالے۔ ڈاٹ بند کی اور مراد کی طرف بڑھا دی۔

"تم نے کبھی سنا ہے کہ نسل کشی کے مراکز میں بیلوں اور بھینسوں کو ایک خاص انجکشن لگا کر راغب کیا جاتا ہے" انھوں نے سوال کیا۔

"جی ہاں"

"یہ دوا اُسی انجکشن کا جوہر ہے اس کے پانچ قطرے اگر شراب کے ساتھ استعمال کئے جائیں تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو جائے۔"

"خواہ وہ شخص اپنے طور پر کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو" مراد نے کہا "دوسرے الفاظ میں یہ دوا اس کی مرضی کے خلاف بھی اسکے جذبات بھڑکا سکتی ہے۔"

"بس حلق سے اُترنا شرط ہے" حکیم صاحب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا قیمت پیش کروں؟"

"یہ تو انمول چیز ہے مراد میاں۔ ایک ایک قطرہ لاکھوں میں بھی ارزاں ہے۔ مگر تم جانتے ہو میں نے تم سے کبھی لاگت سے زیادہ دام نہیں وصول کئے۔ یہ تیس قطرے ہیں۔ تم صرف ڈیڑھ سو روپیہ دیدو" حکیم صاحب نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

★

پروفیسر شہاب چونکہ غیر شادی شدہ تھے اس لئے فرزانہ کے فرائض میں اُن کی علمی مشغولیات میں مدد دینے کے علاوہ گھر کی نگہداشت بھی شامل تھی۔ گھر میں خود پروفیسر صاحب اور فرزانہ کے علاوہ کھانا پکانے کے لئے ایک باورچی اور صفائی ستھرائی کے لئے ایک ملازمہ بھی کام کرتے تھے۔ یوں تو وہ دن رات کوٹھی میں ہی رہتے تھے، لیکن اُن کے کمرے کوٹھی کے عقبی حصے میں تھے۔ اور انھیں کسی خاص ضرورت کے بغیر اُن کمروں میں جانے آنے کی اجازت نہیں تھی جو پروفیسر صاحب کے زیر استعمال رہتے تھے ملازمہ بھی اس صورت میں صفائی کرنے آتی تھی کہ فرزانہ اس کے سر پر موجود رہتی تھی۔ فرزانہ کو البتہ پروفیسر صاحب نے اسٹڈی روم کے برابر والا کمرہ دے رکھا تھا۔ اور اگرچہ اس پر کوئی ایسی پابندی نہیں تھی کہ وہ ضرور رات کو بھی کوٹھی میں مقیم رہے مگر کام میں مصروفیت کی وجہ سے ہفتہ میں تین چار راتیں اس کی کوٹھی میں ہی گزرتی تھیں خاص طور سے ان دنوں تو وہ تقریباً دو ہفتہ سے کوٹھی میں ہی رہ رہی تھی۔

مراد جانتا تھا کہ اگر کوئی خاص مصروفیت درپیش نہ ہو تو فرزانہ روزانہ دس گیارہ بجے گھر کی ضروریات کے لئے مختلف چیزیں خریدنے اور گذشتہ دن کے خطوط (اگر ہوں) سپرد ڈاک کرنے کے لئے کوٹھی سے نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اسی توقع میں دس بجتے ہی کوٹھی کے سامنے موجود ہوا تھا اور اب ادھر ادھر ٹہل کر وقت گذار رہا تھا۔ پونے گیارہ بجے کے قریب جیسے ہی فرزانہ باہر نکلی اور فٹ پاتھ پر چلتی ہوئی کوٹھی سے کچھ فاصلہ پر پہنچ گئی وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب آگیا۔

"ہیلو ڈارلنگ، شاپنگ کے لئے جارہی ہو" اس نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

فرزانہ اُسے دیکھ کر چونکی ضرور لیکن نہ رُکی اور نہ اپنی رفتار میں فرق آنے دیا۔

"تم میرا انتظار کر رہے تھے؟"

"ہاں"

"کیوں؟"

"آج شام کو میرے ساتھ کلب چل سکتی ہو؟"

"آج تو ممکن نہیں ہے"

"کیوں؟"

"رات کے کھانے پر ڈاکٹر عثمانی آرہے ہیں" فرزانہ نے جواب دیا۔ بظاہر اس جواب میں کوئی خاص بات نہیں تھی مگر مراد ایکدم کچھ چونک سا گیا۔

"آج رات کے کھانے پر؟" اس نے یوں پوچھا جیسے تصدیق کرنا چاہتا ہو کہ اس کے کانوں نے غلط تو نہیں سنا ہے۔

"ہاں مگر تم کیوں چونک پڑے؟"

"کوئی خاص بات نہیں" مراد بولا اور پھر ایکدم سے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا "تم نے میری بات پر غور کیا؟"

"کونسی بات پر؟"

"وہی، خزانے والی بات"

"میں نے اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہی تمہیں جواب دیا تھا" فرزانہ نے کہا "میں کسی صورت میں بھی پروفیسر صاحب کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی"

"بس رہنے دو، یہ فریب اسے دو جو اندر کے حالات نہ جانتا ہو"

"کیا مطلب؟ کیسے اندر کے حالات؟"

"تم اس لئے میرا ساتھ دینا نہیں چاہتیں کہ خود انکل نے تمہیں شیشے میں اُتار لیا ہے"

"کیا؟" اس مرتبہ فرزانہ چلتے چلتے رک گئی

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں چھپ کر انکل اور ڈاکٹر عثمانی کی باتیں سن چکا ہوں" مراد نے جواب دیا "اس شام میں نے تم سے یہ بات چھپائی تھی کہ وہ دونوں خزانے کے بارے میں کیا منصوبہ بنا رہے ہیں اس لئے کہ میرا خیال تھا کہ انکل خود ہی تمہیں سب کچھ بتا دیں گے اور یقیناً انھوں نے اب تک تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا کہ وہ اور ڈاکٹر عثمانی بنت نیل کے خزانے سے خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ انکل تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ وہ نصف خزانہ حاصل کرنے کے بعد تم سے شادی کر کے کسی دوسرے ملک میں رہائش اختیار کرنا چاہتے ہیں"

"کیا بک رہے ہو۔ میں پروفیسر صاحب کو اپنے والد کی جگہ

سمجھتی ہوں۔" فرزانہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"مگر وہ تمہیں اپنی بیوی کی جگہ دینا چاہتے ہیں۔" مراد نے کہا۔ "اور یہ تم اتنا بن کیوں رہی ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انکل کے اسی پروگرام کے پیش نظر تم نے مجھے دھتکار دیا ہے۔"

"تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔" فرزانہ کچھ غصے سے بولی "میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ پروفیسر صاحب نے کبھی مجھے اس نظر سے دیکھا ہو۔"

"اب تم دانستہ انجان بن جاؤ تو اس کا کوئی علاج نہیں۔" مراد نے کندھے اچکائے۔ "بہرحال میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ اگر تم مجھے وہ منتر لا دو تو..."

"شٹ اپ" فرزانہ نے تیزی سے کہا "اب اگر تم نے میرے ساتھ آنے کی کوشش کی تو میں یہیں سڑک پر سینڈل اتار کر تمہاری وہ مرمت کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

وہ جلدی سے قدم بڑھاتے ہوئے آگے نکل گئی، مراد نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی، بس ایک پراسرار مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

★

مراد نے ایک پبلک فون بوتھ میں داخل ہو کر احتیاط سے دروازہ بند کیا۔ ریسیور اٹھاتے ہوئے مطلوبہ سکے مشین میں ڈالے اور ڈاکٹر عثمانی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تیسری گھنٹی بجنے کے بعد کسی نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔ ڈاکٹر عثمانی" مراد نے آواز بدلتے ہوئے پوچھا

"فرمائیے؟" ڈاکٹر عثمانی کی آواز ابھری۔

"ارے بھئی میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"پروفیسر صاحب؟" کچھ حیرت سے ڈاکٹر عثمانی نے پوچھا "خیریت تو ہے؟"

"ہاں، خیریت ہے۔ کیا آج شام آپ آ رہے ہیں؟"

"آپ نے خود ہی تو اصرار کیا تھا۔ حالانکہ میں کہتا بھی رہا کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر کھانے کے ساتھ انصاف کرانا چاہتے ہیں تو کسی اور دن دعوت کریں۔"

"بس تو پھر آج آپ آرام کریں۔"

"کیوں؟ کیا دعوت ملتوی؟"

"بات یہ ہے کہ آپ کو مدعو کرتے وقت میں یہ بھول گیا تھا کہ مجھے آج شام ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے" مراد نے بدستور بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "معذرت چاہتا ہوں۔ آج کے بجائے کل تشریف لائیں تو بہت ممنون ہوں گا۔"

"افوہ تو اس میں اتنا شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے آج نہ سہی کل سہی۔ کوئی جلدی تو ہے نہیں جو گفتگو آج ہونا تھی کل ہو جائیگی"

"بہت بہت شکریہ۔ اچھا تو پھر کل ملاقات ہوگی۔" مراد نے کہا اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر بنت نیل کے بارے میں کوئی بات چھڑ گئی تو وہ شاید صحیح صحیح جوابات نہ دے سکے۔

★

"بڑی عجیب بات ہے" پروفیسر شہاب نے سوچتے ہوئے کہا "آخر ایسی شرارت کون کر سکتا ہے۔ بہرحال یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ ادھر سے گزرتے ہوئے آپ کو پوچھنے کا خیال آ گیا۔"

"جی ہاں" ڈاکٹر عثمانی نے سر ہلایا "ورنہ ظاہر ہے کہ میں تو اسے آپ ہی کا فون خیال کر رہا تھا۔ مگر ریسیور کچھ اتنی جلدی میں رکھا گیا کہ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ باہر جانے سے آپ کا مطلب شہر سے باہر جانے سے تھا یا گھر سے باہر جانے سے۔ کیونکہ پہلی صورت میں تو کل واپسی کا امکان کم ہی تھا۔ میں نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ شہر سے باہر جا رہے ہوں اور یونہی روا روی میں منہ سے کل شام کی دعوت کی بات نکل گئی ہو۔ میں یہاں پہنچوں تو معلوم ہو کہ صاحب خانہ غائب ہیں اس لئے بھوکا ہی واپس جانا پڑے گا۔"

"خیر یہ بات تو خدا نے چاہا تو کبھی نہیں ہوگی، میں گھر پہ موجود نہ بھی ہوں تو فرزانہ آپ کو بغیر کھانا کھلائے نہیں جانے دیگی۔" پروفیسر صاحب نے ایک ہلکا قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔ "اب ذرا میری سنئے۔ جب آپ وقت پر نہیں پہونچے تو میں نے نصف گھنٹے تو انتظار کیا کہ شاید کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہو لیکن جب آٹھ بج گئے تو میں نے فرزانہ سے کہا کہ آپ کو فون کر کے معلوم کرے کہ کیا بات ہے۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو پتہ چلا کہ لائن ڈیڈ پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت پہلی

مرتبہ احساس ہُوا کہ اتنے برس آپ سے تعلقات قائم ہوئے ہو گئے مگر میری گوشہ نشینی کی عادت نے کبھی آپ کے گھر کا پتہ تک پوچھنے کی زحمت نہیں کی کہ اس وقت گھر پہنچکر ہی خیریت پوچھ لیتا۔ مجبوراً صبر کر کے بیٹھا رہا۔ جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر جب آپ نو بجے تک نہیں آئے تو فرزانہ نے مجبور کر کے کھانا کھلا دیا۔ ویسے آپنے اب تک نہ کھایا ہو تو تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس وقت سوا دس بجے ہیں، اب تک کھانا نہ کھانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر عثمانی نے ہنستے ہوئے کہا "میں تو کھانا کھا کر ہی گھر سے چلا تھا۔ ایک دوست آگئے تو ان کے ساتھ گھومنے چلا گیا۔ واپسی میں ادھر سے گزرا تو ایکدم آپ کا خیال آیا سوچا کہ ممکن ہے فرزانہ جاگ رہی ہو اور اس سے آپ کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ دعوت تو اب کل ہی رہے گی، البتہ کافی منگوالیں تو ایک دور چل جائے گا۔"

پروفیسر صاحب نے فرزانہ کی طرف دیکھا جو یہ تمام گفتگو بڑی خاموشی سے سن رہی تھی۔

"مس فرزانہ باورچی سے کہہ کر کافی تیار کرا دو اور اس کے بعد تم جا کر آرام کرو۔" پروفیسر صاحب نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب جائیں گے تو میں خود بیرونی دروازہ بند کر دوں گا۔"

پانچ منٹ بعد کافی بھی آگئی۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت بڑے چہکے ہوئے موڈ میں معلوم ہوتے تھے، انھوں نے دروازے سے ہی ٹرے فرزانہ کے ہاتھ سے لے لی۔ اسے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنے کی ہدایت کی اور خود کافی بنانے لگے۔ ساتھ ساتھ انھوں نے پتہ نہیں کہاں کہاں کے قصے چھیڑ دیئے اور خود تو مسلسل سے ایک پیالی بھی نہیں پی، مگر پروفیسر صاحب کو زبردستی تین چار پیالیاں پلا دیں۔

پروفیسر صاحب نے پہلی پیالی پر کافی کے مزے کی تبدیلی کے بارے میں کچھ کہا۔ جو ڈاکٹر صاحب کی باتوں کے طوفان میں تنکے کی طرح بہہ گیا۔ معلوم نہیں کیا بات تھی کہ تیسری پیالی تک اُن کی آنکھوں میں سرخ ڈورے سے اُبھر آئے۔ ممکن ہے کہ یہ نیند کا خمار ہو مگر موڈ اُن کا بھی بیحد خوشگوار ہو گیا تھا اور وہ بات بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔

"ایک بات تو بتاؤ پروفیسر۔" دفعتاً ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ تم نے ابتک شادی کیوں نہیں کی؟"

"بس اپنی علمی مصروفیات میں کبھی اس جانب سنجیدگی سے غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔"

"تو اب کر ڈالو۔"

"اب مجھ بوڑھے کو کون اپنی بیٹی دے گا۔" پروفیسر صاحب نے قہقہہ لگاتے ہُوئے جواب دیا۔

"چالیس پینتالیس سال کی عمر میں آدمی بوڑھا تو نہیں ہو جاتا۔" ڈاکٹر صاحب بولے "رہی لڑکیوں کی بات تو آج تمہاری وہ عزت و شہرت ہے کہ ایک اشارے پر حسین سے حسین لڑکی کا رشتہ مل سکتا ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں دور جانے کی بھی کیا ضرورت ہے، لڑکی تو گھر میں ہی موجود ہے۔"

"کیا مطلب۔" پروفیسر صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"لو کافی پیو۔" ڈاکٹر صاحب نے چوتھی پیالی آگے بڑھائی پروفیسر صاحب سگار سلگانے کی مصروفیت میں یہ بھی نہیں دیکھ سکے کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں چھپے ہوئے ڈراپر سے کسی رقیق چیز کی پانچ چھ بوندیں کافی کی پیالی میں شامل ہو چکی ہیں۔

"مطلب یہ کہ فرزانہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔" انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا

"فرزانہ!" پروفیسر صاحب کافی کا گھونٹ بھرتے بھرتے چونک گئے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے انھیں کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "تمہیں تو کتابوں اور مردہ تحریروں کے علاوہ کسی طرف توجہ دینے کی عادت ہی نہیں۔" وہ ایک ہاتھ لہراتے ہوئے بولے "مگر وہ لڑکی جس طرح تمہاری ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتی ہے وہ محض آقا و ملازم کے تعلق میں ناممکن ہے۔ اُسے یقیناً تم سے دلچسپی ہے اور بھائی تم نے سنا نہیں آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیاں تو جوانوں کے مقابلے میں پختہ عمر کے آدمیوں کو زیادہ پسند کرتی ہیں... میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر تم اُسے شادی کی پیشکش کرو تو وہ ہرگز انکار نہ کرے گی۔"

پروفیسر صاحب کافی کے گھونٹ بھرتے ہُوئے کسی گہری سوچ میں کھوئے ہوئے تھے۔

★

فرزانہ کافی دینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک اسے ایک بات یاد آگئی۔ دوپہر جب وہ بازار سے واپس آئی تھی تو ملازمہ نے اسے بتایا تھا کہ اس کے جانے کے پندرہ بیس منٹ کے بعد مراد آیا تھا۔ وہ آتے ہی سیدھا اس کے کمرے میں گیا۔ وہاں تین

چار منٹ رہا۔ اور پھر جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس لوٹ گیا اس وقت خریدی ہوئی چیزیں مناسب جگہ رکھنے کی مصروفیت میں فرزانہ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی۔ مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ مراد اُسکے کمرے میں کیوں گیا تھا۔ اس کی موجودگی میں مراد کا وہاں آنا تو کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن اس صورت میں کہ وہ خود اُسے باہر جاتے ہوئے مل چکا تھا اور جانتا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہوگی، وہاں کیوں گیا تھا؟

فرزانہ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، وہ وہیں راہداری میں رک کر مراد کی اس حرکت کا کوئی جواز تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ دفعتاً اسے مراد کے وہ الفاظ یاد آئے جو اس نے اسٹڈی روم میں پردے کے پیچھے چھپ کر پروفیسر صاحب اور ڈاکٹر عثمانی کی گفتگو سننے کے بارے میں کہے تھے۔ اس نے بتایا تھا کہ اسٹڈی روم کی چابی کا ٹھپہ اس نے ایک روز فرزانہ کی عدم موجودگی میں اسکی چابیوں کے گچھے سے حاصل کیا تھا۔ اور پھر اس ٹھپے کی مدد سے چابی بنوائی تھی۔

فرزانہ یہ بھی جانتی تھی کہ مراد، منتِ نیل کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اس منتر کو حاصل کرنے کے لئے کتنا بے چین ہو رہا ہے۔ وہ منتر پروفیسر صاحب کے ترجمے کے مسودے اور اصل تحریر کے ساتھ اسٹڈی روم کے سیف میں بند ہے۔ ہوسکتا ہے مراد کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہو۔ اور وہ فرزانہ کی ڈائری سے سیف کے نمبر نقل کرنے کے لئے اس کے کمرے میں گیا ہو اور اگر اسکا اندازہ درست ہو تو اس بات کا پورا خطرہ موجود ہے کہ مراد آج رات اسٹڈی روم میں داخل ہوکر منتر حاصل کرنیکی کوشش کرے گا۔

ایک لمحہ کے لئے فرزانہ کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ کیوں نہ وہ مراد کی تجویز منظور کرکے اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوجائے مراد نے پروفیسر صاحب کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اگر وہ سچ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دنیا کے کسی بھی مرد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک وہ تنہا اور مجبور ہے۔ ہر مرد اسے اپنی غرض کے لئے استعمال کرنا چاہے گا۔ تو آخر مراد کو قبول کرکے ایک خوشگوار اور عیش و عشرت سے بھرپور مستقبل کی ابتدا کرنے میں کیا نقصان ہے۔

دوسرے لمحہ فرزانہ نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا نہیں۔ اسے پروفیسر صاحب جیسے انسان کے بارے میں ایسی باتیں نہیں سوچنا چاہئیں۔ جب تک اُن کی جانب سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو اُسے اُن کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہیے۔ وہ ہر قیمت پر منتر کو مراد کے ہاتھوں میں جانے سے بچائے گی۔

اور یہ فیصلہ کرکے فرزانہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسٹڈی روم کی طرف گھوم گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی، سیف کھولا.... پروفیسر صاحب کے مسودے سے وہ صفحہ نکال لیا جس پر انھوں نے منتر کو اس کی اصلی صوتی آواز کے ساتھ اردو الفاظ میں منتقل کیا تھا۔ صفحہ تہ کرکے اپنی مٹھی میں دبایا۔ سیف بند کیا اور اسٹڈی روم مقفّل کرکے اپنے کمرے میں آگئی۔ اب کم از کم آج کی رات تو منتر محفوظ ہوگیا تھا۔ کل وہ پروفیسر صاحب سے سارا حال بیان کرکے اس کی حفاظت کا دوسرا انتظام کرنے کے لئے کہے گی۔

یہ ہی کچھ سوچتے ہوئے فرزانہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔ ایک طرف سے اس کا آستر تھوڑا سا اُدھیڑا، اس طرح کہ وہ پہلی نگاہ میں نظر نہ آئے۔ اور تہ کیا ہوا صفحہ اس میں چھپا دیا۔

اطمینان کی سانس لیتے ہوئے اس نے شب خوابی کا لباس تبدیل کیا اور بجلی بجھا کر اپنے نرم آرام دہ بستر پر لیٹ گئی۔ اسکے خیالات کی رو اب بھی مراد کی جانب لگی ہوئی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے راہداری میں جلنے والے بلب کی ہلکی ہلکی روشنی کمرے میں آرہی تھی۔ فرزانہ کی نظریں کھڑکی کی طرف اُٹھ گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر مراد نے آج رات منتر چرانے کی کوشش کی اور سیف کھولنے پر اسے مسودے میں ایک صفحہ غائب ملا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے کمرے میں آدھمکے۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے وہ بآسانی کمرے میں داخل ہوسکتا ہے۔ مگر کھڑکی ہی کیوں وہ تو دروازہ بھی اندر سے بند کرکے سونے کی عادی نہیں تھی... یہ خیال آتے ہی فرزانہ نے کچھ بے چینی سے کروٹ لی اور ایکدم سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

کوئی چیز..... کوئی بہت سخت چیز تکیے کے نیچے دبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا۔ اور اُسکی انگلیاں کسی ٹھوس اور ٹھنڈی شے سے مس ہوئیں۔ اچھل کر اُٹھتے ہوئے اس نے تکیہ اُلٹ دیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا ریوالور رکھا ہوا تھا۔ فرزانہ دیر تک پھٹی پھٹی حیران نظروں سے ریوالور کو گھور رہی تھی۔ پھر اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ ریوالور اُسکے تکیے کے نیچے کہاں سے آگیا۔

ابھی وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے کمرے کے باہر راہداری میں کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر کوئی اس کے دروازے کے پاس آکر رُک گیا۔ فرزانہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ خوف و دہشت کے بڑھتے ہوئے تاثر کے ساتھ اس نے سوچا کہ آخر یہ کون ہو سکتا ہے؟ مراد تو اتنی جلدی آنے کی ہمت نہیں کر سکتا جبکہ ابھی پروفیسر صاحب بھی جاگ رہے ہیں۔ اور ڈاکٹر عثمانی بھی موجود ہیں۔

فرزانہ کی گھبرائی ہوئی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں اس نے ہینڈل کو آہستہ آہستہ گھومتے دیکھا۔ کھٹکا ہٹنے کی ہلکی سی آواز ہوئی۔ اور پھر دروازے کا پٹ کھلنے لگا۔ روشن راہداری کے پس منظر میں ایک سایہ سا نمودار ہُوا۔

"کو... کو... کون ہے؟" فرزانہ نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

"میں ہوں ڈارلنگ۔" ایک بھاری اور نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری۔

پروفیسر صاحب۔ فرزانہ کے دماغ میں ایک دھماکہ سا ہُوا تو مراد ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

"وہیں رک جایئے پروفیسر صاحب!"

"کیسے رک جاؤں ڈارلنگ۔ میں تو تمام فاصلے ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے، اگر آپ نے قدم بڑھایا تو... تو گولی مار دوں گی۔" فرزانہ کے ہاتھ ہی نہیں پورا جسم کانپ رہا تھا۔

"جو پہلے ہی نظروں کے تیر اور ابروؤں کے خنجر سے قتل ہو چکا ہو اسے گولی مار کر کیا کرو گی۔" پروفیسر صاحب بہکے ہوئے قدموں سے آگے بڑھے۔

فرزانہ کو کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ ٹریگر پر اس کی کانپتی ہوئی انگلی کا دباؤ دفعتاً سخت ہو گیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اس غیر ارادی حرکت کو روک سکے ایک چھوٹے سے پٹاخے کے چھوٹنے کی سی آواز آئی، ساتھ ہی کسی نے بڑی تیزی سے پروفیسر صاحب کے پیچھے نمودار ہو کر کسی وزنی چیز سے اُن کے سر پر وار کیا اور دوسرے ہی لمحہ پروفیسر شہاب فرش پر ڈھیر ہو چکے تھے۔

ایل ایس ڈی

یہ ایک لمبی چوڑی کیمیائی اصطلاح کے شروع کے حروف ہیں۔ اس کی نہایت مختصر خوراک انسان کو جنت کی سیر کرانے کے لیے کافی ہوتی ہے لیکن اس کے دور رس نتائج خطرناک ثابت ہوئے ہیں مغرب کو نشہ آور دواؤں کے استعمال نے ایک خطرناک موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ ایل ایس ڈی کا زیادہ استعمال دیوانگی اور بعض صورتوں میں موت پر منتج ہوتا ہے بعض لوگ محض تجرباتی طور پر اپنے آپ کو اس امتحان یا ابتلا میں مبتلا کرتے ہیں بعض بچے بھی چوری چھپے ایل ایس ڈی کا مزا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خواہ مخواہ مصیبت میں پھنستے ہیں۔ ایک شخص نے ایل ایس ڈی کے نشے میں ایک دوسرے شخص کو قتل کر ڈالا، بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ وہ کسی قبیح جرم کا مرتکب ہُوا ہے۔

نفسیات کے ایک طالب علم نے تجرباتی طور پر ایل ایس ڈی استعمال کی اور اپنے محسوسات یوں بیان کیے۔

"میں نے ایک مرتبہ ساحل سمندر پر ایل ایس ڈی کی ایک خوراک لی اور وہیں بیٹھا لہریں دیکھتا رہا۔ مجھے لہروں سے بڑی خوفناک مخلوق اُبھرتی دکھائی دی لیکن بعض نہایت حسین صورتیں بھی نظر آئیں میں نے صحیح معنوں میں ہوائی قلعے تعمیر کیے، پھر پورا ایک شہر بنا ڈالا۔ کچھ کچھ صورتیں رقصاں نظر آئیں..... سب چیزیں ایک ساتھ متحرک نظر آ رہی تھیں۔"

"یہ تم نے کیا کیا؟" مراد نے بڑی نرمی سے فرزانہ کے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور لے لیا۔ پتہ نہیں وہ اس وقت اچانک کہاں سے آ گیا تھا۔

فرزانہ ابھی تک ایک گم سم حالت میں بستر پر بیٹھی ہوئی کانپ رہی تھی۔ اس کے اندر اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ پلنگ سے نیچے اتر کر یہ ہی دیکھ لے کہ پروفیسر شہاب کے گولی کہاں لگی ہے.... وہ ابھی زندہ ہیں یا پھر....

"میں... میں... میں کچھ نہیں جانتی۔" فرزانہ کے کانپتے ہونٹوں سے نکلا اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" مراد نے تسلی دی۔ "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

فرزانہ نے روتے روتے سر اُٹھا کر مراد کی طرف دیکھا۔

"کیسے ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے پروفیسر شہاب کو قتل کر دیا ہے۔ فائر کی آواز ملازموں نے بھی سنی ہوگی اور ڈاکٹر عثمانی نے بھی وہ بھی آئے ہوئے تھے، ابھی تھوڑی دیر میں پولیس آجائے گی اور پھر... اور پھر....."

"کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب جا چکے ہیں۔ ریوالور کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ کوئی بھی نوکر نہیں سن سکا ہوگا۔ اگر تم اب بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو تو میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔"

"کیسے سنبھال لو گے۔"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو" مراد نے کہا "یہ بتاؤ کہ مجھ سے تعاون کرنے کے لئے آمادہ ہو یا نہیں۔"

"اب اس کے سوا میرے پاس چارہ بھی کیا ہے" فرزانہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا "بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"شاباش میں انکل کی لاش ان کے کمرے میں ڈال آتا ہوں" مراد نے اطمینان کے ساتھ کہا "پولیس کو کل صبح سے پہلے اس واقعہ کا علم نہیں ہو سکتا اور اس وقت تک ہم بنت نیل کی مدد سے یہاں سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔"

"بنت نیل کی مدد سے" فرزانہ چونکی۔

"ظاہر ہے۔ وہ اپنے دور کی مشہور ساحرہ تھی اپنے زندہ رہنے والے کے احسان کے بدلے میں اگر نصف خزانہ دینے پر آمادہ ہو سکتی ہے تو اپنے جادو کی مدد سے ہماری حفاظت کا بھی کوئی انتظام کر سکتی ہے۔"

"مگر اس کی ممی تو نیشنل میوزیم....."

"میں نے کہا تھا کہ یہ سب باتیں مجھ پر چھوڑ دو، میں انکل کو ان کے کمرے میں ڈالنے جا رہا ہوں، تم اتنی دیر میں وہ منتر لے آؤ۔"

مراد نے فرزانہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر پروفیسر شہاب کو اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ فرزانہ بڑی حد تک خود پر قابو پا چکی تھی، مگر آج کے پُراسرار واقعات نے اس کے ذہن کو اتنا الجھا دیا تھا کہ وہ مزید کچھ سوچنے سے قاصر تھی۔ جب تک مراد واپس آتے وہ صرف اتنا ہی کر سکی کہ اٹھ کر اپنا لباس تبدیل کر لے۔

"منتر لے آئیں" مراد نے پوچھا۔

فرزانہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ پہلے سے ہی میرے پاس ہے مگر منہ سے نکل گیا "ابھی نہیں۔"

"تو اب دیر مت کرو" مراد گھڑی دیکھتے ہوئے بولا "انکل کا مسودہ ان کے کمرے میں ہے یا اسٹڈی روم میں۔"

"اسٹڈی روم کے سیف میں" فرزانہ نے جواب دیا۔

"نمبر تو تمہیں معلوم ہوگا۔"

"ہاں۔" فرزانہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دونوں اسٹڈی روم میں پہونچے۔ فرزانہ نے سیف کھولا۔ مسودہ نکالا۔

"اس میں سے منتر والا صفحہ غائب ہے۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا کہہ رہی ہو" مراد نے چونک کر مسودہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خود دیکھنے لگا۔

"مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" فرزانہ نے کہا "مجھے منتر یاد ہے۔"

"کسی غلطی کا امکان تو نہیں" مراد نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تب پھر ٹھیک ہے" مراد نے کچھ اطمینان سے کہا "اس کی آنکھوں سے کسی گہری سوچ کا اظہار ہو رہا تھا" مگر انکل کو یہ صفحہ نکالنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیئے" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ٹھیک کہتی ہو، آؤ چلیں۔" مراد نے جواب دیا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

مراد نے شہر کی ایک مضافاتی بستی میں ایک کرائے کا مکان لے رکھا تھا۔ حکومت نے حال ہی میں اس بستی کو بسانے کا کام شروع کیا تھا۔ مگر شہر سے دور ہونے کے باعث ابھی بہت کم لوگ یہاں آباد ہوتے تھے، اسی وجہ سے مکانات کے کرائے بہت کم تھے اور مراد کو ایک خاصا بڑا مکان معمولی سے کرائے میں حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی، اپنی مخصوص مصروفیتوں اور دلچسپیوں کی وجہ سے مراد کو یہ مکان بہت پسند تھا۔ سب سے بڑا فائدہ اس کے خیال میں اس مکان کا یہ تھا کہ یہاں اس کی تنہائی

میں مخل ہونے والا کوئی نہیں تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی دلال ایسی نا آموز لڑکی بھی لے آتا تھا جس پر قابو پانے میں مراد کو خاصی زور آزمائی کرنا پڑتی تھی اور ایسے مواقع پر اگر لڑکی چیخ پڑتی تھی تو پچاس گز کے دائرے میں اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اور مراد اس سے زیادہ آواز بلند کرنے کا اسے موقع نہیں دیتا تھا۔

فرزانہ نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ یہ دیکھ کر بے اختیار چونک گئی کہ بنتِ نیل کی ممی جو اس کے خیال میں نیشنل میوزیم میں محفوظ تھی کمرے کے ایک گوشے میں چادر سے ڈھکی ہوئی میز پر رکھی ہے۔ صرف اس کا چہرہ چادر سے باہر نکلا ہوا تھا۔

"تم اسے حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہو گئے" اس نے تیزی سے پلٹ کر مراد کی طرف دیکھا۔

اپنے محفوظ مکان کی چہار دیواری میں آنے کے بعد مراد کچھ زیادہ خود اعتماد نظر آ رہا تھا۔ فرزانہ کے سوال پر اس کے ہونٹوں پر احساس برتری کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میوزیم کے انچارج کو ممی لانے سے کون روک سکتا ہے" اس نے پراسرار لہجہ میں جواب دیا۔

"میوزیم کے انچارج" فرزانہ نے حیرت سے اسے گھورا "تو کیا تم ڈاکٹر عثمانی کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے ہو"

"تم فی الحال یہی سمجھ لو"

"سمجھ لو سے تمہارا کیا مطلب ہے، آخر تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے"

"غیر متعلق باتوں میں اپنا ذہن مت الجھاؤ" مراد نے کچھ تیزی سے کہا "ممی کے پاس جا کر منتر پڑھنا شروع کر دو، یا پھر منتر پڑھنے کے لئے پہلے کچھ تیاری کرنا پڑے گی"

"تم بہت سی باتیں مجھ سے چھپا رہے ہو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے" فرزانہ ناگواری سے بولی "ایسی صورت میں، میں تم کیسے بھروسہ کر سکتی ہوں"

"کیا مطلب؟"

تمہارے طرزِ عمل سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ خزانہ حاصل کرنے کے بعد تم مجھے میرا حصہ دینا گوارا نہیں کرو گے، چنانچہ جب تک مجھے تمام باتوں کا علم نہیں ہو جاتا میں منتر پڑھنے کیلئے تیار نہیں ہوں"

"اچھی بات ہے تو پھر منتر مجھے بتا دو میں خود پڑھ لوں گا"

"میں نے کہہ دیا کہ نہ میں خود منتر پڑھوں گی، نہ تمہیں بتاؤں گی۔ آخر جب تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے تو میں کیوں کروں"

"عدم اعتماد کا اظہار تمہاری طرف سے بھی ہوا ہے" مراد بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا "قسم کھا کر کہہ دو کہ مسودہ کا وہ صفحہ تم نے غائب نہیں کیا ہے"

فرزانہ بری طرح چونک گئی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا۔ اور اس کی یہ کیفیت مراد کو یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ محض اندازے پر چلایا ہوا تیر صحیح نشانے پر بیٹھا ہے۔

"یونہی سہی" آخر فرزانہ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا "ہر ایک کو اپنے مفاد کا تحفظ کرنے کا حق حاصل ہے"

"وہ صفحہ مجھے دیدو" مراد نے اس مرتبہ سخت لہجہ میں کہا

"نہیں"

"نہیں" مراد نے دہرایا اور آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے اس کا ہینڈ بیگ چھین لیا۔ اسے کھول کر تمام چیزیں فرش پر گرا دیں، مگر اس میں کوئی کاغذ نظر نہیں آیا۔ اس نے بیگ میں جھانک کر دیکھا اور پھر جھنجھلا کر اسے ایک طرف پھینک دیا۔

"بتاؤ! وہ صفحہ کہاں ہے" اس نے دانت پیستے ہوئے پوچھا

"مجھے نہیں معلوم" فرزانہ نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

"تو تم یوں نہیں بتاؤ گی" مراد نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دو" فرزانہ نے جھٹکا دیا، مگر مراد کی گرفت بہت مضبوط تھی "میں شور مچا دوں گی"

"ضرور کوشش کرو" مراد نے طنزیہ لہجہ میں جواب دیا۔ "یا پھر کہو تو میں پولیس کو فون کر دوں، وہ پروفیسر شہاب کی قاتلہ کو گرفتار کر کے بہت خوش ہو گی"

"مگر تم بھی نہیں بچ سکو گے"

"مان لیا۔ تم پر دست درازی کرنے کے الزام میں مجھے زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی قید ہو جائے گی، مگر تم سیدھی پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤ گی"

فرزانہ خاموش رہی، مگر رہائی کے لئے اس کی جدوجہد جاری تھی۔ مراد دیکھنے میں چھوٹے قد اور جثہ کا معلوم ہوتا تھا

لیکن اس کے بازوؤں میں بلا کی طاقت تھی، فرزانہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکی۔ مراد نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ساڑھی نوچ کر الگ پھینکی۔ پھر بلاؤز کی باری آئی کمرے کے وسط میں ایک عجیب وضع کی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے دونوں جانب لکڑی کا مستطیل تختہ لگا ہوا تھا۔ ہر تختہ دو ٹکڑوں پر مشتمل تھا جو قبضہ اور کنڈی کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے اور ان کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔

مراد نے فرزانہ کو مسہری پر گرا دیا۔ پہلے سرہانے کے تختے کا اوپری ٹکڑا اٹھایا اور درمیانی جگہ میں فرزانہ کے ہاتھ پھنسا تے ہوئے کنڈی لگا دی۔ پھر پائنتی کے تختے میں اسی طرح اس کے دونوں پاؤں جکڑ دیئے اور خود ایک فاتحانہ قہقہہ لگاتے ہوئے اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔

"یہ مسہری میں نے ان سرکش لڑکیوں کے لئے بنوائی تھی جو عام طریقوں سے راہ راست پر آنے سے انکار کر دیتی تھیں" وہ بولا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک دن یہ میرے لئے اتنی زیادہ کارآمد ثابت ہو گی، ایک مرتبہ پھر سوچ لو فرزانہ۔ وہ صفحہ میرے حوالے کرتی ہو یا میں اپنا علاج شروع کروں۔"

"تم جی بھر کے اپنا ستم آزما لو۔ میرا جواب وہی رہے گا۔"

"بہت خوب" مراد نے بڑی نفرت سے کہا "پہلے ممکن ہے میں تمہیں خزانہ حاصل کرنے کے بعد زندہ چھوڑ دیتا مگر اب اس مکان سے تمہاری لاش ہی برآمد ہو گی۔"

وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور تقریباً دس منٹ کے بعد واپس لوٹا تو اس نے دونوں ہاتھوں میں سیمنٹ کا بنا ہوا ایک گملا پکڑا ہوا تھا جس میں کوئلے دہک رہے تھے، بغل میں لوہے کی ایک لمبی سی سلاخ دبی ہوئی تھی، اس نے یہ انوکھی وضع کی انگیٹھی فرش پر رکھ دی اور پھر اس پر لوہے کی سلاخ رکھ کر کوئلوں کو پھونکیں مارنے لگا۔ فرزانہ دہشت زدہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مراد اس انگیٹھی اور سلاخ سے کیا کرنا چاہتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے ذہن پر کچھ زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اب وہ تریاہٹ پر آ گئی تھی اور سوچ لیا تھا کہ چاہے اس کی جان چلی جائے مگر وہ مراد کو منتر والا صفحہ نہیں دے گی۔

لیکن یہ فیصلہ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔ جب تپتی ہوئی سلاخ نے اس کے پیروں پر اپنا پہلا نشان ثبت کیا تو فرزانہ بری طرح چیخ اٹھی۔ دو تین مرتبہ داغے جانے کے بعد اس کی قوت مزاحمت بالکل جواب دے گئی، اور جب مراد پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لایا تو فرزانہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دونوں پیروں کو تنور میں جھونک دیئے ہیں۔

"اگر تم مجھے زندہ چھوڑنے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں منتر والا صفحہ دے سکتی ہوں" وہ کراہتے ہوئے بولی۔

"مجھے منظور ہے" مراد نے جلدی سے کہا۔

"وہ میرے ہینڈ بیگ کے استر میں ہے" فرزانہ نے کہا اور دوبارہ بیہوش ہو گئی۔

مراد لپک کر دوسرے کمرے میں گیا، فرش سے بیگ اٹھایا استر ٹٹولا اور اپنی حماقت پر اسے غصہ آ گیا کہ اس کا خیال اسے خود کیوں نہیں آیا۔ کاغذ استر کی تہہ میں محفوظ تھا۔ اس نے کاغذ نکالا اسے ایک نظر دیکھا۔ ہونٹوں پر ایک مطمئن شیطانی مسکراہٹ لئے وہ اس کمرے میں واپس آیا جہاں فرزانہ مسہری نما شکنجہ میں جکڑی بیہوش پڑی ہوئی تھی جیب سے وہ ریوالور نکالا جو اس نے فرزانہ کے تکیہ کے نیچے چھپا دیا تھا اس کا چیمبر کھول کر نقلی گولیاں ہتھیلی پر لوٹ دیں۔ کمرے کی الماری کھولی لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ اٹھایا۔ نقلی گولیاں اس میں ڈال دیں۔ پھر میز کی دراز کھول کر ایک دوسرے ڈبے سے ایک گولی نکال کر چیمبر میں رکھ دی۔ اسے بند کیا۔ ریوالور ہاتھ میں لئے مسہری کے قریب آیا۔ ریوالور کی نال فرزانہ کے سینے پر دل کے مقام پر رکھی اور ٹریگر دبا دیا۔

پروفیسر صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ کے مطابق منتر کو بنت نیل کی ممی کے پیروں کے قریب کھڑے ہو کر تین مرتبہ پڑھنا تھا۔ مراد کو خوشی تھی کہ اس کے لئے کچھ دوسرے لوازمات یا تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اسے صفحہ کے آخر میں لکھے ہوئے چند الفاظ فکرمند کر رہے تھے، لکھا تھا "مندرجہ بالا منتر تین مرتبہ پڑھنے کے بعد بنت نیل زندہ ہو جائے گی۔ البتہ اس سلسلہ میں ایک بات کا خیال....."

اور بس اس کے بعد صفحہ ختم ہو گیا تھا۔ مراد نے غور کیا اگلے صفحہ پر کوئی ایسی بات تو تحریر نہیں تھی جس کا جاننا بنت نیل کو زندہ کرنے کے لئے ضروری ہو، مگر عبارت صاف تھی۔ منتر پڑھنے کے بعد بنت نیل کا زندہ ہونا لازمی تھا۔ ممکن ہے جس بات کا خیال رکھنے کی اگلے صفحہ پر ہدایت کی گئی ہو اس کا تعلق بنت نیل سے گفتگو کرنے یا اسے اپنی بات سمجھانے کے سلسلے میں ہو، کیونکہ وہ بہرحال قدیم مصری

معذرت

ہمارے مُلک کے ایڈیٹروں کا وطیرہ ہے کہ کسی مسوّدے کی صُورت پسند نہ آئی، کسی کی لکھائی دِل کو نہ بھائی، کسی کا اندازِ تحریر دِل کو نہ لگا تو جھٹ مسوّدہ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ چین کے ایک رسالے کے ایڈیٹر ہن فو اس معاملے میں بڑے صُلح کُل اور مُعاملہ فہم ہیں، کسی کا دِل توڑنا اُن کے نزدیک بہت بڑا کُفر ہے۔ اُنہوں نے ایک بڑا ہی بھونڈی اور بوگس مسوّدہ اس جواب کے ساتھ لوٹایا۔

" چاند اور سُورج جیسے روشن برادر! اس غُلام پہ نظرِ کرم کرو جو اس لمحے تمہارے قدم چُوم رہا ہے، تمہارے پیروں کی مٹّی کو صندل سمجھ کر ماتھے کا ٹیکہ بنا رہا ہے، اس غلام حقیر کو بولنے کی اجازت دو، میں نے آپ کا مسوّدہ بڑی مسرّت کے ساتھ پڑھا ہے اور میں اپنے آبا و اجداد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسا مسوّدہ آج تک میری نظر سے گزرا نہ تھا، اگر ہم اس مسوّدے کو چھاپ دیں تو قارئین اُسے بھی معیار بنا لیں گے اور پھر ہم پر یہ پابندی عائد کر دی جائے گی کہ جو کچھ بھی چھپے اِس معیار پر پُورا اُترتا ہو کیونکہ ایسا مسوّدہ تو شاید دس ہزار سال میں بھی کسی صاحب کے ہاتھ سے لکھا نہیں جا سکتا، ملتمس ہوں کہ آپ مجھے اپنے نوکروں کا غلام سمجھیں اور مسوّدہ لوٹانے کو میری مجبُوری سمجھ کر مُعاف فرمائیں "

خادم : ہن فو

مرسلہ : سید عثمان علی، کراچی

زبان بولتی ہو گی۔ مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لئے مراد واپس جا کر اگلا صفحہ دیکھنے کا خطرہ مول لینا۔ کامیابی کی منزل کے اتنے قریب پہونچ کر وہ بنتِ نیل کو زندہ کرنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کاغذ ہاتھ میں پکڑے بنتِ نیل کے پیروں کے قریب کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں وہ عجیب و غریب ناقابل فہم الفاظ پڑھنے لگا۔ ایک مرتبہ، دوسری مرتبہ، تیسری مرتبہ۔

تیسری بار ابھی آخری لفظ اس کی زبان سے ادا ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست تڑاخا سا ہوا، جیسے کوئی طوفانی بادل زور سے گرجا ہو۔ ساتھ ہی روشنی کا ایک تیز شعلہ پل بھر کے لئے بنتِ نیل کے سر پر چمکا اور غائب ہو گیا۔ مراد کی آنکھیں جھپک گئیں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے جا لگا۔ اس کی خوفزدہ نظریں بنتِ نیل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اُسے ممی کے بند ہونٹوں کے نیچے حرکت محسوس ہوئی پھر پلکیں تھرتھرائیں۔ ہاتھوں کی انگلیاں ہلیں اور رفتہ رفتہ یہ حرکت پورے جسم میں پھیل گئی۔ بنتِ نیل نے اپنی بڑی بڑی غلافی آنکھیں کھول کر پہلے چھت کی طرف اور پھر دائیں بائیں دیکھا، اس کے ہونٹوں سے ایک گہری سانس باہر نکلی۔ دوسرے لمحہ وہ اپنے حنوط شدہ جسم کے ساتھ میز پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ مراد کا خوف دور ہونے لگا تھا اب خوف کی جگہ بے اندازہ مسرت نے لے لی تھی۔ بنتِ نیل کی داستان جھوٹی نہیں تھی۔ اس کا منتر بھی سچا تھا۔ وہ زندہ ہو گئی ہے ہزاروں سال کے بعد پھر اس کے جسم میں زندگی کی حرارت عود کر آئی ہے اور اگر یہ سب کچھ حقیقت ہے تو خزانے کی بات بھی ضرور سچ ہو گی۔

بنتِ نیل آہستہ آہستہ نیچے اتری، اس نے اپنے جسم پر نگاہ ڈالی۔ اس کا سیدھا ہاتھ سر سے بلند ہوا اور ہونٹ حرکت میں آتے اور مراد اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ یہ یقیناً جادو تھا۔ کیونکہ اب اس کی نظروں کے سامنے کوئی حنوط شدہ ممی نہیں قدیم مصری لباس میں ایک ایسی حسین عورت کھڑی تھی جس کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بنتِ نیل کا ہاتھ پھر سر سے اوپر اٹھا۔ اور مراد کو خطرہ ہوا کہ اس مرتبہ وہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔ "بنتِ نیل" وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

اب تک بنتِ نیل نے اسے نہیں دیکھا تھا، آواز سن کر وہ اس کی طرف گھومی۔ اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ ایک پل اُسے غور سے دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں غصّہ کی چمک نمودار ہوئی۔ مراد کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ آنکھیں اس نے کہیں دیکھی ہیں۔ جیسے اجنبی ہونے کے باوجود بنتِ نیل نے اُسے پہچان لیا ہے۔

"مراد!" بنتِ نیل کی شیریں آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی

"ہاں۔ میرا نام مُراد ہے"۔ وہ حیرت سے بولا "مگر تم مجھے کیسے جانتی ہو؟"

"اپنے قاتل کو میں نہیں جانوں گی تو اور کون جانے گا۔"

بنتِ نیل کے گلابی ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ اُبھری

"قاتل!" مراد چونکا "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں نے تو تمہیں نئی زندگی دی ہے، اور تم نے اپنی خود نوشت داستان میں لکھا ہے کہ اگر کوئی منتر پڑھ کر تمہیں دوبارہ زندہ کردے تو تم اسے اپنے خزانے کا نصف حصّہ بطور انعام دے دوگی"۔

"تمہیں اس پر حیرت نہیں ہوئی کہ میں قدیم مصری زبان کے بجائے اُردو کیوں بول رہی ہوں" بنتِ نیل نے بڑے عجیب لہجہ میں پوچھا۔

"تم ساحرہ ہو اور اپنے جادو سے جس کا ایک نمونہ میں دیکھ چکا ہوں۔ تم جو چاہو کر سکتی ہو" مراد نے حیران ہونے کے باوجود کہا۔

"مگر تم بدقسمت ہو کہ تم نے مسوّدے کا اگلا صفحہ نہیں دیکھا"

"کیا تھا اس صفحے پر" مراد کو ایک مرتبہ پھر خون منجمد ہونے لگا تھا

"یہ کہ منتر پڑھنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس مقام پر منتر پڑھا جا رہا ہو وہاں یا اس کے آس پاس کم سے کم تین دن پہلے تک کوئی موت واقع نہ ہوئی ہو ورنہ اس بات کا امکان ہے کہ بنتِ نیل کے بجائے اس فرد کی رُوح اس جسم میں آجائے"۔

یہ الفاظ ایک دھماکہ خیز بم کی طرح مراد کے کانوں سے ٹکرائے اُس نے گھبرا کر بنتِ نیل کی طرف دیکھا اور دفعتاً اسے معلوم ہو گیا کہ بنتِ نیل کی آنکھیں اسے کیوں جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔ اِن آنکھوں کے پیچھے فرزانہ کی شخصیت جھانک رہی تھی۔ وہ یوں لڑکھڑایا جیسے کسی نے اُس پر پُوری طاقت سے وار کیا ہو۔ بنتِ نیل اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر مسکرائی۔

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو" وہ بولی "میں فرزانہ ہوں"۔

"یہ جھوٹ ہے" مراد چیخا "تم اپنے خزانے کا نصف حصّہ دینے سے بچنے کے لئے یہ بہانہ تراش رہی ہو۔ فرزانہ ساحرہ نہیں تھی اور میں نے تمہیں ابھی جادو کرتے دیکھا ہے"۔

"فرزانہ بیشک ساحرہ نہیں تھی مگر جادو ایک علم ہے اور علم کا تعلق ذہن و یادداشت سے ہے۔ بنتِ نیل کی تمام ساحرانہ قوت اس کے دماغ میں محفوظ تھی اور آج بھی محفوظ ہے اس جسم میں تمہاری رُوح بھی آجاتی تو تم خود کو بنتِ نیل ہی کی طرح سحر کے کمالات پر قادر محسوس کرتے"۔

"یونہی سہی" مراد نے کچھ سنبھلتے ہوئے کہا "اگر فرزانہ کی حیثیت سے میں نے تمہیں قتل کیا ہے تو بنتِ نیل کی حیثیت سے میں نے تمہیں زندگی بھی دی ہے۔ نصف نہ سہی چوتھائی خزانے کا میں بہرحال حقدار ہوں"۔

"تم اس قابل ہو کہ تمہیں انتہائی اذیتناک طریقوں سے قتل کیا جائے اور اگر اس جسم میں واقعی میری رُوح واپس آجاتی تو وہ شاید تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کرتی۔ مگر فرزانہ کی رُوح مجھے تمہارے ساتھ نرم سلوک پر اُکسا رہی ہے اس کے علاوہ تمہارے اس اقدام نے میرے لئے ایک ایسا بہترین موقع فراہم کر دیا ہے جس کا اندازہ تمہیں نہیں ہو سکتا اسلئے میں تمہیں قتل نہیں کروں گی لیکن سزا تمہیں بہرحال ملے گی اور وہ یہ ہے"۔

یہ کہتے ہوئے بنتِ نیل کا سیدھا ہاتھ مراد کی طرف تن گیا۔

اُس کے ہونٹ حرکت میں آئے اور دوسرے لمحہ کمرے میں نہ بنتِ نیل تھی نہ مُراد۔ البتہ ایک فاکس ٹیریر کتّا کان ہلاتا ہوا دروازے سے باہر بھاگا جا رہا تھا۔

★

دوسرے دن صبح پروفیسر شہاب سو کر اُٹھے تو اُن کے سر کے پچھلے حصّہ میں شدید درد ہو رہا تھا۔ انھوں نے اپنے سراپا پر نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے کہ گزشتہ رات وہ کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر لیٹ گئے تھے۔ ابھی وہ منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ملازمہ نے آکر بتایا کہ فرزانہ بی بی اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔ پروفیسر صاحب کو اور حیرت ہوئی۔ یہ بات فرزانہ کے معمول کے خلاف تھی۔ وہ کبھی انھیں صبح کا ناشتہ دیئے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی تھی۔ بہرحال انھوں نے ملازمہ سے ناشتہ لانے کے لئے کہا۔

ناشتہ کرتے ہوئے انھیں ڈاکٹر عثمانی کا خیال آیا اور ساتھ ہی پچھلی رات اُن کی آمد بھی یاد آگئی۔ مگر ذہن پر زور دینے کے باوجود وہ یہ یاد نہیں کر سکے کہ ڈاکٹر عثمانی کب رخصت ہوئے تھے۔ کافی پینے سے پہلے تک کی باتیں تو اُن کے ذہن میں محفوظ تھیں مگر بعد کی کوئی بات یاد نہیں آرہی تھی۔ ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھے کہ ڈاکٹر صاحب کا فون آگیا۔

"بھئی میں نے سوچا کہ فون کر کے معلوم کر لوں آپ واپس آگئے ہیں یا نہیں اور آج شام کی دعوت پکّی ہے یا ابھی اور انتظار کرنا پڑے گا" انھوں نے کہا۔

"کیا معنی؟" پروفیسر صاحب چونکے "جناب یہ بات تو کل رات ہی صاف ہوگئی تھی کہ میں کہیں باہر نہیں گیا ہوں۔ بلکہ کسی نے آپکو شرارتاً فون کیا تھا۔"

"کل رات" ڈاکٹر صاحب کے لہجہ سے بھی چونکنے کا تاثر ظاہر تھا "مگر کل رات میری آپ سے ملاقات ہی کہاں ہوئی تھی۔ آپ کا فون پانے کے بعد آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"محترم آپ نہ صرف آئے تھے بلکہ اس فون کا بھی ذکر کیا تھا جو آپ سمجھے تھے کہ میں نے کیا ہے۔"

"آپنے ضرور کوئی خواب دیکھا ہے" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

"جی ہاں۔ اور اس خواب میں میرے ساتھ میرے ملازم بھی شامل تھے جنھوں نے آپکو دیکھا اور فرزانہ بھی شریک تھی جس نے آپکو کافی لاکر دی۔"

"مگر بخدا میں سچ عرض کر رہا ہوں کہ میں ہرگز آپکے گھر نہیں آیا" ڈاکٹر صاحب نہ صرف حیران تھے بلکہ کچھ پریشان بھی۔

اور یہ پریشانی اس وقت اور بڑھ گئی جب وہ میوزیم پہنچے اور اپنے ماتحت کو سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے پایا۔ میوزیم کے تمام دروازے بند تھے۔

"یہ کیا جمیل صاحب"۔ ڈاکٹر صاحب نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا "آپ یہاں سیڑھیوں پر کیا کر رہے ہیں۔ اور ابتک میوزیم کیوں نہیں کھولا۔"

"آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"مگر کیوں۔ چابیوں کا ایک گچھا تو آپکے پاس بھی رہتا ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر کل شام آپ اسے مانگ کر لے گئے تھے۔"

"میں آپ سے مانگ کر لے گیا تھا۔"

"جی ہاں۔ آپ تقریباً سات بجے میرے گھر تشریف لائے تھے اور فرمایا کہ ایک ضروری تحقیقات کے لئے بنت نیل کی ممی کو پروفیسر شہاب کے گھر لے جانا ضروری ہے۔ آپ اپنی چابیوں کا گچھا کہیں رکھ کر بھول گئے ہیں اس لئے میں اپنی چابیاں دیدوں۔"

بنت نیل کا نام سنتے ہی ڈاکٹر عثمانی نے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا۔ جمیل کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیاں نکالیں اور دروازے کھولتے ہوئے سیدھے اس کمرے میں پہنچے جہاں بنت نیل کی ممی رکھی تھی۔ شیشے کے کیس پر نظر پڑتے ہی انھوں نے اطمینان کی سانس لی۔ اب انکی نگاہ اتنی کمزور بھی نہیں تھی کہ کیس میں رکھی ہوئی ممی نظر نہ آتی پھر بھی مزید اطمینان کے خیال سے انھوں نے قریب جاکر دیکھا۔ بلاشبہ بنت نیل اسی طرح حنوط شدہ حالت میں آنکھیں بند کئے دراز تھی۔ وہ جمیل کی طرف گھومے جو ان کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"ممی تو یہاں موجود ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر آپکے ہاتھ میں جو چابیاں ہیں وہ میری ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب نے چونک کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ واقعی یہ اُن کی چابیاں نہیں تھیں۔

"تو پھر میری چابیاں کہاں ہیں"۔ وہ بڑبڑائے

اس سوال کا جواب جلد ہی ڈاکٹر صاحب کے اپنے دفتر میں میز پر رکھے ہوئے گچھے کی شکل میں مل گیا۔ مگر اس سے معمہ سلجھنے کے بجائے کچھ اور اُلجھ گیا تھا۔ ایک طرف پروفیسر صاحب مدعی تھے کہ ڈاکٹر عثمانی اُن سے ملنے آئے تھے دوسری طرف جمیل کہہ رہا تھا کہ وہ اس سے چابیاں لے گئے تھے جبکہ ڈاکٹر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ نہ پروفیسر شہاب کی کوٹھی گئے تھے نہ جمیل کے گھر۔

اُنھوں نے گھبرا کر ایک مرتبہ پھر پروفیسر صاحب کو فون کیا

"اچھا ہوا کہ آپنے فون کر لیا میں خود آپ کو فون کرنے والا تھا" پروفیسر شہاب نے ڈاکٹر صاحب کی آواز سنتے ہی کہا

"کل رات آپ میرے مسودے کا وہ صفحہ تو نہیں لے گئے جس پر منتر لکھا ہوا تھا"

"میرے بھائی آخر میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں کہ کل رات میں ہرگز آپکے گھر نہیں آیا تھا اور اس بات کی تصدیق آپ میرے اہلِ خانہ سے کر سکتے ہیں جن کے ساتھ میں رات گیارہ بجے تک ٹیلیویژن دیکھتا رہا ہوں" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا اور ساتھ ہی اپنی تازہ الجھن بھی بیان کر دی۔

"ایک منٹ ٹھہریئے" پروفیسر صاحب نے دفعتاً چونکتے ہوئے کہا۔ اور دوسری طرف سکوت چھا گیا۔ تقریباً ایک منٹ کے بعد اُن کی آواز پھر اُبھری۔

"غضب ہوگیا ڈاکٹر عثمانی" وہ کہہ رہے تھے "میرے مسودے کا صفحہ ہی نہیں بلکہ اصلی تحریر کی وہ کھال بھی غائب ہے جس پر

وہ منز دیج تھا۔ یہ کوئی پُراسرار معاملہ ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آرہا ہوں۔"

★

پروفیسر صاحب کوٹھی سے نکل کر گیرج میں پہونچے تو انہیں ایک فاکس ٹیریر کتا گیرج کے فرش پر لیٹا ہوا نظر آیا۔ کتا اعلیٰ نسل کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ انھیں دیکھ کر دُم ہلانے اور اُن کے پیروں سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسوقت پروفیسر صاحب کو یہ غور کرنے کی فرصت نہیں تھی کہ کتا کہاں سے آیا یا کس کا ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کار باہر نکالی تو کُتا اُچھل کر اُن کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انھوں نے دو تین مرتبہ اُسے اُتارنے اور بھگانے کی کوشش کی مگر جب اس میں ناکام رہے تو تنگ آکر اُسے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

میوزیم پہونچکر وہ ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لئے سب سے پہلے بنتِ نیل کی ممی دیکھنے گئے۔ قریب آکر شیشے کے کیس میں جھانکا ہی تھا کہ بے اختیار چونک کر پیچھے ہٹے۔ ایک ثانیئے کے لئے انھیں یوں محسوس ہوا جیسے بنتِ نیل نہیں بلکہ فرزانہ کی لاش حنوط شدہ حالت میں اُن کی نظروں کے سامنے پڑی ہے۔

"یہ تو...." بوکھلا کر اُن کے منھ سے نکلا پھر وہ ایک دم رُک گئے۔ منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ اب اُن کی آنکھیں بنتِ نیل کی ممی کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کچھ کہتے کہتے رُک گئے" ڈاکٹر صاحب نے حیران نظروں سے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بنتِ نیل ہی ہے"، پروفیسر صاحب نے اپنی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا" مگر... جو پُراسرار باتیں میرے آپکے یا جمیل کے ساتھ ہوئی ہیں انھیں میں نہیں سُلجھا سکتا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اب ہم کبھی بنتِ نیل کو زندہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ اُس کے خزانے کا راز معلوم کر سکتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ان واقعات کو بھلانے کی کوشش کریں۔"

★

اس کے بعد صرف اتنا ہی بیان کرنا باقی رہ جاتا ہے کہ فرزانہ کی گمشدگی کے بعد جب مُراد کے غائب ہونے کی بات پھیلی تو سمجھ لیا گیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ فرار ہوگئے ہیں۔ اُن کے بارے میں پھر کبھی کوئی خبر نہیں ملی۔ ڈاکٹر عثمانی کو وہ فون کس نے کیا تھا؟ وہ کون تھا جو پروفیسر صاحب کے گھر آیا تھا؟ وہ کون تھا جس نے جمیل سے چابیاں لی تھیں اور پھر اس رات کافی پینے کے بعد کیا کچھ گزرا تھا۔ یہ تمام سوالات ایسے ہیں جو آج بھی پروفیسر شہاب اور ڈاکٹر عثمانی کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کا کوئی جواب ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ وہ فاکس ٹیریر کتا اب بھی پروفیسر صاحب کے ساتھ ان کی کوٹھی میں رہتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ کوٹھی کے تمام کمروں میں جاتا ہے مگر فرزانہ کے کمرے میں قدم نہیں رکھتا۔

لیکن ناظرین جو ابتدا سے اس داستان کو پڑھ رہے ہیں صرف ایک سوال کے جواب میں اُلجھ سکتے ہیں کہ فرزانہ کی لاش کہاں گئی۔ تو اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ بنتِ نیل نے اسے اپنی جگہ ممی بنا کر شیشے کے کیس میں رکھ دیا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ خود بنتِ نیل کہاں ہے تو یہ ایک سربستہ راز ہے جو شاید کبھی حل ہو جائے۔

مُطالعہ کرنے امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کیلئے ایک بے حد کارآمد نفسیاتی کتاب

امتحان میں کامیابی حاصل کیجیے

قیمت ۲/۲۵ روپے ● محصُول ڈاک : ایک روپیہ

فردوس پبلی کیشنز 6 E-7 ناظم آباد، کراچی ۱۸